ہماری ویب ای بُک

عبدالماجد ملک

ABDUL MAJID MALIK

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Abdul Majid Malik"
at Hamariweb.com

کشمیر اور امن کی آشا

فروری کا مہینہ شروع ہوتے ہی کشمیری حریت پسندوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے لئے کانفرنسیں اور تقاریب شروع ہو جاتی ہیں۔ ان تقاریب میں جہاں کشمیریوں کی آزادی کی بات کی جاتی ہے وہیں بھارت کے متعصب رویہ کے خلاف قرار دادیں منظور کی جاتی ہیں ان کانفرنسز میں بڑے زور و شور کے ساتھ بلند و بانگ دعوے کئے جاتے ہیں اور نعرے لگائے جاتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے، کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے ، کشمیر بنے گا پاکستان وغیرہ وغیرہ

لیکن عملی طور پر کچھ نہیں کیا جاتا اور اب تو پاکستان اور بھارت کے نام پر مفاہمت کے نام پر "امن کی آشا" کے نام سے کوئی سبق رٹایا جا رہا ہے لیکن انہیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ وہی بھارت ہے جس نے کبھی پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی بھارت ہے جس میں پاکستان کا نام لینے والے کے لئے بھارت کی زمین تنگ کر دی جاتی ہے۔

اب اگر پاکستان میں بھارت گورکھا فورس کے ذریعے دہشت گردی کرے اور ہم امن کی آشا کا راگ الاپتے رہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بھارت اگر پاکستان کے لئے دریاؤں کا پانی بند کردے اور ہم امن کی آشا کا نعرہ بلند کرتے رہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ بھارت اگر پاکستان کے دریاؤں پر 62 ڈیمز بنا لے اور ہم امن کی آشا کی خاطر زبان کو سی لیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بھارت اگر پاکستان میں اپنی ایجنسیز RAW وغیرہ کے ذریعے دہشت گردی کو فروغ دیتا رہے اور ہم امن کی آشا کا وِرد کرتے رہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بھارت اگر پاکستانی کرکٹ ٹیم کی آئی۔پی۔ایل میں سرعام تذلیل کرے اور ہم امن کی آشا، امن کی آشا کہتے رہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بھارت اگر پاکستان کی شہ رگ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرلے اور ہم امن کی آشا کے نعرے بلند کرتے رہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

بھارت اگر کشمیر میں اپنی فوجوں کو اتار کر وہاں نہتے کشمیریوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتا رہے، وہاں خون کی ندیاں بہاتا رہے، ہماری کشمیری ماؤں، بہنوں کی عزت و آبرو سربازار نیلام کرتا پھرے اور پھر بھی ہم ہندو بنیے کا دیا ہوا

سبق امن کی آشا دہراتے رہیں، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

امن کی آشا کا قاعدہ پڑھنے والوں: اپنی آنکھیں کھولو اور غور سے ہندو بنئے کو پہچانو اگر آپ کو امن کے دیئے جلانے کا شوق ہے تو قبائلی علاقہ جات میں جاؤ، اگر آپ نے امن کی شمع کو جلانا ہے تو بلوچستان میں جاؤ، اگر آپ نے امن و امان کے لئے کردار ادا کرنا ہے تو روٹھے ہوئے بلوچوں کو مناؤ، اگر اگر آپ نے امن کا پرچار کرنا ہے تو سندھ کے دھاڑیلوں کے پاس جاؤ، جنوبی پنجاب کے سادہ دل لوگوں کے دلوں امن کے چراغ جلاؤ، اگر آپ نے امن کے دیئے جلانے ہی ہیں تو پاکستان کی شہ رگ کشمیر میں جا کر جلاؤ۔

ہندو بنئے کو امن کا درس دو کہ وہ اس خوبصورت اور دلکش وادی میں بارود کی بُو نہ پھیلائے اور کشمیر کا خیال اپنے دماغ سے کھرچ دے کیونکہ

یاراں جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنّت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

امن کی آشا کا راپ الاپنے والو؛ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے وہ الفاظ بھی ذہن نشین کر لو جو انہوں نے 2 نومبر 1945ء میں پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہے ہمارا کوئی دوست نہیں ہے ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ"

ہندو بنئے پر، ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو
جائیں"

کشمیر ڈے پر ہم عہد کریں کہ کشمیر کی آزادی تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کردیں گے اور انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب شہدائے کشمیر کا خون رنگ لائے گا اور ہندو دم دبا کر بھاگے گا اور کشمیر میں سبز ہلالی پرچم لہرائے گا۔

مجھے انصاف چاہیے

مجھے انصاف چاہیئے خون کے بدلے خون چاہئے میری التجا ہے شہباز شریف سے ،اپنی حکومت سے، میڈیا سے ، عوام سے مجھے انصاف چاہئے ،مجھے انصاف چاہئے پورے گیارہ دن ہو گئے کسی نے کچھ نہیں کیا کسی نے کچھ نہیں کیا۔

یہ مجبور قوم کی اس بے بس بیٹی اور بہن کے آخری الفاظ ہیں جس کے سرتاج فہیم کو گزشتہ دنوں امریکی دہشت گرد ریمنڈ ڈیوس نے بھرے بازار میں اور مصروف ترین روڈ پر دن دیہاڑے قتل کر دیا تھا اور جدید اسلحہ لہراتا ہوا لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا فرار ہونے کی کوشش کی ، پولیس نے عوام کے تعاون سے اسے گرفتار کیا تو اس نے دھمکیاں دیں لیکن پولیس نے اسے رہا نہیں کیا تو امریکہ کو سفارتی قوانین یاد آ گئے کہ ریمنڈ ڈیوس سفارت خانے کا ایک اہلکار ہے اور اسے سفارتی استثنٰی حاصل ہے پاکستان کو ریمنڈ رہا کرنا چاہئے جی ہاں یہ وہ امریکہ ہے جب 1997 میں جارجیاکے نائب سفیر سے ایک ٹریفک حادثے میں چار بندے زخمی اور ایک لڑکی جاں بحق ہوئی تو امریکہ نے سفیر کو دس سال کی سزا سنائی جب جارجیاکے صدر نے سفارتی استثنٰی کی بات کی تو امریکہ نے کہا عدالت کا معاملہ ہے ہم اس میں مداخلت نہیں کر سکتے لیکن جب ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ آتا

ہے تو امریکہ، سفارت خانے کے ایک معمولی اہلکار کے لئے سفارتی استثنٰی کی بات کرتا ہے کیونکہ اس کا جرم یہ ہے کہ اس کے نزدیک پاکستانی کیڑے مکوڑوں کی مانند ہیں اور اس نے تین مکوڑوں کا مار کر کوئی بڑا جرم نہیں کیا ہے لیکن اس وقت ریمنڈ ڈیوس کا کیس عدالت میں چل رہا ہے اس لئے امریکہ کو بھی ہماری عدالتوں کے فیصلے کا احترام کرنا چاہئے کیونکہ اس کے برعکس اگر ہم بات کریں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی تو اسے ایک بے بنیاد الزام کے تحت امریکی عدالتیں چھیاسی برس کی قید سنا سکتی ہیں تو پاکستان بھی ایک امریکی مجرم کو استثنٰی نہیں دے سکتا، پاکستانی حکومت کو اب امریکہ کو دو ٹوک جواب دینا چاہئے اور یہ واضح کر دینا چاہئے کہ عدالتیں جو فیصلہ کریں گی امریکہ کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔

اب بات کریں شائلہ کی خودکشی کی تو اس کے جان دیتے ہوئے آخری الفاظ ہمیں جھنجوڑ رہے ہیں اور ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ آخر ایسا کون سا دباؤ تھا جس کی وجہ سے شائلہ نے موت کو گلے لگا لیا، آخر ایسی کون سی وجوہات تھیں جس کی وجہ سے شائلہ اس معاشرے سے مایوس ہو گئی اور اپنی جان قربان کر دی، یہاں پہ یہ سوال نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ شائلہ نے عوام سے میڈیا سے اور شہباز شریف سے اتنی امیدیں کیوں باندھیں ؟؟؟ کیا عوام اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر شائلہ کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے ؟ کیا خادم

اعلیٰ شہباز شریف صاحب امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں گے اور امریکی دہشت گرد ریمنڈ ڈیوس کو اس کے جرم کی سزا دلوا پائیں گے؟؟؟ تیونس میں بھی ایک ابو عزیزی نامی نوجوان کو ایک شاہی ملازم نے تھپڑ مارا تھا جس کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دی تھی اور ابو عزیزی نے خودکشی کر لی جس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور تیونس میں انقلاب کی وجہ بن گئی لیکن پاکستان میں در در کی ٹھوکریں کھانے والے،انصاف کے منتظر کئی ابو عزیزی موت کو گلے لگا رہے ہیں لیکن ہم کل بھی سو رہے تھے اور آج بھی خاموش ہیں لیکن اب ہمیں بیدار ہونا پڑے گا کیونکہ

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

دوڑو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہمارے حکمران طبقہ کو شائلہ کی خودکشی کا نوٹس لینا چاہئے اور اسے انصاف مہیا کرنا چاہئے اگر اسے انصاف نہ ملا تو بعید نہیں کہ تیونس کے طرز پر انقلاب بھی آ سکتا ہے ویسے بھی میں نے تو پہلے بھی کہا تھا کہ 2011ء انقلاب کا سال ہے،پہلے تیونس میں انقلاب آئے،اب مصر اور یمن میں انقلابی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور پاکستان کی کابینہ میں بھی تبدیلیاں ہو رہی ہیں یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ پاکستان کی کابینہ کا سائز کم ہو جائے گا تو امید ہے کہ اخراجات میں بھی کمی آ جائے گی۔ کم علمی کی وجہ سے کالم کے عنوان سے بھٹک

گیا ہوں ہمیں شمائلہ کو انصاف دلانا ہے اور ان کے یہ الفاظ نہیں بھولتے ہیں کہ مجھے انصاف چاہیے، مجھے انصاف چاہیے، خون کے بدلے خون چاہیے۔

ریمنڈ ڈیوس کو سفارتی استثنیٰ حاصل ہے؟

سائیں گیلانی نے کہا ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر حکومت دباؤ کا شکار نہیں ہے اگر دباؤ ہوتا تو ریمنڈ جیل میں نہ ہوتا لیکن کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ریمنڈ کے معاملے پر حکومت غلطی کرے اور انہیں آنے کا موقع ملے اس وقت ریمنڈ کا معاملہ عدالت میں ہے اور عدالت ہی اس کا فیصلہ کرے گی دوسری طرف امریکی سینیٹر جان کیری نے پاکستان کا ہنگامی دورہ کیا ہے اور میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ریمنڈ کا معاملہ عدالتی نوعیت کا نہیں ہے اسے استثنیٰ حاصل ہے جس کی بات رحمان ملک اور فوزیہ وہاب کر چکے ہیں ہم ریمنڈ کو امریکہ لے جا کر اس کے خلاف کاروائی کریں گے گزشتہ دنوں امریکی صدر باراک اوباما نے بھی میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ریمنڈ سفارتکار ہے اور اسے ویانا کنونشن کے تحت استثنیٰ حاصل ہے اس لئے ریمنڈ کو رہا کیا جائے اس سے پہلے پاکستان میں امریکی سفارتخانے نے ریمنڈ کو سفارتخانے کا ایک رکن بتایا تھا جبکہ ہمارے سابقہ وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا تھا کہ ریمنڈ ڈیوس سفارتکار نہیں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام والی مصر تھے ان کے بھائی اور خاندان کنعان میں قیام پذیر تھے جب قحط سالی شروع ہوئی تو یوسفؑ کے گیارہ سوتیلے بھائی اور ایک

سگا بھائی بنیامین امداد کے لئے مصر کے بادشاہ کے پاس گئے وہ نہیں جانتے تھے کہ مصر کا والی ان کا بھائی ہے لیکن یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا اور بنے امین کو اپنے پاس ٹھہرانے کا ارادہ کیا اور تدبیر کرنے لگا کہ کس طرح بنیامین کو واپس نہ جانے دیا جائے تو یوسفؑ کے ذہن میں ایک تدبیر آ گئی اور انھوں نے بنیامین کے سامان میں سونے کا شاہی پیالہ رکھوا دیا جب ان بھائیوں کا قافلہ مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تو پیچھے سے شاہی قاصد نے آواز لگائی کہ تم قافلے والے تو چور ہو ہمارا شاہی پیالہ چرا کر جا رہے ہو یوسفؑ کے بھائیوں کا غصہ آ گیا اور کہنے لگے ہم نبی کی اولاد ہیں ہم چوری نہیں کر سکتے آپ ہمارے سامان کی تلاشی لے لیں جس کے سامان میں سے شاہی پیالہ برآمد ہو جائے اسے کنعان کے قانون کے مطابق اپنے پاس قید کر لیا جائے چنانچہ جب تلاشی میں شاہی پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا تو سزا کے طور پر بنیامین کو اپنے پاس ٹھہرا لیا حالانکہ مصر کے قانون کے مطابق وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے، یہ واقعہ بتانے کا مقصود جان کیری کا وہ بیان بھی ہے کہ ہم ریمنڈ کے خلاف امریکہ میں کاروائی کریں گے۔اگر بات کریں امریکہ کے قانون کی تو ہم اس کی مثال ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو لے لیتے ہیں کہ جس پر دو امریکیوں کے قتل کا بے بنیاد الزام لگا کر امریکہ میں چھیاسی سال کی سزا دی جا رہی ہے اس لئے ریمنڈ کو پاکستانیوں کے قتل کے جرم میں پاکستان میں اسی نوعیت کی سزا دی جانی چاہیے، یہ تو میرا ذاتی نقطہ نظریہ ہے سزائیں سنانا

اور دلوانا تو عدالتوں کا کام ہے ویسے سائیں گیلانی نے بھی کہا ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر عدالت ہی فیصلہ کرے گی۔ایک لمحے کے لئے سائیں گیلانی کی بات کو صحیح مان لیا جائے کہ ریمنڈ کے معاملے پر حکومت پر کوئی پریشر نہیں ہے تو پھر پیپلز پارٹی کی سیکرٹری اطلاعات کو کیا پڑی ہے کہ وہ ریمنڈ کی حمایت میں کتابیں اٹھائے پریس کانفرنس کر ڈالے اور ریمنڈ کے استثنٰی کی بات کرے اگر امریکی صدر باراک اوباما کے بیان کو دیکھیں جس میں ان کا کہنا کہ ریمنڈ کو سفارتی استثنٰی حاصل ہے اور پاکستان کو ویانا کنونشن کی پاسداری کرنا چاہئے ہماری حکومت کو اور عدالت کو یہ دیکھنا چاہئے امریکہ نے کتنے سفارتکاروں کو استثنٰی دیا ہے بلکہ 1997ء میں جارجیا کے نائب سفیر سے ٹریفک حادثے میں تین شہری زخمی اور لڑکی جاں بحق ہو گئی تھی تو امریکی عدالت نے اس سفیر کو سزا سنائی تھی جب جارجیا کے صدر نے استثنٰی کی بات کی تو امریکی حکومت نے کہا کہ ہم عدالتی معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتے۔اس لئے پیپلز پارٹی کی جمہوری حکومت کو عوامی جذبات کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکی دباؤ کو مسترد کریں اور یہی کہیں کہ امریکہ ہماری عدالتوں کے فیصلے کا احترام کرے۔لگتا ہے ریمنڈ ڈیوس ،امریکہ کا کوئی خاص بندہ ہے جس کی وجہ سے پورے امریکہ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے جس کی رہائی کے لئے پاکستان میں امریکی سفارتخانہ بھی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔امریکی سینیٹر جان کیری بھی پاکستان میں ہنگامی دورے کر رہا ہے اور ملاقاتیں کر رہا ہے اور جس کی رہائی

کے لئے اوباما بھی رہائی اور استثنیٰ کی بات کر رہا ہے، لیکن جمہوری حکومت کو عوامی جذبات اور توقعات کا بھی خیال کرنا چاہئے اور امریکی دہشت گرد کے ہاتھوں شہید ہونے والے فہیم کی مرحوم بیوہ شمائلہ کے مرتے دم کے الفاظ نہیں بھولنے چاہئے کہ مجھے انصاف چاہئے مجھے خون کے بدلے خون چاہئے۔ اگر ریمنڈ کو امریکہ کے حوالے کیا گیا تو امید ہے کہ یہ سوئی ہوئی قوم بیدار ہو جائے گی اور جب یہ بیدار ہو گئی تو پھر انقلاب کا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا کیونکہ 2011ء انقلاب کا سال ہے۔

میں نوائے وقت کیوں پسند کرتا ہوں؟

جب مجھ سے میرے پسندیدہ اخبار کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو میں نوائے وقت کا نام لیتا ہوں ، لیکن میں نوائے وقت کو کیوں پسند کرتا ہوں؟؟؟اس کی کئی وجوہات ہیں جو میں آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں ۔جب بات آتی ہے میرے آقا ﷺ کی اور شان رسالت کی،تو نوائے وقت ایک اسلامی اخبار نظر آنے لگ جاتا ہے کارٹونسٹ اور ملعونوں کی ہرزہ سرائیوں کی مذمت ایک سچا عاشق رسول ﷺ بن کر کرتا ہے اور شان رسالت ﷺ کے حق میں اور ملعونوں کے خلاف ہونے والی تقریبات کی نمایاں اور خوبصورت انداز سے کوریج کرتا ہے،میں نوائے وقت کو اس لئے پسند کرتا ہوں کہ جب کشمیر جنت نظیر کی بات کی جاتی ہے تو نوائے وقت ایک سچے اور محب وطن پاکستانی کا روپ اختیار کرتے ہوئے ہندو بنیئے کو للکارتا ہوا کہتا ہے کہ سن لو

یاران جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنت نظیر
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

ا

س لئے ہندو کو کشمیر کا خیال اپنے ذہن سے کھرچ دینا چاہیئے نوائے وقت ہر محب وطن کی طرح کشمیر کی آزادی کی بات کرتا ہے ۔ تحریک آزادی کشمیر کی اور کشمیر کی آزادی کی لئے ہونے والی کوشش اور جدو جہد کو نمایاں پیرائے میں

کرکے ان کی پذیرائی کرتا ہے اور کشمیری مظلوموں کی داد رسی کے علاوہPublish بھارتی افواج کے نہتے کشمیریوں پر ڈھائے گئے مظالم اور بربریت کو دنیاکے سامنے بے نقاب کرتا ہے۔ نوائے وقت میرا پسندیدہ اخبار اس لئے ہے کہ بھارت جب ہرزہ سرزائیوں پر اترتا ہے اور اس کی ہٹ دھرمیاں بڑھنا شروع ہوتی ہیں تو نوائے وقت ایک سچے ،محب وطن پاکستانی اور جذبہ اسلام سے لبریز ایک مسلمان کا روپ دھارلیتا ہے اور ہندو بنئے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ پاکستانی جذبہ جہاد سے لبریز ہیں اور بھارت کو شکست فاش پاکستان کے مسلمانوں سے ہی ہونی ہے۔

کافرہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

میں نوائے وقت کو پسند اس لئے کرتا ہوں کہ وہ ہر محب وطن پاکستانی کی آواز بن کر ہوتا ہے اور یہ اس مرد مجاہد اور مرد صحافت کے درخشندہ ستارے جناب مجیدPublish نظامی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے جو کلمہ حق کہتے ہوئے جھکتا ہے نہ بکتا ہے بلکہ جس نے ہر آمر کے سامنے ڈٹ کر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا جس کی پاداش میں نوائے وقت کو مشکلات اور پابندیوں کا سامنا کرناپڑا، نوائے وقت نوجوان نسل میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ کی صورت میں حب الوطنی کے اور نظریہ پاکستان کے جذبے کو زندہ رکھے ہوئے ہے، میں نوائے وقت اس لئے پسند

کرتا ہوں کہ نوائے وقت کے مجید نظامی اس عمر ضعیفی میں بھی پاکستان سے محبت کا جذبہ نوجوانوں سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں اور دنیا کو بتا رہے ہیں کہ

خون دل کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

نوائے وقت محض ایک اخبار نہیں ہے یہ ایک ایسی سوچ ہے جو ہر محب وطن پاکستانی کی جذبات کی عکاسی کرتی ہے یہ ایک ایسا گلشن ہے جس کی مہک پورے پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے یہ ایک ایسی آواز ہے جو سارے پاکستانیوں کے جذبات کی حقیقی ترجمانی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نوائے وقت دن دگنی اور رات چگنی ترقی کرتا رہے تاکہ کلمہ حق کی صحافت کو فروغ ملتا رہے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

آمین

پاک امریکہ تعلقات

صوبائی دارالحکومت لاہور میں سر بازار پاکستانیوں کا خون بہانے والے امریکی دہشت گرد ریمنڈ ایلن ڈیوس کی رہائی کے لئے امریکہ کافی بے چین و بے قرار نظر آ رہا ہے اور ریمنڈ کی رہائی کے لئے پاکستان پر طرح طرح کے حربے استعمال کر رہا ہے کبھی سفارتی استثنٰی اور ویانا کنونشن کی بات کی جارہی ہے کبھی امداد روکنے کی دھمکی دی جارہی ہے کبھی عالمی عدالت کا راستہ دکھایا جارہا ہے تو کبھی پاک امریکہ تعلقات خراب ہونے کی بازگشت سنائی دے رہی ہے لیکن ہماری حکومت ریمنڈ کے مسئلے پر ثابت قدم ہے اور اس کا یہی جواب ہے کہ ریمنڈ کا مسئلہ عدالت میں ہے، عدالت ہی اس کا فیصلہ کرے گی اور امریکہ کو ہماری عدالتوں کے فیصلے کا احترام کرنا ہوگا۔

اگر پاک امریکہ تعلقات کو دیکھا جائے کہ وہ کس نوعیت کے ہیں؟ امریکہ کو پاکستان سے اور پاکستان کو امریکہ سے کیا مفادات وابستہ ہیں اگر ان تعلقات کو دیکھا جائے تو اس میں امریکہ پاکستان کو افغان جنگ میں بھی گھسیٹا جا رہا ہے پاکستان کے تعاون کے بغیر امریکہ یہ جنگ نہیں لڑ سکتا تھا دوسری طرف امریکہ نے پاکستان کو ایک ایسی خودساختہ جنگ میں جھونکا ہوا ہے جس میں

پاکستان کو کافی نقصان ہو رہا ہے اس خطے میں پاکستان ایک نہایت اہمیت کا حامل ملک ہے اگر پاکستان کے مفادات کو دیکھا جائے تو امریکہ اس دنیا میں سپر پاور ملک اور پاکستان کا اتحادی ہے وہ پاکستان کو امداد مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی منڈیوں تک رسائی کا اور تعلقات کا ذریعہ بھی ہے ایک اور اہم بات کہ پاک امریکہ تعلقات.برابری کی سطح کے نہیں ہیں کیونکہ امریکہ سپر پاور ملک ہے اس لئے وہ پاکستان کو اپنا محکوم خیال کرتے ہوئے اپنے میرین کو پاکستان میں جدید اسلحے سے لیس خون بہانے کی اور دہشت گردانہ کاروائیوں کی کھلی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ انہیں مکمل سپورٹ کرتا ہے جیسا کہ ریمنڈ ڈیوس کے مسئلے میں ہو رہا ہے اب اگر بات کریں ریمنڈ ایلن ڈیوس کی تو امریکہ کے بقول اس کو رہا نہ کرنے کے پاکستان کو شدید نتائج بھگتنا ہوں گے پاک امریکہ تعلقات خراب ہو جانے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی امداد بھی رک جائے گی پاکستان پر اقتصادی پابندیاں عائد ہو جائیں گی ہم یورپی ممالک اور ساری دنیا سے کٹ کر تنہا ہو جائیں گے پاکستان میں معاشی بحران پیدا ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان کی امداد بند ہونے سے ہم پتھر کے زمانے میں جائیں گے نہ بھوکوں مریں گے ایک وقتی بحران ہو گا تھوڑی سی مشکلات ہوں گی جس سے ہم نکل جائیں گے کیونکہ پاکستان ایک خود کفیل ملک ہے اور جغرافیائی لحاظ سے نہایت اہمیت

کا حامل ملک ہے امریکہ ہمارا کبھی دوست تھا، نہ بنے گا وہ صرف اپنے مفادات کی خاطر ہمیں اپنا اتحادی بنائے ہوئے ہے کیونکہ فرمان باری تعالے کے مفہوم کے مطابق یہود و نصاریٰ ہمارے دوست ہو بھی نہیں سکتے اور نہ ہی ہمیں انہیں دوست بنانا چاہئے ایک مسلمان ہونے کے ناطے سپر پاور ہمارے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے امریکی مداخلت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان میں دہشت گردانہ کاروائیاں رک جائیں گی کیونکہ پاکستان میں دہشت گردی کی ہر واردات کے پیچھے امریکی ریمنڈ ڈیوس ہوتے ہیں اور امریکی مداخلت نہ ہونے سے اس ملک میں امن کا سورج طلوع ہو گا اور دہشت گردی کے بادل چھٹ جائیں گے ویسے بھی امریکہ کے اب آخری جھٹکے ہیں عراق سے بھی اس کے فوجیوں کو تابوتوں میں بند واپس امریکہ بھیجنا پڑا، اور اب افغانستان میں منہ کی کھانا پڑ رہی ہے ویسے بھی ایک نئی سپر پاور چین کی صورت میں سامنے نظر آ رہی ہے جو کہ ہمارا پڑوسی اور عظیم دوست ہے جس نے ہر موڑ پر اور ہر مشکلات میں ہمارا ساتھ دیا ہے ہماری حکومت کو اسی طرح سٹینڈ لیتے رہنا چاہئے امریکہ دباؤ اور اس کی کسی قسم کی دھمکی میں نہ آتے ہوئے ریمنڈ ڈیوس کو امریکہ کے حوالے نہیں کرنا چاہیے بلکہ مقتولین کے ساتھ انصاف کے تقاضے نبھاتے ہوئے ریمنڈ کو سزا دینی چاہیے ہماری جمہوری حکومت اور امریکہ کو بھی ہماری عدالتوں کا احترام کرتے ہوئے سر تسلیم خم کرنا چاہئے اس سے پاکستان کا امیج بھی بہتر ہو گا اور دنیا کہ یہ پیغام بھی پہنچے گا کہ پاکستان میں عدلیہ آزاد ہے۔۔

15 مارچ کو نوائے وقت میں ڈاکٹر اجمل نیازی نے اپنے کالم میں فریدہ خانم کی شاعری کی کتاب 'مختلف' کا ذکر کیا تھا کتاب کے منفرد نام نے مجھے کتاب خریدنے پر اکسایا لیکن بازار سے عدم دستیابی کی وجہ سے یہ کتاب نہ مل سکی تو دل میں ایک کسک سی باقی رہ گئی لیکن کہتے ہیں کہ کسی چیز کی لگن سچی ہو تو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے سو میرے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ایک تقریب میں ایک معزز خاتون نے اپنی کتاب پیش کرتے ہوئے اپنا تعارف فریدہ خانم کے نام سے کروایا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

منفرد انداز کی شاعری کی کتاب "مختلف" بہت خوبصورت مجموعہ کلام ہے سادہ، دیدہ زیب اور جاذب نظر ٹائیٹل قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے فریدہ کا لکھنے کا انداز نرالا ہے حالات کی بے ثباتی کا اور محبت کا جذبہ ماند پڑ جانے کا ذکر بہت مختلف انداز میں کرتے ہوئے لکھتی ہیں

تارے گننے کے زمانے اب کہاں <=> عاشقی کے وہ ترانے اب کہاں
کون مرتا ہے کسی کے واسطے <=> لیلیٰ مجنوں کے فسانے اب کہاں
وہ نہ دریا نہ گھڑی چاہتیں < = > سوہنی اور ماہی دِوانے اب کہاں

کتاب کے عنوان کی طرح فریدہ خانم کی شاعری بھی سب سے منفرد ہے پڑھنے والے پر سحر طاری کر دیتی ہے اور قاری خوبصورت مصرعوں کے جادو میں اور نپے تلے الفاظ کے دریچوں میں گم ہوتا چلا جاتا ہے محبت کے بارے لکھتے ہوئے خانم کہتی ہے

محبت خدا ہے،خدا ہے محبت <=> زمانے میں سب سے جدا ہے محبت
لگے جس کی جاں کو،وہ جاں سے بھی جائے > = <یوں لگتا ہے جیسے بلا ہے محبت
بھٹکنے نہ دے گی کسی کو بھی خانم > = < ہر اک رہ میں رہنما ہے محبت

فریدہ خانم نے اپنے شاعری مجموعے کا انتساب حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے نام کیا ہے "مختلف" کی ہر غزل مختلف ہے ہر مصرعے کا انداز جدا اور منفرد ہے جیسا کہ وہ اپنی ایک غزل میں لکھتی ہیں

مانگا رب سے جدا اور ملا مختلف > = < جیسے ہے میرے دل کی صدا مختلف
جس سے آتی تھی اس کے بدن کی مہک > = < آج گلشن میں ہے وہ ہوا مختلف
کر دے مجھ کو ہر غم سے بیگانہ وہ > = < بات ایسی ہی کوئی بتا مختلف

فریدہ خانم حالات پر بھی کڑی نگاہ رکھتی ہیں انہوں نے نامساعد حالات اور دھماکوں کا ذکر اپنی اس کتاب میں مختلف انداز میں کیا ہے وہ دہشت گردی کا اور حالات حاضرہ کا ذکر بڑے نپے تلے الفاظ میں کرتے ہوئے لکھتی ہیں

فضا ہے ایسی کہ کوئی نہیں کہیں محفوظ <=> نہ مسجدوں میں نمازی، نہ ہے جبیں محفوظ

یہاں پہ ہوتے ہیں ہر روز بم دھماکے ہی <=> ہے کیوں نہیں بھلا یہ میری سرزمیں محفوظ

ستم کی زد پہ ہے چادر بھی چاردیواری <=> کسی بھی گھر میں نہیں ہے کوئی مکیں محفوظ

مختلف" کو مکتبہ روشن خیال نے پبلش کیا ہے کتاب کے خوبصورت سرورق کی طرح" اس کا ہر ورق بھی اچھا اور معیاری ہے اور اوراق پر لکھے الفاظ کے بارے میں یہی کہوں گا کہ پر اثر اشعار قاری کو مبہوت کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر سحر طاری کر دیتے ہیں کیونکہ خانم کی شاعری مختلف ہے جیسا کہ

میں نے جس کو سنانی تھی من کی کتھا <=> اس سے کہنا تھا کچھ اور کہا مختلف

اے مصوّر تیری دسترس مان لوں <=> نقش اس کے بنا اور دکھا مختلف

مجھ کو رکھنا سدا آپ اپنے لئے <=> تیری خانمکی ہے یہ دعا مختلف

رہی بات کہ یہ کتاب مجھے مارکیٹ سے کیوں نہیں ملی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعرہ نے اپنی کتاب مارکیٹ میں دی ہی نہیں تھی اس بارے ان کا کہنا ہے کہ پیاسا خود کنویں کے پاس چل کر آتا ہے جس کو بھی خریدنا ہوگی وہ مجھ سے میرے

نمبر 0331-4958639 پر رابطہ کرکے لے سکتا ہے "مختلف" کی قیمت مہنگائی کے اس طوفان میں بھی صرف 200 روپے ہے۔

دور جاہلیت اور آج کا زمانہ

ایک دور تھا جسے دور جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس دور میں انسانوں کی خرید وفروخت بھیڑوں اور بکریوں کی مانند ہوتی تھی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا غلاموں اور لونڈیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے
طاقتور، کمزوروں کو نیچا دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا تھا بچی کی پیدائش پر صف ماتم بچھ جاتی،اس گھر میں سوگ کی کیفیت طاری ہوجاتی اور گھر والے منہ چھپاتے پھرتے تھے عورت کی معاشرے میں کوئی عزت اور قدر نہ تھی اسے صرف گھر کی لونڈی سمجھا جاتا تھا چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے معمول تھے اور تھوڑی سی بات پر خون بہہ جاتا تھا اس وقت ظلمتوں کا بسیرا تھا اندھیروں کا راج تھا انسان جسے خدا نے اشرف المخلوقات بنایا تھا وہ مختلف قسم کی برائیوں میں مبتلا ہو کر جانوروں سے بھی بدتر ہو چکا تھا بت پرستی اور شرک جیسے گناہ عظیم عام ہو چکے تھے شراب پانی کی طرح استعمال ہو رہی تھی حلال و حرام کی تمیز مٹ چکی تھی ناپ تول میں کمی کو وہ کامیاب کاروبار کا حصہ قرار دیتے تھے ناجائز منافع خوری کو وہ صحیح اور کاروبار کا حصہ سمجھتے تھے غرض ظلمت کا دور دورہ تھا، ظلمت ، تیرگی،تاریکی اور جہالت کے اس زمانے میں محسن انسانیت ﷺ روشنی اور ہدایت کا سرچشمہ بن کر تشریف لائے اور ظلمت و تاریکی

میں ڈوبے انسانوں کی یکسر کایا پلٹ دی اسلام پھیلنے لگا اندھیرے اور تاریکی کے بادل چھٹتے چلے گئے عورت کو معاشرے میں ایک مقام حاصل ہو گیا بیٹیوں کو اللہ کی رحمت سمجھا جانے لگا اور ان کی پرورش بڑے لاڈ سے کی جانے لگی شراب کو حرام قرار دے دیا گیا زیادہ منافع اور ذخیرہ اندوزی کو ناجائز قرار دیا گیا بت پرستی اور شرک کو ترک کر کے ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جانے لگی ظلم مٹتا گیا اور امن پھیلتا چلا گیا تمام مسلمان بھائی بھائی بن گئے طبقاتی تفریقوں کو مٹا دیا گیا کاروبار میں جائز منافع لیا جانے لگا ہر کسی میں ایثار و قربانی کا جذبہ موجود ہونے کی وجہ سے سٹیٹس مٹتا چلا گیا اور اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئی۔

اگر بات کریں آج کے دور کی نام نہاد ترقی پذیر اور ترقی یافتہ زمانے کی، تو آج بھی بچے بکتے ہیں آج بھی غرباء اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے اپنے اعضاء بیچ رہے ہیں آج بھی ذخیرہ اندوزی، منافع خوری اور سود خوری ہو رہی ہے آج بھی ظلم کے بازار گرم ہیں آج بھی رشوت کلچر عام اور طبقاتی تفریق کو فروغ حاصل ہے آج بھی مظلوموں کی دردناک کراہیں سنائی دے رہی ہیں خون آج بھی بہہ رہا ہے عزتیں اور عصمتیں نیلام ہو رہی ہیں حوا کی بیٹی سر بازار بک رہی ہے عورت سائن بورڈ کا اشتہار بن چکی ہے فحاشی اور بے حیائی عام ہو چکی ہے اور پھیلتی جا رہی ہے۔

کیسے دور جہالت میں جی رہے ہیں ہم یہاں

آدم کا بیٹا خوش ہوتا ہے حوا کی بیٹی کو بے نقاب دیکھ کر

آج بھی پیسے کی خاطر بھائی بھائی کا دشمن ہو رہا ہے ذرا ذرا سی بات پر اور معمولی اختلافات پر خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں ہم فرقوں میں بٹ چکے ہیں وی۔آئی۔پی اور سفارشی کلچر پروان چڑھ رہا ہے میرٹ کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں تمام اشیاء خاص کر اشیاء خوردونوش میں ملاوٹ ہو رہی ہے مہنگائی کا طوفان بڑھتا جا رہا ہے غریبوں کا سانس لینا بھی دوبھر ہو چکا ہے موروثی سیاست کو فروغ حاصل ہو رہا ہے پاکستانی خون بک رہا ہے ایک اندھیر نگری مچی ہوئی ہے یہ سب کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟؟؟ یہ کس دور میں ہم جی رہے ہیں ؟؟ کیونکہ میرے آقا ﷺ کی آمد سے پہلے کا دور تو زمانہ جاہلیت کہلاتا تھا لیکن آج کے زمانے کو اور اس نام نہاد ترقی پذیر دور کو آپ کیا کہیں گے ؟؟؟

پاک بھارت سیمی فائنل

30مارچ 2011ء پوری پاکستانی قوم کی نظریں ٹیلیویژن سکرین پر لگی ہوئی تھی جس پر بھارت کے شہر موہالی کے کرکٹ سٹیڈیم سے دو روایتی حریفوں پاکستان اور بھارت کا کرکٹ میچ دکھایا جارہا تھا یہ کرکٹ کے سب سے بڑے ایونٹ ورلڈ کپ کا اہم میچ اور سیمی فائنل تھا جسے فائنل سے پہلے فائنل سمجھا جارہا تھا اس میچ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس میچ کو دیکھنے کے لئے کرکٹ گراؤنڈ میں فلمی ستاروں کے علاوہ پاک بھارت کے وزرائے اعظم کے ساتھ کئی اہم شخصیات موجود تھیں اس میچ کو جیتنے کے لئے پاکستان میں دعائیہ تقریبات اور نوافل کا بھی خصوصی طور پر اہتمام کیا گیا تھا دونوں ٹیموں کے درمیان موہالی میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں پاکستان ہار گیا اور بھارت کو فتح نصیب ہوئی ،پاکستانی قوم کی جیت کی خوشی میں کی گئی تیاریاں دھری کی دھری رہ گئی لیکن ان کے جذبے ،حوصلے اور لگن ماند نہیں پڑے کیونکہ پاکستانی زندہ دل قوم ہیں وہ جانتے ہیں کہ کرکٹ ایک بائی چانس گیم ہے ہار جیت کھیل کا حصہ ہوتی ہے اگر ہم ہار بھی گئے ہیں تو ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہئے اور دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے بلکہ ٹیم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ امید کرنی چاہئے کہ ہماری کرکٹ ٹیم انشاء اللہ اگلے ایونٹس میں بہتر کارکردگی دکھائے گی۔

دوسری طرف کچھ پریشان حال اور محدود سوچ کے حامل افراد اس ہار کو میچ فکسنگ کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہو رہی ہیں کچھ ایسی خبریں بھی ملی ہیں میچ ہارنے کی وجہ سے کئی افراد زندگی کی بازی بھی ہار گئے ہیں، میرے ہم وطنوں یہ ایک کرکٹ میچ تھا کوئی پاک بھارت جنگ نہیں تھی اس لئے ایسی ہار کو دل پر نہیں لینا چاہئے ویسے بھی کوئی کام کرنے سے پہلے اس کے دو پہلو مد نظر رکھنے چاہئیں مثبت اور منفی۔پاک بھارت جنگ سے یاد آیا کہ ایک بار پھر پاک بھارت مذاکرات شروع ہوگئے ہیں اللہ کرے یہ مذاکرات اب مذاق۔رات نہ رہیں بلکہ کامیاب ہو کر سیمی فائنل سے نکل کر فائنل میں داخل ہو جائیں تاکہ اس خطے کا اہم مسئلہ کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کی مرضی کے مطابق حل ہو جائے اور اس خطے میں امن وامان کی فضا قائم، ہوجائے کم علمی کی وجہ سے کالم کے عنوان سے بھٹک گیا ہوں تو بات کر رہا تھا موہالی میں ہونے والے پاک بھارت کرکٹ میچ کی۔پاکستان کے میچ جیتنے کے لئے قوم نے کافی دعائیں مانگی تھیں اور نوافل ادا کیے تھے اب کچھ بے صبرے نوجوان اور ناشکرے یہ بھی کہہ رہے ہیں خدا نے ہماری دعائیں قبول نہیں کیں اس لئے ہم یہ اہم میچ ہار گئے اور ہماری دعائیں رائیگاں چلی گئیں۔

میرے ہم وطنوں خدا کو جب بھی پکاروگے تب وہ تمہاری پکار ضرور سنے گا اور

رہی بات ہماری دعاؤں اور التجاؤں کی تو میرے اللہ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے جو کام بھی وہ کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی بہتری کے لئے کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں سے 70 ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے اس ہار میں بھی ہمارے لئے کوئی بہتری ہوگی ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے ہمیں ہمت نہیں ہارنا چاہیئے بلکہ اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی کرنی ہے کیونکہ

گرتے ہیں شاہسوار میدان جنگ میں

قوم کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ مایوسی کفر کے زمرے میں آتی ہے ویسے بھی مسلمان اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور مایوس نہیں ہوتا یہاں ٹیم کی حوصلہ افزائی کے لئے خادم اعلٰی پنجاب میاں شہباز شریف کا اقدام قابل تحسین ہے کہ انہوں نے وزراء کے ساتھ خود ائیرپورٹ پر ٹیم کا استقبال کرنے کا اور انہیں انعامات سے نوازنے کا اعلان کیا ہے ہمارے لئے یہ بھی اہم بات ہے کہ پاکستان کا سبز ہلالی پرچم موہالی کے سٹیڈیم میں لہرایا اور پورے بھارت میں قومی ترانے کی آواز سنائی دی اور بھارت کی فضاؤں میں پاکستان زندہ باد کے نعرے گونج سنائی دیتی رہی ،اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔پاکستان زندہ باد

پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافہ اور ہیوی ٹرانسپورٹ

پاک بھارت کرکٹ میچ کے دوران پاکستانی قوم تمام دکھوں ، تکالیف اور غموں کو بھلا کر میچ دیکھنے میں اور جیتنے کی آس لگائے دعاؤں میں مشغول و مصروف تھی لیکن قوم کی امیدیں اور تیاریاں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں اور جیت کی خوشی میں سجائے سارے کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے جب پاکستان یہ میچ ہار گیا۔ہار کا صدمہ بھی کچھ کم نہ تھا لیکن اس صدمے کو سہنے کے بعد پاکستانی قوم کو پھر دکھوں اور غموں کے پہاڑ دکھائی دینے لگے مہنگائی کے تیز طوفان آنکھوں کے آگے گھومنے لگے گیس کے بحران یاد آنے لگے۔اشیاء خوردونوش کی عدم دستیابی اور ان کا حصول ذہنوں میں گردش کرنے لگا۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ اور ٹیکسز نے غریب عوام کو باور کرانا شروع کر دیا کہ غربت ، مہنگائی، لوڈشیڈنگ ، کرپشن اور بد عنوانی

ابھی تو ابتدا ہے پیارے ابھی آنے بحران اور بھی ہیں

ابھی تازہ تازہ پٹرول بم نے غریب عوام کی رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے جس کا سب سے زیادہ اثر انڈسٹریز اور ٹرانسپورٹ سیکٹر پر پڑا ہے کسی بھی ملک کی معیشت میں بہتری کے لئے صنعتیں سب سے زیادہ اور اہم کردار ادا کرتی ہیں اور

انڈسٹریز ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن پاکستان میں انڈسٹریز روز بروز زوال پذیر ہیں اور تباہی کے دہانے پہنچی ہوئی ہیں پہلے گیس کی بندش ہی کم مسئلہ نہ تھی کہ اس کے بعد Yarn ایکسپورٹ پر 15% ڈیوٹی عائد کرکے ایکسپورٹر کو تباہی کے دہانے پہنچانے کی تیاری کی جانے لگی ہے اب پٹرول بم گرنے سے پبلک ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں بھی اضافہ ہوجائے گا جس کا سب سے زیادہ اثر غریب عوام پر پڑے گا ایک اور غور طلب اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ ہیوی ٹرانسپورٹ میں روز بروز اضافہ دیکھنے کو آ رہا ہے۔اب پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافے کا سب سے زیادہ Effect ہیوی ٹرانسپورٹ پر پڑے گا کیونکہ پاکستان میں دھاگے کی ایکسپورٹ پر ڈیوٹی عائد ہونے کے بعد کارگو میں کمی دیکھنے کو آ رہی ہے اور دوسری طرف Import کارگو کی بھی صورتحال کوئی تسلی بخش نہیں ہے پاکستان کی ہیوی ٹرانسپورٹ جس کا پہیہ 24 گھنٹے گھومتا رہتا تھا اب رک رہا ہے ہیوی ٹرالر کے مالکان اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اور آمدن و کرائے کم ہونے کی وجہ سے گاڑیاں کھڑی کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں ہیوی ٹرانسپورٹ کے شعبے میں کام کرنے سے لاکھوں گھرانوں کے گھر کا چولہا جل رہا ہے اگر اس ٹرانسپورٹ کا پہیہ رک گیا اور کام سٹاپ ہوگیا تو خدشہ ہے کہ کہیں ملک میں شدید معاشی بحران نہ آ جائے اور لاکھوں گھرانوں کا جلتا چولہا ٹھنڈا نہ پڑ جائے اس لیے حکومت کو ہیوی ٹرانسپورٹ کو رواں رکھنے کے لئے کوئی جامع حکمت عملی تشکیل دینی ہوگی تاکہ ان پہیہ چلتا رہے غریبوں کا چولہا

جلتا رہے اور پاکستان میں خوشحالی کی لہر برقرار رہے۔

حکومت اگر عوام کو پٹرولیم میں سبسڈی دینے کی سکت نہ رکھتی ہو تو ٹیکس میں کمی کر کے غریب عوام کے چہروں کی رونقوں کو ماند نہ ہونے دیا جائے اور ان کے چولہوں کو ٹھنڈا ہونے سے بچایا جاسکے کیونکہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ درد بنے درد لادوا
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

اس لئے درد لادوا بننے سے پہلے حکومت کو اس کا ازالہ کرنا ہو گا کیونکہ فرمان نبی ﷺ کے مفہوم کے مطابق رعایا کا خیال رکھنے کی ذمہ داری حاکم کی ہوتی ہے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے اور پس پردہ محرکات

آج کل جے۔یو۔آئی (ف) کے امیر جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر آئے ہوئے ہیں ان پر شدید قسم کے یکے بعد دیگرے دو قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں جن سے وہ بال بال بچے ہیں لیکن ان قاتلانہ حملوں میں کئی بے گناہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور کئی شدید زخمی ہو کر ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے ہونے کے خلاف بلوچستان اسمبلی میں مذمتی قرارداد منظور ہوئی اور کئی شہروں میں مولانا کے حامیوں نے زبردست قسم کا احتجاج اور مظاہرے کئے ان حملوں پر بات کرتے ہوئے مولانا کا کہنا ہے کہ عوامی جلسوں میں پذیرائی ملنے پر ان پر حملے ہونا شروع ہو گئے ہیں پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں وہ ان شرپسند عناصر اور دہشت گردوں کو نہیں جانتے ۔جے۔یو۔آئی کے رہنماؤں کا کہنا ہے وہ امریکی غلاموں کو شکست دیں گے اور حوصلہ نہیں ہاریں گے واقعی مولانا فضل الرحمٰن کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے اور ان حملوں سے پریشان نہیں ہونا چاہئے

تندیٔ مخالف باد صبا سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں کچھ حلقوں کا خیال ہے کہ وہ اقتدار کو بہت زیادہ عزیز رکھتے ہیں اسی بنا پر وہ انہیں حبّ اقتدار بھی کہتے ہیں لیکن اس بار مولانا صاحب حکومت سے روٹھے تو دور ہوتے چلے گئے اب یہ اقتدار کے ایوانوں سے دور ہو کر عوامی جلسوں میں شریک ہیں اور اپنے آپ کو عوام میں ان رکھا ہوا ہے لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو ان پر یکے بعد دیگرے دو قاتلانہ حملے اپنے پیچھے کافی سوالات چھوڑ گئے ہیں کہ ان حملوں کے پیچھے کون سے محرکات تھے ؟اور ان کے کیا مقاصد تھے ؟؟کیا وہ صرف مولانا صاحب کو یہ دھمکی دینا چاہتے تھے کہ عوام سے دور رہیں یا پھر وہ منظر عام سے ہی ہٹانا چاہتے تھے ؟؟؟ان حملہ آوروں کی کڑیاں کہاں جا کر ملتی ہیں ؟؟؟اگر ہم تھوڑا سا ماضی میں جھانکیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ آئی ۔ایس ۔آئی کے ایک سابق آفیسر خالد خواجہ کو پہلے اغوا اور اس کے بعد قتل کر دیا گیا وہ بھی طالبان کے دوستوں میں سے تھے اس کے ساتھ آئی ۔ایس۔آئی کے ایک اور آفیسر سلطان تارڑ المعروف کرنل امام کو اغوا کیا گیا کرنل امام طالبان کے حربی،استاد اور امام تھے جنھوں نے طالبان کو ٹریننگ دی تھی اور طالبان کو وہ اپنا سٹوڈنٹ سمجھتے تھے اور طالبان بھی ان کی عزت کرتے تھے ان کے اغوا کے وقت بھی طالبان حرکت میں آئے اور انہوں نے اغوا کنندگان سے رابطے کئے بعد میں ان کی رہائی کے لئے اغوا کنندگان سے ڈیل بھی ہو گئی لیکن پھر کسی تیسرے گروپ کی مداخلت نے رہائی کی اس ڈیل کو سبوتاژ کیا جس کے نتیجے میں سلطان تارڑ المعروف کرنل

امام کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے یہ واقعات اور باتیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ طالبان کے ساتھ روابط ہونے کی وجہ سے آئی۔ایس۔آئی کے دو سابق اہم آفیسر کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے وکی لیکس کے انکشافات کے مطابق مولانا فضل الرحمٰن بھی طالبان کے درمیان ثالثی کروانے میں اپنا کردار ادا کرانا چاہتے تھے ویسے بھی مولانا صاحب افغانستان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان شخصیات کو ہی ٹارگٹ کیا جا رہا ہو جو طالبان کے روابط میں تھیں یا طالبان کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہیں لیکن ایسی کون سی قوت ہے جو ایسی شخصیات کو منظر عام سے ہٹانا چاہتی ہے جن کے ماضی میں طالبان سے رابطے رہے تھے اور اپنے دل میں وہ طالبان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں وہ آپ سب جانتے ہیں کہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟

تمام

کچھ دن قبل جب میں آفس پہنچا تو میرے ٹیبل پر ایک علمی و ادبی میگزین "تمام" کا شمارہ موجود تھا جیسے جیسے اسے پڑھتا گیا حیرتوں اور خوشیوں میں ڈوبتا چلا گیا حیرت اس بات کی کہ یہ میرے شہر میانوالی سے شائع ہونے والا ایک منفرد علمی و ادبی رسالہ تھا جس سے میں ابھی تک بے خبر تھا اور میری مسرت کی کئی وجوہات ہے کیونکہ یہ اس شہر سے شائع ہونے والا ادبی مجلّہ ہے جس میں تعلیم کا کوئی خاص شعور ہے نہ آگاہی۔ "تمام" اس میانوالی میں اپنی ادبی و علمی کرنیں بکھیر رہا ہے جس میں تعلیم کا شعور کا نہ ہونے کی وجہ سے ونی جیسی فرسودہ روایات جنم لے چکی ہیں یہ شمارہ اس میانوالی کو شعور اور آگاہی کے اجالوں سے روشن کر رہا ہے جس شہر میں ابھی بھی خواتین کی مرضی کے بغیر وٹہ سٹہ جیسی شادیوں کا رواج عام ہو چلا ہے اور کئی فرسودہ روایات جنم لے چکی ہیں "تمام" میانوالی کے ان دیہاتوں اور گاؤں میں رہنے والے سادہ لوح عوام میں بھی شعور اجاگر کر رہا ہے اور علم کی کرنیں روشن کر رہا ہے جن علاقوں میں اس اکیسویں صدی میں کئی دیگر سہولتوں کے علاوہ بجلی کے قمقموں نے بھی ابھی تک روشن نہیں کیا" تمام" میانوالی کی ان پہاڑیوں میں بسنے والوں کیلئے ایک علمی و ادبی خوشبو بکھیر رہا ہے جن خشک پہاڑوں میں بسنے والوں کے لئے اس دور میں بھی

مشکلات کا سامنا ہے اور سہولیات کی عدم دستیابی ہے میانوالی میں ایسی علمی و ادبی مجلے کا پبلش ہونا ایک خوشگوار اور عظیم نعمت سے کم نہیں ہے میں جیسے جیسے "تمام" کو پڑھتا جا رہا ہوں مجھے ایک خواب سا لگ رہا ہے، بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے اور میری عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے کیونکہ مجھے میانوالی کے حالات اور وسائل کی عدم دستیابی کا اور مشکلات کا علم ہے ایسے میں ایک ایسے خوبصورت عملی و ادبی رسالے کا شائع ہونا ایک اہم معنی رکھتا ہے جس دور میں نوجوان نسل کے انٹرنیٹ کی دنیا میں گم ہو کر کتابوں سے دور ہو کر ادبی دنیا سے فاصلے.بڑھ رہے ہوں اور نوجوان نسل میں ادبی سرگرمیاں دم توڑ رہی ہوں اور وہ لکھنے لکھانے اور علم و ادب سے آنکھیں موند رہے ہوں اور علم وادب سے دور ہو رہے ہوں ایسے میں ایک ایسے منفرد علمی و ادبی شمارے کا شائع ہونا نوجوان نسل کیلئے کافی سود مند ہے "تمام" صرف ادبی میگزین ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم ادارے کا کام کرتے ہوئے میانوالی میں دم توڑتی ہوئی علمی و ادبی سرگرمیوں کو زندہ رکھتے ہوئے نوجوانوں اور نئے لکھنے والوں کے لئے ایک مکتب کا کام بھی سرانجام دے رہا ہے اور نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کے لئے مختلف قسم کی ادبی تقریبات کا انعقاد کرکے ان میں ایک نئی روح پھونکنے اور ان کے جذبوں کو پروان چڑھا کر ان میں ایک نیا جوش، نیا حوصلہ اور ولولہ پیدا کر رہا ہے "تمام" ایک سہ ماہی علمی و ادبی مجلّہ ہے جس کے اب تک 20 شمارے پبلش ہو چکے ہیں۔

اس خوبصورت، منفرد اور دیدہ زیب مجلے کو چلانے کے پڑھی لکھی خواتین کی ایک مکمل ٹیم ہے جنہیں میانوالی سے ایسا خوبصورت علمی وادبی مجلّہ نکالنے پر میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میانوالی میں دم توڑتی ادبی سرگرمیوں کو بہتر سے بہتر انداز میں جاری وساری رکھیں گے اور ادبی نشستوں کا اہتمام ہوتا رہے گا اللہ سے دعا گو ہوں کہ "تمام" اسی طرح جہالت وتاریکی کا کام تمام کرتا رہے اور دنیا میں علم وادب کی کرنیں بکھیرتا رہے اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین

مغرب کا اصلی چہرہ

مغربی ممالک کے نزدیک ہم پاکستانیوں کو اور مسلم دنیا کو مذہبی انتہا پسند سمجھا جاتا ہے خاص کر پاکستانیوں کو مختلف قسم کے القابات مثلاً مذہبی انتہا پسند، دہشت گرد، امن کے دشمن، نسلی تعصب کا شکار اور دہشت گردی کو فروغ دینے والے شر پسند عناصر جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور یہ سب باتیں اور القابات ان مغرب والوں پہ صادق آتے ہیں کیونکہ شروع دن سے یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ تضحیک آمیز رویہ روا رکھے ہوئے ہیں نت نئے طریقوں سے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں کبھی یہ ملعون ہمارے پیارے آقا ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے نازیبا کلمات اور کارٹون بنانے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں کبھی یہ اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہتے ہیں حالانکہ یہ مغربی ممالک جو ترقی یافتہ اور مہذب ہونے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں خود ذہنی پستی اور نسلی تعصب کے مارے ہوئے ہیں مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہنے والے اگر اپنے گریبان میں جھانکیں تو نظر آئے گا کہ کیسے مغربی دنیا اور نام نہاد امن کے ٹھیکیدار نہتے لوگوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں، اس پر امن دنیا میں بارود کی بو پھیلا اور آگ کے شعلے جلا رہے ہیں ان نام نہاد امن کے ٹھیکیداروں اور اسلام دشمن عناصر کو اسلام

کو انتہا پسندوں کا مذہب اور مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے سے پہلے یہ دیکھنا لینا چاہئے کہ آج یورپ میں نوجوان نسل جس مذہب کا مطالعہ کر رہی ہے اور جس مذہب سے قریب ہو رہی ہے وہ اسلام ہے اس وقت میں یورپ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے عالمی امن کے نام نہاد ٹھیکیدار بھی اگر ہمارے اسلام کا مطالعہ کریں تو انہیں پتا چلے گا کہ اسلام تو امن و شانتی کا مذہب ہے اسلام تو زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ حیات ہے مسلمانوں پہ دہشت گردی کا لیبل چسپاں کرنے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر بتانا چاہئے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں یا پھر مغربی دنیا ہی امن کے درپے ہے امن کا نقاب اوڑھے انٹر نیشنل دہشت گرد مغرب نے پہلے نہتے مسلمانوں کو خون میں نہلایا بارود کی بو اور آگ کے شعلوں کو مسلم دنیا میں پھیلایا اور پھر ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت مسلم ممالک کو کھنڈر بنانے کی پالیسی پر اور انہیں کمزور کرنے اور بنانے پر عمل پیرا ہے اور اب تو یہ حال ہو چکا ہے کہ مسلم دہشت گرد کا سبق پڑھنے والے مذہبی انتہا پسند بن چکے ہیں اور مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لئے اور ایذا پہنچانے کے لئے اچھوتے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں کبھی یہ ملعون اب ہماری مقدس کتاب قرآن مجید کو جلا کر دنیا میں انتشار پھیلا رہے ہیں یہ مغربی ممالک نہیں جانتے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ تو خود اللہ تعالی نے لیا ہوا ہے اور وہی انہیں عبرتناک انجام سے دوچار کرے گا اب تو مغربی ممالک کو مسلم خواتین کے نقاب سے ڈر لگنا شروع ہو گیا ہے اور اس

نے نقاب کرنے والی خواتین پر خلاف آئین اقدام کہنا اور جرمانے عائد کرنا شروع کر دیئے ہیں یہ ہے سیکولر مغرب کا اصلی اور حقیقی چہرہ، جس کے بارے میں حکیم امّت شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے کہا تھا

توُ نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندرون چنگیز سے تاریک تر

ساری دنیا کو آزادی کے نام پر دھوکہ دینے والے اور نام نہاد ترقی پسند سیکولرزم آج مغرب میں بے نقاب ہو چکا ہے آج آپ فیصلہ کریں کہ قدامت پسند، نسلی تعصب کے مارے ہوئے، امن کے دشمن اور دہشت گرد مسلمان ہیں یا پھر نام نہاد ترقی یافتہ مغربی دنیا، جو آج مسلم خواتین کے نقاب اوڑھنے پر پابندی لگانے کے بعد بے نقاب ہو چکی ہے؟؟؟

دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ انسان کا اس فانی دنیا میں آنے کا کیا مقصد تھا ؟کیا کبھی آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں کیوں بھیجا؟کیا کبھی آپ نے یہ خیال کیا کہ ہر انسان اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے اور آپ کو بھی اس دنیا سے ایک دن جانا ہوگا قرآن مجید کے پہلے پارے میں کچھ اس طرح کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے "جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنانے کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں"یعنی انسان زمین میں اللہ کا نائب اور اس کا خلیفہ ہے پھر اللہ نے انسان کو ایسے گندے نطفے سے پیدا کیا جو کسی چیز پر لگ جائے تو وہ بھی غلیظ ہو جائے جیسا کہ اللہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ 'کہ انسان کو پیدا کیا ایک نطفے سے' پھر اس قطرے سے پیدا ہونے والے انسان کو اشرف المخلوقات بنا دیا یعنی تمام مخلوقات میں سے افضل ترین مخلوق انسان کو قرار دیا حتیٰ کہ جنات اور فرشتوں سے بھی افضل اور بہتر مخلوق انسان ہے،

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا
لیکن لگتی ہے اس میں محنت زیادہ

حضرت انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو ایک ننّھا سا معصوم سے نو مولود کے روپ میں ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا چلا جاتا ہے بچپن اور لڑکپن کی منازل طے کرتا ہوا دنیا کے بکھیڑوں میں گم ہوتا ہوا نوجوانی کے مراحل میں داخل ہوتا ہے نوجوانی کی عمر میں شادی، پھر بچے اور اس کے بعد عمر ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے اور بڑھاپے کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اسی طرح وہ زندگی کے مدارج طے کرتا ہوا زندگی کے خاتمے تک پہنچ جاتا ہے یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ انسان کے اس دنیا میں آنے اور مختلف سٹیجز تک پہنچنے کی تو ایک خاص ترتیب ہے لیکن دنیا سے جانے کی کوئی ترتیب نہیں، بچپن میں بھی انسان اس دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے اور بڑھاپے میں پہنچنے کے بعد اور زندگی کی رنگینیاں دیکھنے کے بعد بھی اس فانی دنیا سے کوچ کا پروانہ مل سکتا ہے غرض اس کی کوئی مقرر ہے نہ ہی کوئی مخصوص عمر یا وقت مختص ہے۔Limit

لیکن ہمارا سوال ابھی تک جوں کا توں ہے کہ انسان کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے ؟آج اس پر فتن دور میں ہر انسان دنیاوی بکھیڑوں اور ٹینشنوں میں گم ہو چلا ہے ہر کسی نے اپنے ٹارگٹ مختص کر رکھے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے انہیں ٹارگٹوں کو Achive کرنے کے لیے ہر انسان مسلسل تگ و دو اور کوششوں میں لگا ہوا ہے لیکن انسان دنیا میں مصروف ہو کر یہ بھولا ہوا ہے کہ جس ٹارگٹ کے پیچھے وہ بھاگ رہا ہے Achive کرنے کے لئے وہ مسلسل تگ ودو میں ہے اور جسے

کیا وہی اس کا حقیقی مقصد ہے؟ یا پھر دنیا میں آنے کا کوئی اور مقصد بھی ہے؟ قرآن مجید کے انتیسویں پارے میں فرمان باری تعالی ہے جس کا مفہوم ہے "اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے" یہاں پر پھر یہ سوال جنم لیتا ہے کہ کون سے عمل اور کس کام کے بارے اللہ تعالی ارشاد فرما رہے ہیں اس کے بارے میں ستائیسویں پارے میں ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے "ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے" لیکن آج ہم دنیا میں گم ہو چکے ہیں اپنے دنیا میں آنے کے مقصد کو بھلا چکے ہیں ہم دنیاوی مال و اسباب جمع کرنے میں مصروف ہیں اور کئی سالوں بعد کے اور مستقبل کے پلان بناتے وقت موت کو بھلایا ہوا ہوتا ہے اور تقدیر کھڑی ہم پر ہنس رہی ہوتی ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

اس لئے ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہمارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا تھا؟ کیا ہم اس مقصد کو لے کر چل رہے ہیں؟ اگر نہیں چل رہے تو آج سے عہد کریں کہ دنیا میں آنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر زندگی گزاریں گے تاکہ ہم اس فانی دنیا میں کامیاب ہو سکیں اور کل آخرت میں رب ذوالجلال کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔

گداگری ایک لعنت ہے

گداگری پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے کہ گداگری ایک لعنت ہے ، کسی کے آگے دست سوال دراز کرنا، خود اپنے ہاتھ سے محنت نہ کرنا، جھولی پھیلانا، مستقل لوگوں سے بھیک مانگ کر زندگی گزارنے کو گداگری کہتے ہیں گداگری یا لوگوں سے مانگ کر زندگی گزارنا انتہائی گندہ اور مکروہ فعل ہے اسلام میں بلاضرورت کسی سے مانگنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق کہ "بلاضرورت لوگوں کے سامنے جس نے ہاتھ پھیلائے وہ قیامت والے دن ایسے حاضر ہوگا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا محض ہڈی ہوگا"۔

گداگر کیسے بنتے ہیں؟ان کے کام کرنے کا اور بھیک مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ گداگری ایک پیشہ ہے یا مجبوری؟ گداگر یا بھکاری ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں محنت کر کے کمانا مشکل لگتا ہے اور کام کو عار سمجھتے ہیں انہیں لوگوں سے مانگنا اور جھولی پھیلا کر کمانا آسان لگتا ہے (آجکل کچھ مجبور اور غریب طبقہ بھی ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو چکا ہے کیونکہ مہنگائی کے اس طوفان میں زندگی گزارنا ، سفارش اور رشوت کے بغیر روزگار حاصل کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے اس لیے حکومت کو غریب طبقہ کو ریلیف دینے کے لیے کوئی خاص حکمت عملی

تشکیل دینی ہوگی کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق تم سے تمہاری رعیت کے بارے سوال کیا جائے گا) گداگروں کے بھیک مانگنے کے طریقے بھی کچھ عجیب سے ہیں کوئی اپنے آپ کو معذور دکھا کر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرتا ہے تو کوئی اپنے آپ کو مجبور ثابت کرکے پیسے کمانے میں مصروف ہے لیکن یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ یہ مانگنے والے معذور و محتاج کیسے ہوتے ہیں؟کیا یہ پیدائشی معذور ہوتے ہیں یا حادثات نے انہیں ایسا بنا دیا ہے؟ان بھکاریوں میں کچھ پیدائشی معذور بھی ہوتے ہیں جو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی بجائے لوگوں کے آگے جھولی پھیلانا آسان سمجھتے ہیں ان میں سے کچھ حادثات کی وجہ سے بھی اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں کوئی راہ سجھائی نہیں دیتا اور وہ بھی گداگری کا چوغہ زیب تن کر لیتے ہیں ان میں سے کچھ ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ لوگ اغوا کرکے اس گھناؤنے کام میں لگا دیتے ہیں گداگری ایک پیشہ بن چکا ہے گداگروں کے مختلف گروہ بن چکے ہیں جنھوں نے بھیک مانگنے کے لئے اپنے علاقے مختص کیے ہوئے ہیں بھکاری معاشرے میں ایک بیماری کی طرح سرایت کرتے جارہے ہیں حکومت کو گداگری کے سدباب کے لئے مناسب حکمت عملی اور اقدامات کرنا ہوں گے کیونکہ اگران بھکاریوں اگر بھیک نہ ملے تو پھر یہ چوری چکاری اور ڈکیتی سے بھی دریغ نہیں کرتے اور آہستہ آہستہ یہ بھکاری سے چور اور ڈکیت بنتے چلے جاتے ہیں اور یوں نئے گینگ بننا شروع ہوجاتے ہیں جس سے دہشت گردی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کسی وقت

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان بھکاریوں کے روپ میں کئی جرائم پیشہ افراد ڈکیتی کے لئے معلومات اور مخبری کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں گداگر ایک مافیا کی طرح معاشرے میں اپنے آپ کو مضبوط کر رہے ہیں اگر ان گداگروں اور بھکاریوں کے خلاف بروقت اقدامات نہ کئے گئے تو ڈر ہے کہ بے روزگاری کے اس زمانے میں اور مہنگائی کے اس طوفان میں ہر چوراہے میں کاسہ لئے مانگنے والوں کی لائنیں لگی ہوں گی۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ درد بنے درد لا دوا
کہیں ایسا نہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ سب کو محنت سے رزق حلال کمانے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اَلکاسبُ حَبِیب اللہ) محنت سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے اللہ ہم سب کا) حامی و ناصر ہو۔آمین

یوتھ سینٹ آف پاکستان کا پنجاب اسمبلی کا وزٹ اور ڈپٹی سپیکر کی باتیں

28اپریل2011ء کو یوتھ سینٹ آف پاکستان کے ایک وفد نے ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی رانا مشہود احمد خان سے ملاقات کی ۔اوتھ سینٹ آف پاکستان نوجوانوں کی ایک ایسی تنظیم ہے جو نوجوان نسل میں سیاسی شعور اور تعلیم کی آگاہی کے علاوہ ویلفیئر کا کام بھی کر رہی ہے اس نشست میں رانا مشہود احمد خان نے نوجوان نسل کے جذبے کو سراہااور پنجاب گورنمنٹ سے ہر ممکنہ مدد کرنے کی یقین دہانی کرائی اس کے علاوہ انہوں نے نوجوان نسل سے بات کرتے ہوئے کہاکہ انہیں ہمیشہ نوجوان نسل سے یہ شکوہ رہاہے کہ وہ تحریک پاکستان کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں انہیں اسلامک ہیروز کا تو علم نہیں لیکن انڈیاکے ہیروزکے نام بھی ازبر ہیں ان کا کہنا تھاکہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اورے ہ ایک نظریے کے تحت بنایاگیا تھا موجودہ حالات اور مہنگائی کے طوفان پر بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھاکہ پاکستان کا40فیصد بجٹ صرف آرمی پر خرچ ہو رہاہے ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہماری فوج کو مضبوط ہونا چاہئے لیکن ایسی آرمی نہیں چاہئے جو ڈرون کو ہی نہ گراسکے ریمنڈ ڈیوس کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈپٹی سپیکر کا کہنا تھاکہ وہ پنجاب حکومت ہی تھی جس نے ایک امریکی کو سلاخوں کے پیچھے بند رکھا پھر ایسی کیا بات ہوئی کہ پاسپورٹ تو پنجاب حکومت کے پاس تھااور ریمنڈ اس ملک سے

باہر جاچکا تھا جس عدالت سے اسے رہا کرایا گیا وہاں وکیل بھی آئی۔ایس۔آئی کا تھا ڈپٹی اسپیکر نے یوتھ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ نوجوانوں کو ہی اس ملک کو بحرانوں سے نکالنے کے لئے کردار ادا کرنا ہوگا آج ہم مختلف اداروں کو بجٹ بناتے ہیں اور انہیں سالانہ کے حساب سے فنڈز جاری کرتے ہیں ہم ان اداروں سے اگر کرپشن کا خاتمہ کر لیں تو وہی ادارے منافع بخش بن جائیں گے اور ہمیں کہیں سے قرضے لینے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی ہمیں ایسی امداد سے منہ موڑنا ہوگا اور ایسے کشکولوں کو توڑنا ہوگا جن کی وجہ سے ملکی خود مختاری پر حرف آتا ہو انہوں نے مسلم لیگ ن اور پنجاب گورنمنٹ کی کارکردگی پر بات کرتے ہوئے کہا کہ پہلے دور حکومت میں موٹروے اور آپٹک فائبر بچھا کر بہت اچھے پروجیکٹس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس کے علاوہ بھی کئی فلاح عامہ کے کام کئے اور یہ بھی میاں نواز شریف صاحب کا اعزاز ہے کہ پوری دنیا کے دباؤ کو یکسر مسترد کرتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کرکے اس ملک کو ایٹمی ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا اور آج بھی پنجاب گورنمنٹ نے تعلیم کے شعبہ میں پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی لیب، 3.2 ملین طلباء کے لئے دانش سکولز سسٹم کا آغاز، 48 ملین ڈالر کی عالمی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لئے مستحق طلبا کو قرضہ اور وظائف دے کر کیا یوتھ سینٹ آف پاکستان سے بات کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ آپ پاکستان کا مستقبل ہو اور پاکستان میں کافی ٹیلنٹ موجود ہے دنیا میں کہیں بھی کسی بھی شعبے میں چلے جائیں تو آپ کو ٹاپ پر پاکستانی ہی نظر

آئیں گے اسلئے آپ جدید تعلیم کے ساتھ حالات پر بھی نظر رکھیں مجھے آپ سے یہ بھی شکوہ ہے کہ نوجوان نسل اخبارات کا بالکل مطالعہ نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ بے خبر رہتے ہیں آپ نے اداروں کو مضبوط کرنے کے لئے کردار ادا کرنا ہوگا ادارے جب مضبوط ہوتے ہیں اور ان میں کرپشن نہیں ہوتی تو وہ بہتر انداز میں کام کرتے ہیں جیسے آج عدلیہ آزاد ہے تو ایک وزیر حامد سعید کاظمی سلاخوں کے پیچھے ہے رانا مشہود احمد خاں نے یوتھ سینٹ آف پاکستان کی جہاں پر حوصلہ افزائی کی وہیں انہیں مفید مشوروں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ حکومت پنجاب سے ہر ممکنہ مدد کی یقین دہانی کرائی جب ہم اسمبلی سے رخصت ہونے لگے تو میں نے رانا صاحب سے پوچھا کہ ان باتوں میں کوئی بات آف دی ریکارڈ تو نہیں اس پر وہ مسکرائے اور کہا کہ جو چاہے لکھ دیجئے گا یوتھ سینٹ آف پاکستان کے بارے میں پھر کبھی تفصیل سے لکھوں گا انشاء اللہ۔

جاوید ہاشمی اور پاکستان کی سیاسی جماعتیں

جنرل ضیاء الحق کا ساتھ دینے پر اور ان کی کابینہ میں وزیر بننے پر مخدوم جاوید ہاشمی نے قوم سے معافی مانگی ہے اور کہا ہے کہ جنھوں نے بھی آمریت کا ساتھ دیا ہے وہ قوم سے معافی مانگیں مخدوم جاوید ہاشمی کا میں ان دنوں سے فین ہوں اور عزت کرتا ہوں جب پاکستان مسلم لیگ کی قیادت جدہ روانہ ہو گئی تھی اور کچھ لیڈروں نے ویسے ہی آنکھیں پھیر لیں تھیں وہ جاوید ہاشمی ہی تھے جنہوں نے آمریت کے بدترین دور میں مسلم لیگ کو زندہ رکھا اور چلائے رکھا جس کی وجہ سے انہیں قید وبند کی صعوبتیں بھی سہنا پڑیں ویسے بھی ہاشمی صاحب کے بیانات اور باتیں عوامی جذبوں کی عکاس اور ترجمان ہوتی ہیں لیکن ان کے اس معافی والے بیان پر میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کونسی سیاسی جماعتیں ایسی ہیں جو آمریت کے کندھوں پر سوار ہو کر معرض وجود میں آئی ہیں اور آمریت کے سائے میں پروان چڑھی ہیں سب سے پہلے اس وقت حکمران پارٹی کو ہی دیکھتے ہیں پیلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو شہید، جنرل ایوب کی کابینہ میں وزیر تھے جنرل ایوب کی اور بھٹو کی آپس میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی اور جنرل ایوب، بھٹو کو زلفی کہا کرتے تھے بعد میں اختلافات کی بنا پر بھٹو جب جنرل ایوب سے علیحدہ ہو کر عوامی ٹرین پر چڑھ کر عوام کے دلوں کی دھڑکن بن کر قائد عوام بن گئے اور

ایک جماعت تشکیل دی جسے پیپلز پارٹی کا نام دیا گیا یہاں میں ہاشمی صاحب کی بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ بھٹو واقعی عظیم لیڈر تھے اور ذہین بھی تھے کیونکہ انہوں نے پاکستان میں او۔آئی۔سی کی کانفرنس بلا کر پوری امت مسلمہ کو اکٹھا کر کے اقبالؒ کے اس خواب اک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے 'کو شرمندہ تعبیر کیا پاکستان کو آئین دینے کے ' ساتھ ساتھ قادیانیوں کو کافر قرار دینا ان کی بہت بڑی کامیابی تھی اس کے علاوہ بھٹو شہید نے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے لئے بھی کافی تگ و دو کی انہی کامیابیوں کی بنا پر اسے تخت سے تختہ پر پہنچا دیا گیا یہ تو پیپلز پارٹی کا پس منظر تھا اب اگر اس وقت کی اپوزیشن جماعت پاکستان مسلم لیگ ن کی بات کریں تو یہ بھی جنرل ضیاء الحق کے کندھوں پر سوار ہو کر آئے تھے اور بہت جلد ایک مقام بھی حاصل کر لیا اور عوام کے دلوں میں بھی گھر کر لیا پاکستان مسلم لیگ نواز دو بار برسر اقتدار میں آئی اور کئی ترقیاتی کام کروائے جن میں سے موٹر وے بنانا ان کا عظیم کام تھا جو کہ آج بھی ان کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے اس کے علاوہ انہوں نے ملکی تاریخ کا بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ پوری دنیا کہ دباؤ کو یکسر مسترد کرتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کر کے پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند کر دیئے یہاں پر میں آبروئے صحافت جناب مجید نظامی صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے ایٹمی دھماکہ کرنے میں میاں نواز شریف کی حوصلہ افزائی کی اور تاریخی جملہ کہا کہ اگر تم نے ایٹمی دھماکہ نہ کیا تو قوم آپ

کا دھماکہ کر دے گی یوں میاں صاحب نے ایٹمی دھماکہ کرکے امریکہ کی بات نہ مانی تھی جس کی وجہ سے ان کی حکومت کا تختہ بھی الٹا گیا اور اس کے بعد قوم کو پرویز مشرف کے روپ میں ایک اور آمر مل گیا کچھ سیاستدانوں نے مشرف کو جی آیاں نوں کہہ کر گلے لگایا اور مشرف نے بھی انہیں 'جادو کی جپھی' ڈالی جس کے جادو سے پاکستان مسلم لیگ ق وجود میں آئی جس جماعت کے چودھری، مشرف کو بار بار فوجی وردی میں منتخب کروانے کے نعرے لگاتے رہے۔ پاکستان مسلم لیگ ق نے کھایا بھی سہی اور ترقیاتی کام بھی کروائے، یہ تو پاکستان کی تین سیاسی جماعتوں کا پس منظر تھا کہ کس طرح معرض وجود میں آئی تھیں باقی سیاسی جماعتوں کا ذکر پھر کسی کالم میں تفصیل سے کروں گا یہاں ہم مخدوم جاوید ہاشمی کی بات کرتے ہیں جو کہ پارٹی سے ہٹ کر بیانات دے رہے ہیں بلکہ ایسی باتیں کر رہے ہیں جو کہ پارٹی پالیسی کے خلاف ہیں کیا ہاشمی صاحب نے 'ہاں میں باغی ہوں' لکھنے کے بعد پارٹی میں بھی حق اور سچ کی اپنی دیرینہ روایت کو قائم رکھتے ہوئے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے؟ یا پھر یہ وہ لاوہ ہے جو انہیں یکسر نظر انداز کیے جانے کی وجہ سے ان کے اندر پکتا رہا اور اب پھٹ رہا ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

وادی نمل کی آواز

3 مئی 2011 کو روزنامہ جناح میں برادرم تنویر احمد کا کالم ' مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے ' نظر سے گزرا جس میں انہوں نے ضلع میانوالی میں واقع ایک خوبصورت علاقے وادی نمل کے لوگوں کے مسائل کو اور ان کی مشکلات کو اجاگر کیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب پورے ملک میں سیلاب نے تباہی مچا رکھی تھی تو ندی نالوں میں طغیانی کی وجہ سے وادی نمل کی خوبصورت جھیل ' ' نمل جھیل " کے حجم میں اضافہ ہونے کی وجہ سے گردو نواح میں کھڑی فصلوں کو تباہ کر کے رکھ دیا باقی سیلاب زدہ ایریا میں تو حکومتی امداد پہنچتی رہی اور ان متاثرین کا مداوا ہوتا رہا لیکن وادی نمل کے رہائشی آج بھی حکومتی امداد کے منتظر ہیں کیونکہ ان کا دارومدار کھیتی باڑی پر ہوتا ہے اور ان دنوں گندم کی کٹائی کے موقع پر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے امید کے دیئے جلائے حکومتی امداد کے منتظر ہیں جب میں یہ تحریر پڑھ رہا تھا تو سارے واقعات میرے ذہن میں کسی ڈاکومینٹری فلم کی طرح چلنے لگے کہ جب پاکستان میں سیلاب نے تباہی مچائی ہوئی تھی اور عکس ویلفیئر ٹرسٹ کے پلیٹ فارم سے ہم متاثرین سیلاب کے لئے امداد اکٹھی کر رہے تھے تو ضلع میانوالی میں وادی نمل کے رہائشیوں کا جذبہ اور خلوص دیدنی تھا خود مسائل میں گھرے ہونے کے باوجود ہمیں متاثرین سیلاب کی بحالی کے لئے

بڑھ چڑھ کر فنڈز اور امداد مہیا کی اپنی فصلیں تباہ ہونے کے باوجود اپنے دکھی بھائیوں کے لئے غلے اور اناج کے انبار لگا کر ایثار و قربانی کی مثالیں رقم کیں لیکن آج تک ان کی حکومتی سطح پر شنوائی نہ ہونا باعث حیرت بھی ہے اور افسوس بھی ہے عوامی خدمت کے دعویداروں اور عوامی خادموں کا اس ایریا میں نہ پہنچنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہاں پر فوٹو سیشن کروانے کے لئے میڈیا جو موجود نہیں ہے اور ہمارے حکمران صرف وہاں ڈرامے رچاتے ہیں جہاں انہیں میڈیا کی کوریج مل رہی ہو۔

مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا،جب 28اپریل 2008ء میں پہلی بار اس پسماندہ علاقے میں وزیر اعظم پاکستان جناب یوسف رضا گیلانی صاحب نمل کالج کے افتتاح کے لیے تشریف لائے تو وادی نمل کے رہائشیوں کی خوشی دیدنی تھی وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کیونکہ اس پسماندہ علاقے میں پہلی بار کوئی بڑی حکومتی شخصیت تشریف لائی تھی اور اس دن یہ سادہ لوح لوگ بڑے پر امید تھے کہ آج وزیر اعظم ہمارے علاقوں میں ترقیاتی کاموں کا اعلان کرکے ہماری قسمت کو بدل دیں گے اور اب اس علاقے میں ترقیاتی کاموں کا جال بچھ جانے کی وجہ سے پسماندگی ختم ہوجائے گی اور ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے وزیر اعظم نے بھی پہاڑوں میں گھری ہوئی جھیل اور خوبصورت مناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے نمل جھیل پر نیشنل پارک بنانے کا وعدہ کیا تھا اور کہا تھا کہ میں کل ہی ایک

ٹیم کو پارک کے سروے کے لیے بھیجوں گا لیکن وہ وعدہ صرف باتوں کی حد تک تھا جو آج تک ایفا نہ ہو سکا (ویسے بھی یہ وعدے کوئی قرآن حدیث تو ہوتے نہیں) لیکن آج تین سال گزر جانے کے باوجود پارک بننا تو درکنار کوئی ٹیم سروے کرنے تک نہیں آئی شاید وزیراعظم صاحب بھی مصروفیت میں گم ہو کر اپنے اس اعلان کو بھول گئے یا پھر ان کے محکمے نے سب اچھا کی رپورٹ دے کر اس پروجیکٹ کو فائلوں کی نذر کر دیا لیکن وادی نمل کے رہائشی امید و یاس کی کیفیت میں آج بھی منتظر ہیں کہ اس کو جھیل پر ایک خوبصورت سا پارک بنے گا اور اس وادی کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جائیں گے وادی نمل کا ذکر ہو اور اس کے رہائشیوں کا سب بڑا مسئلہ بیان نہ کرنا زیادتی ہوگا۔ کیونکہ یہ وادی حسین تو ہے لیکن کافی مسائل سے دوچار بھی ہے جن میں سب سے بڑا مسئلہ طبّی سہولیات کا فقدان ہے اس لیے جب ان کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو یہ لوگ ضلع میانوالی کی طرف رخ کرتے ہیں جو کہ 40 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور راستے میں پہاڑی میں روڈ جام ہونا معمول بن چکا ہے اور اکثر مریض اسی روڈ جام ہونے کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں اس لیے حکمران طبقہ سے گزارش ہے کہ وہ وادی نمل کے رہائشیوں کے مسائل جلد اور ہنگامی بنیادوں پر حل کرے۔

امت مسلمہ زوال پذیر کیوں؟

آج پوری دنیا میں مسلم امہ زوال پذیر ہے مسلمان زبوں حالی کا شکار ہیں ہر کہیں مسلمان رسوا ہو رہے ہیں امت مسلمہ پستی کی طرف گامزن ہوتی جارہی ہے پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے اور وہ خوار ہو رہے ہیں ذلت و رسوائی مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے اس کی کیا وجوہات ہیں اور آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟؟؟ حالانکہ اگر دوسری طرف نگاہ دوڑائیں تو اسلام روز بروز پوری دنیا میں تیزی سے پھیلتا جارہا ہے سب سے زیادہ اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب بھی اسلام ہی ہے لیکن آج ہماری پستی ،زوال اور زبوں حالی کی وجوہات کیا ہیں ؟؟؟امت مسلمہ کے ماضی پر نظر دوڑائیں تو وہ انتہائی تابناک تھا پوری دنیا میں مسلمانوں کے نام کا ڈنکا بجتا تھا اور ہمیں عروج حاصل تھا ہمارے اسلاف کا پوری دنیا میں ایک نام تھا ایک رعب تھا ایک دبدبہ تھا ایک وقار اور ایک شان تھی اپنے تو اپنے غیر بھی ہمارے اسلاف کی مثالیں دیا کرتے تھے میں زیادہ دور نہیں جاتا ،جب 1937ء میں انڈیا میں کانگریس کی حکومت بنی تو گاندھی نے اپنے وزیروں کو سادگی کا مشورہ اختیار کرنے کی مثال دیتے ہوئے کہا "میں رام چندر اور کرشن کا حوالہ نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تاریخی ہستیاں نہیں تھیں میں مجبور ہوں سادگی کی مثال کے لئے ابو بکرؓ و عمرؓ کے نام پیش کرتا ہوں وہ

بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے پر انہوں نے فقیروں والی زندگی گزاری" وہ بھی مسلمان تھے اور ہم بھی مسلمان ہیں لیکن ان میں اور ہم میں زمیں آسماں کا فرق ہے کیونکہ ان کا ایک مقام تھا ایک عزت تھی اور آج ہم پوری دنیا میں رسوا ہو رہے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ہمارا ماضی تابناک کیسے تھا؟ پوری دنیا میں امت مسلمہ کے نام کا ڈنکا کیوں بجتا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے اسلاف نے اللہ سے لو لگائی تھی اور محسن انسانیت ﷺ کے نقش قدم پر چلے تھے وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے انہوں نے تقویٰ کو اختیار کیا وہ دنیا میں کامیاب تھے اور آخرت میں بھی اللہ کے ہاں سرخرو ٹھہرے ہمارے اسلاف نے سادگی کو اپنا شعار بنایا تھا، مال و زر کو ٹھکرا دیا تو دولت ان کے گھر کی لونڈی بن گئی انہوں نے دین اسلام پر عمل کیا تو پوری دنیا پر ان کا رعب طاری ہو گیا اور ان کے نام سے دنیا کانپنے لگی اسی طرح وہ پوری دنیا پر چھاتے چلے گئے لیکن انہوں نے عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑا انہوں نے عاجزی و انکساری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اسی طرح دنیا میں امت مسلمہ ایک سپر پاور کے طور پر پہچانی جانے لگی لیکن آج مسلم امہ زوال پذیر کیوں ہے تو اس کی کئی وجوہات ہیں سب سے

پہلے تو ہم نے احکامات خداوندی کو چھوڑا ہوا ہے امریکہ کو سپر پاور مانا ہوا ہے اور اسی کی ڈکٹیشن پر چل رہے ہیں حالانکہ سپر پاور صرف اللہ کی ذات ہے ہم خانہ کعبہ کی بجائے وائٹ ہاؤس کے سامنے سر کو جھکانا باعث مسرت سمجھتے ہیں امت مسلمہ کی پستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم طبقاتی تفریق کے علاوہ مختلف فرقوں میں بٹ کر اپنی ہی صفوں میں اختلافات کو ہوا دے کر انتشار پھیلا رہے ہیں حالانکہ چوتھے پارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم ہے کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقوں میں نہ پڑو" ہم نے تو اللہ کے اس حکم کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے جس میں ہمیں کہا گیا ہے کہ " یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے" لیکن آج ہمیں یہود و نصاریٰ دوستی کی آڑ میں اپنا غلام بناتے جا رہے ہیں آج امت مسلمہ انتشار کا شکار ہے تو اس میں سب سے بڑی وجہ اللہ سے دوری اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا نہ ہونا ہے اگر ہمیں پھر سے کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے اس عزت اور مرتبے کو پہنچنا ہے تو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کو اپنی زندگیوں میں لاگو کرنا ہے اور صحیح معنوں میں مسلمان بننا ہے امت مسلمہ کی زبوں حالی ،زوال، رسوائی اور پستی کے بارے میں آج سے کئی صدیاں پہلے محسن انسانیت ﷺ نے فرما دیا تھا جس کا مفہوم ہے کہ "جب تم جہاد کو ترک کر دوگے تو ذلت و رسوائی تمہارا مقدر بن جائے گی آج ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا ہم نے جہاد کو اپنی زندگی کا جزو بنایا ہوا ہے یا نہیں ،جہاد کی" اگر

بات کی جائے تو یہ ایک لمبا موضوع ہے جس پر میں پھر کبھی تفصیل سے لکھوں گا اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔۔آمین

امریکہ کا اصل ٹارگٹ کیا ہے؟

یہ بات تو اب پوری دنیا جانتی ہے کہ نائن الیون امریکہ کا رچایا ہوا ایک خودساختہ ڈرامہ تھا امریکہ کا اصل مقصد مسلم دنیا میں جنگ کا آغاز کرنا تھا اور ان کا سب سے اہم ٹارگٹ مسلم دنیا کی پہلی ایٹمی پاور اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ایٹمی اثاثوں سے محروم کرنا تھا، آئی۔ایس۔آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل صحیح کہتے ہیں کہ نائن الیون ایک بہانہ تھا افغانستان پر حملہ کرنا ایک ٹھکانہ اور پاکستان، امریکہ کا اصل نشانہ تھا میں پہلے بھی اکثر اپنے کالمز میں ذکر کرتا آرہا ہوں کہ پاکستان کے نزدیک امریکہ اپنا گھیرا تنگ کرتا جارہا ہے اور اس کی نظریں ہماری ایٹمی اثاثوں پر لگی ہوئی ہیں یہ کھیل اس نے اس وقت شروع کیا تھا جب پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف نے امریکہ کی بات نہ مان کر 28 مئی 1998ء کو ایٹمی دھماکے کرکے پوری دنیا میں ساتویں اور مسلم دنیا میں پہلی ایٹمی قوت بن گیا تھا میاں صاحب کو ایٹمی دھماکے کرنے کی پاداش میں تخت سے اتار کر ملک بدر ہونا پڑا، خیر یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔
نائن الیون کے ڈرامے کے بعد فوری بعد اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے امریکہ نے پاکستان کو دھمکاتے ہوئے اپنا اتحادی بنایا اور افغانستان پر حملہ کرتے

ہوئے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی، پاکستان کو ایٹمی اثاثوں سے محروم کرنے کی حکمت عملی میں اس نے بھارت اور اسرائیل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا افغانستان پر حملے کے ساتھ ساتھ پاک افغان بارڈر کو حساس قرار دیتے ہوئے، شمالی علاقہ جات کو دہشت گردوں کا مرکز بتاتے ہوئے پاکستان کو بھی دہشت گردی کی خوساختہ جنگ میں جھونک دیا جس مشن کو اس نے آسان سمجھا تھا وہ اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوا آج دس سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود امریکہ کو افغانستان میں فتح نہ مل سکی بلکہ اب وہ وہاں سے بھاگنے کی سوچ رہا ہے لیکن بھاگنے سے پہلے وہ اپنے اصل ٹارگٹ یعنی پاکستان کو ایٹم سے محروم کرنا چاہتا ہے لیکن اس کا یہ خواب کبھی شرمندہء تعبیر نہیں ہوگا اسے افغانستان میں اب ایک ٹھکانہ میسر آ گیا ہے پاکستان میں دہشت گردوں کو خود نشانہ بنانے کے بہانے ڈرون طیاروں کے حملوں سے پاکستان میں مداخلت شروع کی ہوئی ہے اس طرح کی کھلی مداخلت سے انہیں اپنا ہدف آسان نظر آنے لگا ہے امریکہ کا یہ کھیل اب فائنل راؤنڈ میں داخل ہو چکا ہے اور امریکہ نے بھی اسے فائنل ٹچ دینا شروع کر دیا ہے جس کے لئے اس نے ایبٹ آباد میں اسامہ کی موجودگی اور اپنے کمانڈو کے ذریعے ہی یکطرفہ آپریشن کی کامیاب ریہرسل کی اس طرح اس نے اپنے تربیت یافتہ کمانڈو کے ذریعے پی۔این۔ایس مہران پر حملہ کر کے دنیا کو یہ سوچنے پہ مجبور کر دیا کہ جو ادارے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ ان خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کیسے کریں گے اس لیے اس نے پاکستانی

ایٹمی اثاثوں کی نگرانی سخت کر دی ہے لیکن امریکہ کو یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ وہ قوم ہے جو موت کو گلے لگانا اعزاز سمجھتی ہے اور اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنے ملک کا دفاع کرے گی یہ قوم جذبہ شہادت سے لبریز ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔

ہم بحثیت مسلمان اپنے آپ کو پہچانا چاہیئے اور ان یہود ونصاریٰ سے بچنا چاہیئے جن سے بچنے کے بارے میں فرمان ہے کہ "یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ" لیکن آج ہم ان گوری چمڑی والوں کی غلامی کرکے فخر محسوس کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا قریب ہے کہ اقوام تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح لوگ دستر خوان کی طرف لپکتے ہیں صحابہؓ نے سوال کیا، کیا اس کی وجہ یہ ہوگی ہم تعداد میں بہت کم ہوں گے ؟رسول ﷺ نے فرمایا نہیں تم کثیر تعداد میں ہوں گے مگر تم سیلاب کے اوپر موجود جھاگ کی مانند بے وقعت ہو جاؤ گے تمہارے دشمن کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں وہن داخل ہو جائے گا صحابہؓ نے سوال کیا 'وہن 'کیا چیز ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سے محبت اور موت سے کراہت "ہمیں آج سوچنا ہو گا کہ کیا ہمارے دلوں میں وہن تو داخل نہیں ہو گیا ؟کیا ہمارا رعب ختم ہو گیا ہے جو دشمن ہمارے خلاف منصوبے بنانے میں مصروف ہے اور ہم چپ سادھے اسے دیکھے جارہے ہیں ،اس وقت ہمارے حکمران

طبقہ کو بھی سوچنا ہو گا نئی حکمت عملی اور پالیسی اختیار کرتے ہوئے پاکستان کو یہود ونصاریٰ سے بچاتے ہوئے امریکی امداد سے منہ پھیرنا ہے اور اس امداد سے خود کو بچانا ہے جس کی وجہ سے ہماری خود مختاری میں مداخلت ہوتی ہو

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی۔

غریبوں کی فریاد۔۔۔ ثمینہ کی زبانی

میں آفس آتے ہوئے اور گھر واپس جاتے ہوئے اکثر اس کو دیکھتا ہوں کہ ایک عورت نقاب اوڑھے تیز دھوپ اور سخت گرمی میں مشروب کی ریڑھی لگائے اپنے اور اپنے بچوں کے پیٹ کی خاطر روزی کمانے مصروف ہوتی ہے مجھے تجسس ہوا کہ اس کے حالات زندگی کے بارے معلوم کروں اس لیے میں نے اس سے تفصیلی ملاقات کی تو مجھے پتا چلا کہ اس کا نام ثمینہ ہے اس کی عمر تقریبا 32 سال ہے وہ شادی شدہ ہے اور اس کے تین بچے ہیں جو کہ زیر تعلیم ہیں اس کا شوہر دیہاڑی دار مزدور ہے جس کی کبھی دیہاڑی لگتی ہے تو کبھی نہیں وہ کرائے کے ایک کمرے والے مکان میں رہتے ہیں ثمینہ خود بھی مریض ہے لیکن پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اس مہنگائی کے دور میں اپنا علاج نہیں کرواسکتی لیکن اس کا خواب ہے کہ اس کی اولاد تعلیم حاصل کرکے معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرے اس لئے وہ گزشتہ ایک سال سے سڑک کنارے ریڑھی لگا رہی ہے وہ سردیوں میں دال چاول اور گرمیوں میں مشروب بیچتی ہے اس کا کہنا ہے کہ میں اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے ضرور آراستہ کروں گی اسی لیے ہی میں گھر سے باہر نکلی ہوں ثمینہ میٹرک پاس ہے اس کا کہنا تھا کہ انسان کے حالات سدا ایک جیسے نہیں رہتے ، میں نے یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں میں گھر سے باہر نکل کر ریڑھی لگایا کروں گی میری شادی کے ایک سال بعد تک

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا ہماری اپنی زمینیں تھیں جو کہ بیگم کوٹ کے علاقے میں ہیں لیکن ان پر قبضہ گروپ نے قبضہ جمایا ہوا ہے آج ان کے کاغذات تو ہمارے پاس ہیں لیکن مکان تک لئے ہم محتاج ہو چکے ہیں آج قبضہ گروپ سے ہماری زمینیں وا نہیں ہو رہیں شاید وہ لوگ کافی با اثر ہے اس لیے ہماری کہیں شنوائی نہیں ہو رہی ، مہنگائی کے اس دور میں سانس لینا بھی مشکل ہے کبھی کبھی تو خود کشی کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن پھر بچوں کا خیال اس ارادے باز رکھتا ہے کہ میرے بعد ان کا کیا بنے گا آج ہمارا کوئی پرسان حال نہیں یہاں پر کئی بڑے بڑے لوگ آتے ہیں سبھی جھوٹے وعدے کرکے چلے جاتے ہیں اور بعد میں ہماری خبر تک نہیں لیتے ۔

ثمینہ جب اپنی کتھا سنا رہی تھی تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ میری طرف پر امید نظروں سے تک رہی تھی کہ شاید میں اس کے لئے کچھ کروں گا میں اس کی باتیں سن کر سوچ رہا تھا کہ کیا غریبوں کا اس ملک میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے؟ کہاں گئے ہیں حکومت کے وہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام، جن سے ان غریبوں کے چولہوں کا ٹھنڈا ہونے سے بچایا جاسکے کہاں گئے وہ اپنے آپ کو خادم کہلوانے والے جو بڑے بڑے دعوے کرتے نہیں تھکتے، کہاں ہیں وہ روٹی ، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے والے ، جو کھلے آسمان کے نیچے کھڑی ثمینہ کو ایک چھت فراہم کر سکیں ثمینہ فریاد کرتی ہے ان انصاف کے نام لیوا لوگوں سے کہ میں

انصاف کی منتظر ہوں مجھے بھی انصاف چاہیئے میں پوچھتا ہوں ان نام نہاد این۔جی۔اوز کے نمائندوں سے جو سڑک کنارے نقاب اوڑھے ایک عورت کو دیکھ کر آنکھیں موند لیتے ہیں۔حکمران طبقہ نے شاید غربت مکاؤ پروگرام کے تحت ملک سے غربت کے خاتمے کے لئے غریبوں کو ہی ختم کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے لیکن میرے ملک کے غریب اور پریشان حال لوگو ایک ذات اور بھی ہے جو آپ کی مشکلات کو دیکھ رہی ہے آپ کی التجاؤں کو سن رہی ہے مجھے امید اور قوی یقین ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ جب میرے وطن کے غریب اور اداس چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جائے گی۔

میرے وطن کے اداس لوگو،نہ خود کو اتنا حقیر سمجھو
کہ کوئی تم سے حساب مانگے
خواہشوں کی کتاب مانگے
نہ خود کو اتنا قلیل سمجھو
کہ کوئی اٹھ کر کہے یہ تم سے
وفائیں اپنی ہمیں لٹا دو
وطن کو اپنے ہمیں تھما دو
اٹھو اور اٹھ کر بتا دو ان کو
کہ ہم ہیں اہل ایماں سارے
نہ ہم میں کوئی صنم کدہ ہے

ہمارے دل میں تو ایک خدا ہے
میرے وطن کے اداس لوگو
جھکے سروں کو اٹھا کہ دیکھو
قدم تو آگے بڑھا کے دیکھو
ہے ایک طاقت تمہارے سر پر
کرے گی سایہ وہ سروں پر۔

طالبان کون ہیں؟اور طالبان کی اقسام

پاکستان میں دہشت گردی کا کوئی بھی سانحہ رونما ہوتا ہے یا دہشت گردی کی کوئی بھی واردات ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری تحریک طالبان پر ڈال دی جاتی ہے لیکن اکثر لوگ یہ سوچتے ہیں اور ان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ طالبان کون ہیں؟؟ان کی پرورش کس نے کی اور کس نے بنایا؟کون ان کی معاونت کرتا ہے؟کیا یہ مسلمان ہیں؟آج ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لئے ہمیں کچھ پیچھے جانا ہوگا جب روس دنیا میں سپر پاور کے طور پر جانا جاتا تھا اور پوری دنیا میں روس کا ایک رعب سا چھایا ہوا تھا جب اس نے افغانستان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو وہاں سے اس کا زوال شروع ہوگیا جہاں سے روس کا زوال شروع ہوا، وہیں سے طالبان کا دور شروع ہوتا ہے جب روس افغانستان پر تسلط جمانے کی کوشش کر رہا تھا اس وقت امریکہ نے پاکستان کو اپنا اتحادی بنا کر افغانیوں کی مدد کی لیکن یہ صرف امریکی امداد کا کمال نہیں تھا کہ اس نے روس جیسی سپر پاور کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ اس امداد کے ساتھ پاکستان کے اس وقت کے صدر جناب جنرل ضیاء الحق نے نعرہ جہاد کو بلند کرکے افغانیوں کے خون کو گرما دیا اور وہ جذبہ شہادت سے لبریز اور جدید امریکی اسلحے سے لیس روس پر ٹوٹ پڑے اور روس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا یوں دنیا کی سپر پاور ریزہ ریزہ ہوئی اس میں امریکہ کا خواب بھی

پورا ہوگیا اور روس کے بعد وہ دنیا کے نقشے میں سپر پاور کے طور پر سامنے آگیا لیکن افغانستان میں روس کے خاتمے کے بعد ملا عمر کی قیادت میں جو حکومت بنی وہ طالبان کی حکومت تھی جنہوں نے افغانستان میں سختی سے شریعت کو نافذ کیا اسی وجہ سے افغانستان کی تاریخ میں پہلی بار امن و امان کی فضا دیکھنے میں آئی افغانی طالبان نے اپنے دور حکومت میں اسلامی تعلیمات پر سختی سے عمل کروانا شروع کیا یوں انہوں نے امریکہ سے ڈکٹیشن لی نہ اس کے آگے سر کو جھکایا جس کی وجہ سے امریکہ کو نائن الیون کا ڈرامہ رچانا پڑا جس ڈرامے کے دو مقاصد تھے ایک تو مسلم دنیا کے خلاف جنگ خاص کر طالبان حکومت کو ختم کرنا کیونکہ امریکہ کے نزدیک طالبان مذہبی انتہا پسند ہیں اور دوسرا پاکستان کے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ۔ (یہاں پر طالبان کے بارے بتانا مقصود ہے اس لئے نائن الیون کے بعد کے واقعات کو مختصراً بیان کر رہا ہوں) یوں امریکہ نے ایک بار پھر پاکستان کو اپنا اتحادی بناتے ہوئے طالبان کی حکومت کو نشانہ بنایا یہاں پر ایک عجیب اتفاق دیکھنے میں آیا کہ روس کے خاتمے کے لئے جو اسلحہ امریکہ نے طالبان کو فراہم کیا تھا طالبان اسی امریکی اسلحے سے امریکہ کو نشانہ بنانے لگے،امریکہ کو افغان جنگ لڑتے ہوئے دس سال کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن ابھی تک وہ افغانستان پر مکمل قبضہ نہیں جما سکا اور آج طالبان سے مذاکرات پر مجبور ہو چکا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس نے جنگ کا رخ پاکستان کی طرف کرنا شروع کر دیا جس کے لئے اس نے اسرائیل اور بھارت کو بھی

اپنے ساتھ ملا لیا، امریکی سی۔آئی۔اے، اسرائیلی موساد، بھارتی خفیہ ایجنسی 'را' امریکی ڈائن کارپ اور بدنام زمانہ بلیک واٹر نے پاکستان میں ایک دہشت گرد تنظیم بنائی جو آج تحریک طالبان کے نام سے جانی جاتی ہے یہاں پر یہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ افغانی طالبان اور پاکستانی تحریک طالبان میں زمین آسمان کا فرق ہے دونوں کا نام ایک ہونے کے باوجود ٹارگٹ مختلف ہیں تحریک طالبان پاکستان خالصا دہشت گرد تنظیم ہے کیونکہ اس نے سیکیورٹی اداروں، مارکیٹوں کے علاوہ مساجد میں بھی خود کش حملے کرکے کئی معصوم زندگیوں کے چراغوں کو گل کیا جس کی وجہ سے کافی مفتی کرام نے اس طرح کے حملوں کو حرام قرار دیا ہے جبکہ افغانی طالبان ایک مذہبی انتہا پسند قسم کے ہیں جنہیں اغیار کی مداخلت پسند نہیں ہے لیکن ایک بات تو واضح ہے کہ یہ دونوں قسم کے طالبان کی پرورش امریکہ نے کی ہے اس کے علاوہ بھی طالبان کی ایک اور قسم بھی ہے جسے پنجابی طالبان کہتے ہیں لیکن مجھے ان کے بارے اتنا علم نہیں کبھی رحمان ملک صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے پنجابی طالبان کی بابت دریافت کروں گا اور اس کے بارے میں لکھوں گا لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کہ پنجابی طالبان کا کوئی وجود بھی نہیں ہے یہ ہمارے ملک صاحب کی ذاتی اصطلاح لگتی ہے۔۔

نازک ترین دَور

ملک انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ہمارے حکمران اور قیادت کے منہ سے بار بار سنائی دیتا ہے اور ہمارے ہر نئے آنے والے حکمران یہ کہتے ہیں کہ سابقہ حکومت نے مُلک قرضوں میں جکڑ دیا تھا سارے خزانے خالی ہیں اور انشاء اللہ ہم اِس مُلک کو ترقّی کی راہ پر گامزن کر دیں گے۔

اب موجودہ حالات کو دیکھ لیں عوام نے پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ دیا، وہ اقتدار کے ایوانوں میں پہنچی اور عوام کی بھرپور طاقت سے اک آمر سے اس مُلک کو نجات دلائی ۔جب موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالا تو اُن سے بھی یہ کہتے سُنا گیا کہ مُلک انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے۔ بھیک کے لئے چادر اپنے گورے آقاؤ ں کے آگے پھیلادی اور اِن کے آگے جُھکتے ہوئے یہ کہا کہ پاکستان دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ ہماری مدد کیجئے ۔

ادھر سے امداد لینے کے بعد پھر موجودہ حکومت نے آئی ایم ایف کے آگے گھٹنے ٹیک دئے اور پاکستان کی غریب عوام کو رہن رکھ کر قرضہ حاصل کر لیا یہاں پر کچھ سوال جنم لیتے ہیں کہ۔

کیا پاکستان ابھی تک اتنا بھی خود کفیل نہیں ہوا کہ وہ اپنی ضروریات کو پُورا کر سکے ؟
کیا پاکستان کے پاس اتنے بھی وسائل نہیں کہ وہ غریب عوام کی گردن کو آئی ایم ایف کے شکنجے سے نہیں بچا سکتا؟
کیا پاکستان واقعی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے؟

ہمارا ملک پاکستان جو کہ 14 اگست 1947 ء کو معرضِ وجود میں آیا تھا اور آج اتنا زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بہت سی مشکلات کا شکار ہے، پاکستان اتنی مشکلات کا شکار کیوں ہے؟ اور یہ فقرہ ہمیں بار بار سنائی کیوں دیتا ہے کہ پاکستان نازک ترین دور سے گزر رہا ہے، نازک ترین دور کی وجوہات کیا ہیں ؟؟

ہمارا ملک پاکستان انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے کیونکہ اس کے پاس ایٹمی قوت ہے۔

ہمارا ملک پاکستان انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے کیونکہ یہ معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے۔

ہمارا ملک پاکستان انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے کیونکہ اس میں پانی کی فراوانی ہے۔

ہمارا ملک پاکستان انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے کیونکہ اس میں پورے سال ہر طرح کے موسم آتے ہیں۔

ہمارا ملک پاکستان انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہا ہے کیونکہ اس میں سیاحوں کی توجہ کے مراکز مری اور شمالی علاقہ جات ہیں۔

مندرجہ بالا ڈھیر سارے مسائل کے باوجود ہم حکمرانوں کو کہیں کہ

پاکستان میں بجلی کا بحران نہ ہو۔

پاکستان میں غربت نہ ہو۔

پاکستان کے مسائل حل ہوں۔

پاکستان کے نوجوانوں میں بیروزگاری نہ ہو اور وہ بے راہروی کا شکار نہ ہوں۔

پاکستان کے حکمران امداد کے لیے کشکول ہاتھ میں نہ لیں۔

پاکستان میں امریکی ڈرون طیاروں کے حملے نہ ہوں ۔

پاکستان کے اندر چینی، آٹے اور اشیاء خوردونوش کا بحران نہ ہو۔

پاکستان کے حکمران بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے ڈیم کیوں نہیں بنا رہے۔پاکستان کے اندرونی حالات خراب نہ ہوں۔اور پاکستان کی لیڈرشپ انتقامی سیاست نہ کرے۔

ان سارے مسائل اور وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے حکمران کسی بھی ملک کے سرمایہ کار کو بہترین سہولیات فراہم نہیں کر

سکتے۔ کیونکہ ملک انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔

نوٹ: یہ تحریر 2009 میں لکھی تھی آج نظر سے گزری تو معلوم ہوا کہ یہ توپبلش کے لئے بھیجی ہی نہیں تھی۔۔

کون لائے گا انقلاب؟

ہمارے پیارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ٹارگٹ کلنگ معمول بن چکا ہے ،رشوت کلچر پروان چڑھ رہا ہے میرٹ کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں، کرپشن اور بدامنی کا دور دورہ ہے، عوامی امنگوں اور خواہشات کو دبایا جا رہا ہے اور ان کا استحصال کیا جا رہا ہے ،بے روزگاری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، جعل سازی کو فروغ حاصل ہے، غریب عوام کو بنیادی سہولیات تک میسر نہیں ہیں ،سفارشی کلچر عام ہو چکا ہے جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے ظلم و ستم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، غریب عوام ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں ،دہشت گردی کی نام نہاد جنگ ہم پر مسلط ہو چکی ہے، خود کشیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے ، موت کے ہرکارے سربازار موت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں ، سٹریٹ کرائم بڑھ چکے ہیں ،لوٹ مار کے بازار گرم ہیں ،پاکستان کی غریب عوام کی گردن کو آئی۔ایم۔ایف کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے،پاکستان کا غریب طبقہ بھوک سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے اس کی نسبت امراء پہلے سے زیادہ امیر ہوتے جا رہے ہیں ، طبقاتی تفریق بڑھ چکی ہے ، سچ کو دبایا جا رہا ہے جھوٹ اور فراڈ ہماری زندگی کا حصہ بن چکا ہے ، ملک میں غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے جس سے عوام ڈپریشن کا شکار ہیں ، گیس کا بحران ،اشیاء خوردونوش کا بحران

اور پٹرول بحران کے ساتھ ساتھ قیادت کا فقدان بھی ہے یہاں موروثی سیاست پروان چڑھ رہی ہے۔

ان دگرگوں اور خراب حالات میں اگر کوئی انقلاب یا تبدیلی کی بات کرتا ہے تو ہمیں وہ انسان بھی اچھا لگتا ہے اور تبدیلی کی باتیں بھی بڑے غور سے سنتے ہیں لیکن یہاں پر عجیب صورتحال ہے کہ انقلاب کے لئے غریبوں میں ہمت نہیں ،مڈل کلاس طبقے کے پاس فرصت نہیں اور امراء کو اس کی ضرورت نہیں ہے اگر دیکھا جائے تو مثبت تبدیلی کی باتیں ہر کسی کو اچھی لگتی ہیں اور اکثریت تبدیلی کی حامی بھی ہے لیکن وہ دیکھ رہے ہیں ایسے لیڈر اور مسیحا کی طرف جو انہیں تبدیل کرے گا جو اس کرپشن زدہ نظام کو تبدیل کرے گا،جو امن و امان قائم کرے گا،جو ہمارے اسلاف کی طرح اپنی رعایا کی خبر گیری کیا کرے گا،جو سادگی کو شعار بناتے ہوئے وڈیرہ شاہی اور وی۔آئی۔پی کلچر کا خاتمہ کرے گا،جو طبقاتی تفریق کو مٹائے گا،لیکن ایسا لیڈر اور مسیحا کہاں ہے جو ہمارے زخموں پر مرہم رکھے اور ایسا مسیحا کہاں سے ملے گا؟؟؟تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا مسیحا ہمارے اندر موجود ہے اس کے لئے ہمیں خود کو تبدیل کرنا پڑے گا اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرنا پڑے گا جب ہم خود ٹھیک ہو جائیں گے تو ہمارے ارد گرد کا معاشرہ اور ماحول خود بخود بہتر ہو جائے گا کیونکہ جیسے عوام ہوں گے ویسے حکمران ہوں گے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جسے خود آپ اپنی حالت بدلنے کا
جب ہم تبدیل ہونے کا مصمم عزم کر لیں گے تو مجھے امید اور قوی یقین ہے کہ وہ دن پھر
دور نہیں جس کے بارے کبھی فیض احمد فیض نے کہا تھا
، ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوح ازل پہ لکھا ہے
لازم ہے کہ ہم دیکھیں گے
جب ظلم وستم کے کوہ گراں روئی کی طرح اڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے جب یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی
اور اہل حکم کے سر اوپر جب بجلی کڑ کڑ کڑکے گی
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

تبدیلی مگر کیسے ؟؟؟

گزشتہ دن جب میں آفس پہنچا تو بھولا جوس والے نے خلاف معمول میرا پچھلا کالم 'کون لائے گا انقلاب ؟' میرے سامنے کرتے ہوئے رنجیدہ لہجے میں کہنے لگا کہ خود کو بھی بہلاتے ہو اور ہمیں جھوٹی تسلیاں دیتے ہوئے ہو اس ملک میں کوئی تبدیلی، کوئی انقلاب نہیں آئے گا یہاں پر کرپشن بھی ہوتے رہے گی، بدامنی بھی جاری رہے گی، بحران بھی آتے رہیں گے، میرٹ کی دھجیاں اڑائی جاتی رہیں گی، رشوت بھی سرعام چلتی رہے گی، موت سربازار تقسیم ہوتی رہے گی، دہشت گردی کی جنگ جاری رہے گی اور میرے ملک کی سرزمین خون سے رنگین ہوتی رہے گی کیونکہ ہم خود کو بدلنا ہی نہیں چاہتے، بھولا یہ باتیں کرکے چلا گیا اور میں سوچنے لگا کہ آخر ایسی کونسی بات ہے اور کیا وجوہات ہیں کہ ہم تبدیل نہیں ہو سکتے اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتے ؟اور ہمارے ملک میں ہریالی کیوں نہیں آتی ؟جب میں نے غور کیا تو مجھے بھولے کی باتیں سچ معلوم ہونے لگیں کہ میرے ملک میں انقلاب کیونکر برپا ہوگا اور تبدیلی کیسے آئے گی ؟کیونکہ میرے پیارے ملک پر چند خاندان قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور انہی کے ہاتھ میں ہمارے ملک کی باگ ڈور ہے جو اس ملک کی غریب عوام کی نمائندگی کرنے والے لوگ ہیں وہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھ کر غریب عوام کو بھول جاتے ہیں وہ غریبوں کی مشکلات اور

پریشانیوں کا اندازہ کیسے لگائیں گے ؟ کیونکہ ایک مرسڈیز میں سفر کرنے والا سائیکل سوار کی مشکلات کا اندازہ کیسے لگا سکتا ہے؟ محلوں میں رہنے والوں کو کیا معلوم کہ جھونپڑی والوں پر کیا بیت رہی ہے ؟ائیر کنڈیشنڈ گاڑیوں اور کمروں میں رہنے والے گرمی کی شدت کو کیسے محسوس کر سکتے ہیں؟ یہاں پر ایک سوال جنم لیتا ہے کہ غریب طبقہ اپنی نمائندگی کے لئے غریبوں کو ہی کیوں نہیں چنتا اور انہیں اسمبلی کے ایوانوں میں کیوں نہیں بھیجتا، یہ بات سوچتا ہوں تو ذہن اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ ہماری اسمبلیوں میں نمائندگی کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس گاڑیاں ہوں جن کے بینک بیلنس ہوں جو الیکشن لڑنے کے اخراجات برداشت کر سکتے ہوں لیکن دوسری طرف غریب طبقہ مشکل سے دو وقت کی روٹی کھاتا ہے جب میں سوچتا ہوں کہ کیا غریبوں کا اس ملک میں رہنے کا کوئی حق نہیں تو میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے اور بے اختیار دل سے آواز نکلتی ہے کہ کیا میرے ملک کا غریب طبقہ ایسے ہی رہے گا؟کیا میرے ملک کے غریب اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے ؟کیا وہ مشکلات اور پریشانیاں ان کے مقدر میں لکھی جا چکی ہیں ؟کیا وہ کبھی اپنے آپ کو تبدیل نہیں کر سکیں گے ؟لیکن دوسری طرف غریب طبقہ بھی پر امید ہے کہ کوئی ایسا حکمران بھی آئے گا جو حضرت عمرؓ کی طرح بھیس بدل کر ان کی خبر گیری کیا کرے گا۔

ایوان اقتدار میں بیٹھے لوگوں کو اپنی رعایا کی خبر گیری کرنا چاہئے اور یہ وڈیرہ شاہی کے چوغے کو اتار کر اپنی غریب رعایا کا خیال رکھتے ہوئے ان کے دکھوں کا مداوا کرنا چاہئے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق" تم میں سے ہر کسی سے اپنی رعایا کے بارے سوال کیا جائے گا" میرے ملک کے غریب طبقہ کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرے کیونکہ زندگی مسلسل کوشش اور تگ و دو کا نام ہے اور سکون موت ہے ویسے بھی فرمان باری تعالی کے مفہوم کے مطابق "انسان کو اس کی کوشش کے مطابق ہی ملتا ہے" اس لیے جب تک غریب طبقہ محنت کو اپنا شعار نہیں بنائے گا اس وقت تک تبدیل نہیں ہو سکے گا کیونکہ میرے ملک کے امراء کے پاس غریبوں کے لئے وقت نہیں ہے اور وہ انہیں منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتے اس لیے اگر غریب طبقے کو اگر اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہے تو اس کے لئے انہیں حکمرانوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے زور بازو پر انحصار کرنا چاہئے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

احوال پاکستان

دنیا کے نزدیک پاکستان بحرانوں کا شکار ہے، یہ دہشت گردی سے متاثرہ ملک ہے ،پاکستان کی عوام قابل رحم ہے کیونکہ یہ مشکلات کا شکار ہے اور پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ پاکستان کی عوام کو جتنی زیادہ خوشیاں، مسرتیں اور سکھ نصیب ہوتے رہتے ہیں جن کے بارے دنیا سوچ بھی نہیں سکتی۔ کیونکہ پاکستان کی عوام کا ہر دن عید کا دن اور ہر رات ،شب برات ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ پاکستانی عوام کو ہر وقت خوشیوں کو مواقع میسر آتے رہتے ہیں آپ میں سے اکثر سوچ رہا ہوں گے کہ ایسی کونسی مسرتیں ہیں جو پاکستانی عوام کو حاصل ہیں آپ زیادہ حیران نہ ہوں میں آپ کو اپنی ان خوشیوں کے بارے اور مسرتوں کے ان لمحات کے بارے بتانے لگا ہوں کہ جب ہم پاکستان کی عوام خوش ہوتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان میں لوڈشیڈنگ اور بجلی کا بحران ہے جب بجلی جاتی ہے اور کافی انتظار کے بعد جب لائٹ آتی ہے تو ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور مسرت سے یاہو کا نعرہ بلند کرتے ہیں لیکن جلد ہی پھر بجلی چلی جاتی ہے اور دوبارہ خوشی کا (بجلی آنے کا) انتظار شروع ہوجاتا ہے یہ

خوشی کے لمحات پاکستان میں رہنے والوں کو دن میں بار بار ملتے رہتے ہیں لیکن تھوڑے وقت کے لئے ،شاید اسی لیے کہا تھا۔

خوشی کے لمحے مختصر ہوتے ہیں کیوں
پنکھا ہی چلایا تھا کہ لائٹ چلی گئی

پاکستان کی عوام کو ایسی کئی قسم کی خوشیاں اور مسرتیں حاصل ہوتی رہتی ہیں جیسے پٹرولیم کی قیمتیں جب 10 روپے لٹر کے حساب سے بڑھ جاتی ہیں تو عوام انتظار کرتے ہیں کہ کب قیمتیں کم ہوں گی تو انہیں مسرتیں ملیں گی اور وہ خوشیاں منائیں گے آخر حکمران بھی عوام کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے وہ پٹرولیم کی قیمتوں میں 2 روپے کی کمی کرکے عوام کو خوشیاں منانے کا موقع فراہم کرتے ہیں اسی طرح کئی قسم کے خوشیاں پاکستانی عوام کی قسمت میں ہیں جیسے پٹرول ، سی۔این۔جی ،آٹا اور چینی کی قلت کے موقع پر جب قطار میں لگنے کے بعد انسان یہ چیزیں حاصل کرتا ہے تو اس کی خوشی کو یہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے میرے ملک کی عوام کافی خوش قسمت واقع ہوئے ہیں جو انہیں پاکستان جیسا ملک ملا ہے کچھ لوگ پاکستان کو چاند کی تشبیہ دیتے ہیں پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ ایسا پاکستان کی خوبصورتی کی وجہ سے ہے لیکن جب غور کیا تو پتا چلا کہ پاکستان اور چاند میں چند اور قدریں مشترک ہیں کہ جیسے یہ دونوں خوبصورت ہیں اور دونوں میں بجلی اور پانی بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمارے

چاند (پاکستان) کو سدا سلامت رکھے ،کچھ عرصہ قبل احوال پاکستان کے نام سے میں نے اک نظم لکھنے کی کوشش کی تھی جو آپ کی نذر کرتا ہوں

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
پورے ملک میں لوڈشیڈنگ عام ہوتی ہے
فرد واحد کرتا ہے یہاں قوم کے فیصلے
جمہوریت کے لبادے میں 'آمریت' عام ہوتی ہے
ٹریفک والے قومی خزانے سے بھرتے ہیں جیب
پورے ملک میں ٹریفک پھر بھی جام ہوتی ہے
پورا دن گرمی سے بچے بلکتے رہتے ہیں
ساری رات معصوموں کی نیند حرام ہوتی ہے
جھونپڑی والوں کے احوال حکمران کیا جانیں
ان کی زندگی تو اے۔سی کمروں میں رام ہوتی ہے
یہاں مہنگائی نے کمر توڑ دی غریب عوام کی
سانس لینا بھی یہاں مہنگے "دام" ہوتی ہے
مشکلات سے آکر تنگ بھاگ نکل ماجد
مجھ پر نازل اب روز مصائب و آلام ہوتی ہے

مجید نظامی اور مرد حر

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری کو لمبی جیل کاٹنے کے بعد جب رہائی ملی تو اس وقت میرے محترم جناب مجید نظامی نے انہیں 'مرد حر' کا خطاب دیا تھا لیکن اس وقت پاکستان کے سیاسی درجہ حرارت یوں بھی موسم کی طرح گرمی میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے کشمیر کے الیکشن نے ملک کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کر دیا ہے جس کی وجہ سے مسلم لیگ بھی حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کے لیے میدان میں کود پڑی ہے اور حکومت پر تنقید کر رہی ہے اس کے ساتھ دونوں طرف بیان بازی کے بھی تابڑ توڑ حملے شروع ہو چکے ہیں اور دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہیں اس سیاسی حرارت میں ہمارے صدر صاحب بھلا کہاں چپ رہتے، انہوں نے ایک تو میاں صاحب پر کڑی تنقید کی اور ساتھ میں ہمارے بزرگ صحافی جناب مجید نظامی کو مسلم لیگ (ن) کا سیاسی گرو قرار دیتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کے سیاسی گرو نے انہیں 'مرد حر' کا خطاب دیا ہے جس کی سختی سے تردید کرتے ہوئے جناب مجید نظامی صاحب کا کہنا ہے کہ وہ کسی کے سیاسی گرو نہیں ہیں لیکن ان کے شریف فیملی کے ساتھ تعلقات ہیں یہ تعلقات کوئی سیاسی نوعیت کے نہیں ہیں نہ ہی میرے کوئی سیاسی مقاصد ہیں اگر میرے سیاسی مقاصد ہوتے تو میں میاں

صاحب کی پاکستان کا صدر بننے کی پیشکش قبول کر لیتا، میں تو صرف قائدؒ و اقبالؒ کے افکار کے مطابق پاکستان کو جدید اسلامی ریاست بنانے کا خواہش مند ہوں صدر صاحب اگر کشمیر کو ہندو بنئے سے آزاد کروا دیں اور کالا باغ ڈیم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں تو وہ میرے مرد حر تو ہیں ہی سہی پوری امت مسلمہ کے بھی لیڈر بن جائیں گے ۔

جہاں تک یہ بات کی جاتی ہے کہ نوائے وقت مسلم لیگ کا اخبار ہے تو میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں لیکن ایک لمبے عرصے سے باقاعدہ قاری ہونے کی وجہ سے مجھے پتا ہے کہ یہ اخبار کسی مسلم لیگ (ن)، (ق) ، (عوامی) یا فنکشنل والوں کا نہیں بلکہ یہ اس پاکستان مسلم لیگ کا اخبار ہے جس کے قائد بانی پاکستان محمد علی جناح تھے اور انہی کے افکار کی پالیسی پر نوائے وقت آج بھی گامزن ہے اس اخبار کے ساتھ ساتھ جناب مجید نظامی صاحب نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے ذریعے نوجوانوں میں نظریہ پاکستان کی آبیاری بھی کر رہے ہیں ایک قاری کی حیثیت سے جتنا میں مجید نظامی صاحب اور ان کے اخبار کے متعلق جانتا تھا وہ لکھ دیا اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ان بزرگوں کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے جو حق کا علم بلند کرکے پوری دنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب

ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

ہماری مرد حر سے بھی گزارش ہے کہ ہندو بنئے سے کشمیر کو آزاد کروانے کے لئے کوئی اہم کردار ادا کریں اور کالاباغ ڈیم بنا کر اپنے نام کی لاج رکھ لیں جس سے میرے ملک کے چمن میں ہریالی کی لہر دوڑ جائے جیسے احمد ندیم قاسمی نے کہا تھا

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
جو پھول کھلے وہ کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کے گزرنے کی مجال نہ ہو۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

نوٹ: راقم کا نوائے وقت کے ساتھ صرف ایک قاری کی حیثیت سے تعلق ہے۔

فغان خرد

ایسے مجموعہ کلام کم نظر سے گزرتے ہیں جن میں پیغام امید بھی ہو، وحدانیت کی تلاش کا درس بھی ہو، رومانیت بھی ہو، شکوہ بھی ہو، جدائی کی کسک بھی ہواور جذبہ حب الوطنی بھی ہو۔ایسا ہی ایک مجموعہ کلام میری نظر سے گزرا جس کتاب کا نام " فغان خرد "یعنی عقل کی فریاد ہے کتاب کا عنوان بھی انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے اور انسان سوچ کے دریچوں میں گم ہو کر عقل سے فریاد کے متعلق پوچھتا ہے جس کے بارے 'فغان خرد 'میں ہے

فغان خرد صد گذارش کناں است <====> مقام خودی درد عشق حقیقت

بصد شوق جاں بتلائے پرستش <====> حضورِبتاں حیف پیر طریقت

عابد رضا شاہین کی شاعری فکر انگیز بھی ہے اس میں نصیحت کا پہلو بھی ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں

تاروں پہ کمندیں ہوں کہ چاند بھی ہو تسخیر

پاتال سے افلاک کی جانب کو اٹھا سوچ

اس خوبصورت مجموعہ کلام میں داغ مفارقت کا ذکر بہت اچھے انداز میں کیا گیا

اور موجودہ حالات کی بے ثباتی کو خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے جو قاری کو حقیقت کی دنیا میں لے جاتی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں

گلشن دل میں خشک سالی ہے <====> یار لوگوں کا ظرف خالی ہے

تم مجھے یہ بتاؤ اے یارو <====> کیوں کدورت دلوں میں پالی ہے

غیر تو غیر ہیں مگر اب تو <====> چال اپنوں کی بھی نرالی ہے

فغان خرد' میں مصنف کی الفاظ پر کافی گرفت ہے نپے تلے الفاظ قاری کو اپنے سحر میں' جکڑ لیتے ہیں ان کی شاعری میں رومانیت کا پہلو بھی نمایاں ہے جیسے وہ محبوب کی آنکھوں پر لکھتے ہوئے کہتے ہیں

غزل آنکھیں ،گلاب آنکھیں <====> ہیں میکدہ سی شراب آنکھیں

فقط حیا میں ہی ڈوب جائے <====> جو دیکھ لے ماہ تاب آنکھیں

ہر انسان کے اندر قدرت نے کچھ صلاحیتیں رکھی ہوتی ہیں جنہیں.بروئے کار لا کرانسان زندگی کے سفر کے زینے کامیابی سے طے کرتا ہے جہاں تک عابد رضا شاہین کی شاعری کی بات ہے تو یہ وصف اللہ تعالی کی طرف سے شروع ہی انہیں عطا ہوچکا تھا اس لیے انھوں نے اپنا پہلا شعر زمانہ طالبعلمی میں ہی کہہ دیا تھا جب وہ نویں کلاس کے طالبعلم تھے ان کی شاعری میں کافی گہرائی ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کردیتی ہے جیسے کہ

کون تھے ہم، کیا ہوئے ہیں اس کو تنہائی میں سوچ
کیا ہوئی وہ شان و شوکت جا کہ گہرائی میں سوچ
پیار کے مفہوم سے بے بہرہ ہیں لوگ
جیسے ہو خوشبوئے گل کی ایک صحرائی میں سوچ

عابد رضا شاہین پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں اور موجودہ حالات پر کڑی نظر رکھتے ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں

اے انسان کیا تیرے انسان ہوئے جاتے ہیں
شرف مخلوق تھے حیوان ہوئے جاتے ہیں
اک اک پائی کے محتاج مسلسل اب تو
کیوں یہ مزدور، یہ دہقان ہوئے جاتے ہیں

اور ایک جگہ وہ لکھتے ہیں

نہ منزلیں، نہ مسافر، نہ راستے محفوظ <====> پہنچ سکیں گے کبھی بھی نہ قافلے محفوظ
یہ جھونپڑی کو ترستی غریب کی اولاد <====> وہ کوٹھیوں میں ہیں بچے نوابوں کے محفوظ

اس خوبصورت مجموعہ کلام کو فکشن ہاؤس نے پبلش کیا ہے شاعر نے اپنی اس کتاب 'فغان خرد' کا انتساب ساکنان خلد بریں اپنے استاد محترم حضرت غضنفر روہت کی، والدہ محترمہ اور برادر فہیم شہید کے نام کیا ہے۔

پاک بھارت مذاکرات کب کامیاب ہوں گے؟

بھارت نے تسلیم کیا ہے کہ ممبئی حملوں کے بعد پاکستان سے مذاکرات نہ کرنا ہماری غلطی تھی 'بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے' آخر بھارت کو اپنی غلطی کا احساس ہو ہی گیا لیکن پوری دنیا جانتی ہے کہ جیسے نائن الیون امریکہ کا خود ساختہ ڈرامہ تھا اسی طرح ممبئی حملے بھی بھارت کا رچایا ہوا ایک ڈرامہ ہے یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ بھارت میں جب بھی کوئی دہشت گردی کی کاروائی ہوتی ہے تو اس کا الزام بلا سوچے سمجھے پاکستان پر تھوپ دیا جاتا ہے اور انڈیا کے میڈیا کی توپوں کا رخ پاکستان کی طرف ہو جاتا ہے اور بھارتی میڈیا پاکستان کو نشانہ بنانا شروع کر دیتا ہے ۔ یہاں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ پاک بھارت مذاکرات کامیاب کیوں نہیں ہوتے؟ کیا پاکستان اس میں سنجیدہ نہیں ؟ کیا بھارت صرف مذاکرات کو مذاق رات سمجھ رہا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو بنیا بغل میں چھری اور منہ میں رام رام والی پالیسی پر عمل پیرا ہے کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے آخر پاک بھارت تنازعات کی وجوہات کیا ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کئی وجوہات ہیں جو دو سب سے بڑی وجوہات ہیں ان میں ایک تو اہم وجہ مسئلہ کشمیر ہے جس پر بھارت نے اپنی فوجیں اتار کر غاصبانہ قبضہ جمایا ہوا ہے اور نہتے اور معصوم کشمیریوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے اور ان کے خون سے ہولی کھیل رہا

ہے دوسرا پاک بھارت تنازع کی اہم وجہ یہ ہے کہ بھارت نے پاکستان کے دریاؤں کا پانی روک رکھا ہے اور ان پر ڈیم بنائے جا رہا ہے یہاں پر اک سوال جنم لیتا ہے کہ اتنا زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ مذاکرات کامیاب نہیں تو کیا اب یہ مذاکرات کامیاب ہوں گے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہاں بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی، کیونکہ یہ کرتا ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ مذاکرات میں سنجیدہ ہے یا Depend بھارت پر نہیں۔ یہ مذاکرات اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک بھارت کشمیر سے اپنی فوجوں کو واپس بلا کر کشمیریوں پر ظلم و ستم کو ختم نہیں کرتا اور کشمیر میں رائے شماری کروا کر کشمیر کی منشا معلوم نہیں کرتا کیونکہ بھارت کو پتا ہے کہ کشمیری کل بھی پاکستان کے ساتھ تھے اور آج بھی ان کے دل پاکستان کے لئے دھڑکتے ہیں بھارت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے ویسے بھی کشمیر کو خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے اسے جنت نظیر کہا جاتا ہے

یاران جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

پاک بھارت اس وقت کامیاب ہوں گے جب بھارت ہٹ دھرمی چھوڑتے ہوئے پاکستانی دریاؤں پر اپنا حق جتانا بند کر دے گا اور ڈیم بنانا چھوڑ دے گا۔ یہ مذاکرات اس وقت تک مذاق رات ثابت ہوتے رہیں گے جب تک بھارت پاکستان کو دل سے تسلیم

نہیں کرے گا کیونکہ جب پاکستان بنا تھا تو اس وقت سرحدوں کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی کہ پاکستان جلد دوبارہ ہندوستان میں شامل ہو جائے گا لیکن ہندو بنیا بھول گیا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور یہ تا قیامت قائم رہے گا اگر بھارت پاکستان کے ساتھ مذاکرات میں سنجیدہ ہے تو اسے دہشت گردی کے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر اور پانی کے مسئلہ کو بھی اپنے ایجنڈے میں شامل کرنا چاہیے تب جا کر یہ مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں ویسے نہیں۔ کیونکہ پاک بھارت مذاکرات اسی لئے ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے کہ بھارت کی طرف سے انہیں کبھی سنجیدہ نہیں لیا گیا شاید اسی لئے یہ مذاکرات ،مذاق رات بن رہے ہیں۔

ضلع میانوالی کی آواز

گولیوں کی تڑتڑ، دوڑتے ہوئے لوگوں کی آوازیں، پولیس کا لاٹھی چارج، نعروں کی گونج، جلتی گاڑیاں، آگ کے شعلے، اور زخمیوں کی کراہیں کسی میدان جنگ کا منظر پیش کر رہی ہیں یہ ضلع میانوالی کا جہاز چوک ہے جہاں 4 جولائی کو تحریک حقوق میانوالی کی کال پر بجلی کے بحران اور لوڈ شیڈنگ کے خلاف ایک تاریخی احتجاج ہوا۔اس احتجاجی دھرنے کی تیاریاں ایک ماہ قبل ہی شروع ہو گئیں تھیں اس دھرنے کے لئے اشتہارات، بینرز کے ساتھ موبائل میسیجز چلائے گئے میرا تعلق چونکہ میانوالی سے ہے اس لئے مجھے بھی وقتاً فوقتاً میسج موصول ہوتے رہے جو کہ کچھ اس طرح سے ہیں

"اگر 4 جولائی تک ضلع میانوالی میں لوڈشیڈنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تو پھر میانوالی کی بجلی اسلام آباد نہیں جائے گی (تحریک حقوق میانوالی)"

"4 جولائی کو میانوالی میں بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خلاف ریلی نکالی جائے گی اگر میانوالی کی بجلی میانوالی کے لئے نہیں تو اسلام آباد کے لئے بھی نہیں ہونی چاہئے ریلی میں شامل ہو کر اپنے حق کے لئے آواز اٹھاؤ کیونکہ زمین ہماری، دریا ہمارے تو بجلی پر پہلا حق بھی ہمارا ہے (تحریک حقوق میانوالی)

کچھ اس طرح کے میسیجز مجھے موصول ہوتے رہے میں اس لئے انہیں نظر انداز کرتا رہا کہ مصروفیات میں سے اس گرمی کے عالم میں احتجاجی دھرنے میں کون شریک ہوگا میری یہ خام خیالی رہی کہ احتجاج میں چند سو لوگ ہی شریک ہوں گے لیکن 4 جولائی کو ضلع میانوالی کی تاریخ کا اتنا بڑا احتجاجی دھرنا دیکھنے میں آیا جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا جہاز چوک پر عوام کافی تعداد میں اپنے حق کی آواز اٹھانے کے لئے اکٹھے ہوئے جن کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں میں تھی 4 جولائی کو میانوالی کا جہاز چوک میانوالی کی عوام کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہا تھا اور اس احتجاجی دھرنے نے ٹائم سکوائر کے احتجاج کی یاد دلا دی ضلع میانوالی ایک پسماندہ ضلع ہے اور ایک کثیر تعداد کا اپنے حقوق کے لئے اکٹھے ہونا کافی غور طلب ہے کہ اگر عوام کو ان کا حق نہ دیا جائے گا تو وہ اپنا حق چھیننے کی کوشش کریں گے یہاں یہ بات بھی سوچنے والی ہے کہ جس ضلع میں بجلی پیدا کی جارہی ہو وہاں بجلی کا بحران کیونکر ہونا چاہئے شاید اسی وجہ سے میانوالی کی عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اسی لئے ان کا حکومت کو یہ کہنا کہ ہم پر بہت ظلم ہو چکا اور مزید یہ ظلم سہنے کی ہم میں ہمت نہیں ۔اس احتجاجی دھرنے میں ایک عجیب اتفاق بھی دیکھنے میں آیا کہ تمام جماعتوں کے سیاسی ورکر، وکلاء، تاجر، برادری، ٹرانسپورٹر اور مزدور طبقہ کے لوگ اپنے اختلافات بھلا کر ایک ہو گئے ان سب لوگوں کا اپنے حق کی آواز کے لئے اکٹھے ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے

کہ عوام تبدیلی چاہتے ہیں اور حکومت کو بھی اس احتجاج کا نوٹس لینا چاہئے کہ اگر عوام کوان کا حق نہ ملا تو بعید نہیں کہ یہ حکمران طبقہ کا گھیراؤ کریں میانوالی کے اس پر امن احتجاج کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کا لاٹھی چارج،شیلنگ اور فائرنگ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے جس سے بھگدڑ مچ گئی اور 6 بندے جاں بحق ہونے کے ساتھ ساتھ بیسیوں افراد زخمی ہو گئے

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی
دوڑو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا

میانوالی سے تبدیلی کی ہوا چل پڑی ہے میانوالی کے شہداء کا خون رنگ لائے گا یہ حکمران طبقہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر وہ عوام کے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل نہیں کریں گے تو مشتعل عوام قانون کو ہاتھ میں لیتے رہیں گے احتجاج ہوتا رہے گا، عوام دھرنا دیتے رہیں گے ،جلاؤ گھیراؤ ہوتا رہے گا، خون بہتا رہے گا عوام قربانیاں دیتے رہیں گے اور انقلاب کی راہ ہموار ہوتی رہے گی۔

کہتا ہوں بات حق کی انداز مرا نرالا ہے
جاگو حکمرانوں، عوامی انقلاب آنے والا ہے

اے قائدِ اعظم تیرے شہر کا حال سناؤں کیسے

لوگ ڈر کے مارے دوڑ رہے ہیں، ان کے چہروں پہ ڈر، خوف اور سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے، فائرنگ کی آوازیں آ رہی ہیں، ایمبولینسوں کا شور سنائی دے رہا ہے، جا بجا آگ کے شعلے بلند ہیں، گلیوں میں خون بہہ رہا ہے، موت کے ہرکارے ہر سُو موت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں،گاڑیاں اور پٹرول پمپ جل رہے ہیں، فضا میں بارود کی بو پھیلی ہوئی ہے، موت کا وحشیانہ رقص جاری ہے، ایک آہ و بکا اور چیخ پکار سنائی دے رہی ہے ہو کا عالم ہے، رونقیں غائب ہو چکی ہیں، سڑکیں سنسان ہیں، کفن کی دکانوں پر رش لگا ہوا ہے لاشیں گر رہی ہیں ہنگامے اور لوٹ مار کسی میدان جنگ کا منظر پیش کر رہے ہیں، معصوم اور بے گناہ شہری اپنے ہی خون میں نہلا رہے ہیں انسانیت دم توڑ رہی ہے یہ ابتر صورتحال ہو چکی ہے عروس البلاد کراچی کی، شہر کی روشنیاں ماند پڑ چکی ہیں، قہقہے اور مسرتیں بھی رخصت ہو چکی ہیں کراچی کے صورتحال کو کچھ عرصہ قبل میں نے اس طرح لکھا تھا۔

اے قائدِ اعظم تیرے شہر کا حال سناؤں کیسے
قتل وغارت، لوٹ مار،جنگ ہو رہی ہو جیسے
خون بہ رہا ہے گلیوں اور بازاروں میں
آگ لگی ہے عمارتوں اور کاروں میں

لوگ مر رہے ہیں چوک وچوراہوں میں
آتشی شعلے ہیں گاڑیوں اور راہوں میں

کچھ سمجھ نہیں آتا کہ شہر قائد کو کیا ہو گیا ہے؟ اس روشنیوں کے شہر کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟ عروس البلاد کراچی میں خوف وہراس کون پھیلا رہا ہے؟ یہ تڑپتے لاشے کس کے ہیں؟ معصوموں کے خون سے یہ ہولی کھیلنے والے کون سے عناصر ہیں؟ یہ بے گناہ اور معصوم زخمیوں کی کراہیں اور لاشیں ہم سے سوال کر رہی ہیں۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

کراچی کو منی پاکستان بھی کہتے ہیں اس میں ہر نسل سے اور پاکستان کے ہر علاقے سے تعلق رکھنے والے لوگ رہائش پذیر ہیں شہر قائد کو پاکستان کی اقتصادی شہ رگ کہتے ہیں کیونکہ پاکستان کی 70 فیصد انکم بالواسطہ یا بلاواسطہ کراچی ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے پاکستان کو معاشی لحاظ سے کمزور کرنے کے لیے ایک عالمی سوچی سمجھی منظم سازش کے تحت فسادات میں اور دہشت گردی کی جنگ میں جھونکا جا رہا ہے کبھی مذہبی فرقہ ورایت کو ہوا دے کر خون کی ندیاں بہائی جاتیں ہے، کبھی سیاسی کشمکش اور بیان بازی سے حالات مخدوش

کیے جاتے ہیں تو کبھی لسانیت کے نام پر ایک دوسروں کو لڑا کر معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے یہ وہ ملک دشمن عناصر ہیں جو نہیں چاہتے کہ پاکستان ترقی کی شاہراہ پہ گامزن ہو اس لئے وہ ملک کی اقتصادی شہہ رگ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہ ظلم دیکھ کر اور خون بہتا دیکھ کر اب تو کراچی کے در و دیوار بھی پکار اٹھے ہیں

خدا کے لئے رحم کرو، بس کرو، بس کرو۔

کراچی کی حالات پر حکمران طبقہ کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں، علمائے کرام، اور سماجی شخصیات کو ایک لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا اور عروس البلاد کراچی کے امن و امان کے لئے کردار ادا کرنا ہوگا تاکہ پھر سے شہر قائد کی روشنیاں اور رونقیں لوٹ آئیں، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

کیا پاکستان ترقی نہیں کر سکتا؟

پاکستان کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔اس ملک میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی، کیونکہ پاکستانی قوم صرف تبدیلی کی باتیں کرتی ہے کوئی عملی اقدامات نہیں کرتی۔جب کرپشن کا دور دورہ ہو ،بدامنی کا راج ہو، ظلم کے بازار گرم ہوں ، قوم کا خون ارزاں ہو چکا ہو، تو اس وقت تبدیلی کی باتیں کرنا بھی اچھی لگتی ہیں اور سننا بھی اچھی لگتی ہیں لیکن تبدیلی صرف باتوں سے نہیں آئے گی عمل سے آئے گی اس لئے میدان عمل میں آ کر اپنے آپ کو بھی تبدیل کریں اپنے ارد گرد کو تبدیل کریں اپنے ماحول اور معاشرے کو بھی تبدیل کریں لیکن اس کے لئے آپ کو محنت کرنا ہو گی قربانی دینا ہو گی چینج کرنے کے لئے وقت نکالنا ہو گا شاید تب جا کر تھوڑی بہت تبدیلی آپ کو دیکھنے کو مل جائے لیکن میرا ذہن پھر بھی اس بات کو قبول نہیں کرتا ، کیونکہ پاکستان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتااور تبدیل نہیں ہو سکتا جب تک میرے ملک کے غریب طبقے اور مڈل کلاس کے لوگوں کو اپنے حقوق کے لئے اور مطالبات کے لئے اپنی نمائندگی کرنے نہیں دی جاتی ، پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان کی اسمبلیوں میں صرف وہ لوگ نمائندگی کر سکتے ہیں جن کے بینک بیلنس ہوں جن کے پاس گاڑیاں ، کوٹھیاں اور جائیدادیں ہوں اور جو الیکشن کے اخراجات.برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہوں، غریب طبقہ جن کے پاس پیٹ بھرنے کے لئے دو

وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ، وہ کیسے الیکشن کے اخراجات برداشت کریں گے اور جہاں تک مڈل کلاس طبقے کی بات ہے تو مشکل سے اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہیں وہ الیکشن کے بکھیڑوں میں کیونکر پڑیں گے ۔لے دے کہ وہی وڈیرے اور امیر طبقہ ہی ہماری قسمتوں کے فیصلے کرنے کے لئے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر سے ہمارا رونا شروع ہو جاتا ہے کہ پاکستان سے کرپشن کیسے ختم ہو گی؟ ہم کب ترقی کریں گے ؟ یہ کرپٹ نظام کب تبدیل ہو گا؟ پاکستان کی کچھ سیاسی جماعتیں الیکشن کے دنوں میں یہ کہتے ہوئے سنائی دیتی ہیں کہ وہ اقتدار میں آ کر اس کرپشن زدہ نظام کو تبدیل کر دیں گی انصاف کا بول بالا کریں گی غریبوں کے دکھ درد کر دیں گی اس ملک میں ہریالی آ جائے گی وغیرہ وغیرہ، لیکن جب وہ اقتدار کے ایوانوں میں پہنچتی ہیں تو سب وعدوں اور سب باتوں کو بھول کر اقتدار کے مزے لینا لگ جاتے ہیں، میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر کچھ سیاسی جماعتیں واقعی پاکستان کے ساتھ مخلص ہیں ،اس کرپٹ نظام کا خاتمہ چاہتی ہیں اور پاکستان میں مثبت تبدیلی لانا چاہتی ہیں تو انہیں وڈیرہ شاہی اور وی ۔آئی۔پی کے کلچر کو ختم کرتے ہوئے سادگی کو فروغ دیتے ہوئے غریب اور مڈل کلاس کے طبقہ کے اہل لوگوں کو پارٹی کا ٹکٹ دینا چاہئے یہاں پر الیکشن کمیشن آف پاکستان کو بھی کچھ ایسی ٹرمز تشکیل دینا چاہیئں کہ جس سے غریب اور مڈل کلاس طبقہ آگے آ سکے اور اپنی آواز بلند کر سکے۔ویسے بھی کسی ملک میں ترقی کا راز اس کے نوجوانوں سے وابستہ ہوتا ہے اور پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ

پاکستان میں نوجوان نسل کا تناسب کافی زیادہ ہے اس لیے تمام مکاتب فکر کو چاہئے کہ وہ نوجوانوں کو آگے آنے کے مواقع فراہم کریں۔اگر عوام بھی چاہتے ہیں کہ ہم تبدیل ہو جائیں یہ کرپشن زدہ نظام ختم ہو جائے تو اس کے لئے ہمیں خود کو بدلنا ہو گا اور اپنی اصلاح کرنا ہو گی کیونکہ جیسے ہم ہوں گے ویسے ہی ہمارے حکمران ہوں گے آج کے دگرگوں اور مخدوش حالات دیکھ کر ہم قصوروار صرف حکمرانوں کا نہ ٹھہرایں بلکہ اس میں غلطی ہماری بھی ہے ہم بھی اس نظام میں برابر شریک ہیں، آخر میں قارئین سے میرا سوال ہے کیا پاکستان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتا ہے؟کیا پاکستان کا یہ کرپشن زدہ نظام تبدیل ہو سکتا ہے ؟اگر آپ کے ذہن میں ایسی کوئی ترکیب ہے تو ہمیں بھی بتائیں اور اپنی زندگی میں لاگو کریں تاکہ میرے پیارے پاکستان کے چمن میں خزاں کا دور ختم ہو اور بہار آجائے۔

نوٹ:آپ مجھ سے Facebook پر awamkisoch@yahoo.com کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

فلاحی تنظیمیں حکمرانوں کی توجہ کی طالب ہیں

پاکستان میں مخلص،ایماندار، محنتی اور ٹیلنٹڈ لوگوں کی کمی نہیں ۔ہمارے ملک میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کے دکھوں کو بانٹنے کی کوشش کرتے ہیں اورپاکستان میں ایسے انسان بھی بستے ہیں جو غریبوں کے کام آنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں شاید شاعر مشرقؒ نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا تھا

ہیں لوگ وہیں جہاں میں اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے

میرا ان باتوں پر یقین اس وقت اور بڑھ گیا جب میں نے شاہین اختر شاہین سے ملاقات کی ، ٹھہریں پہلے میں آپ کو اس ملاقات کا پس منظر بتا دوں کہ یہ کیسے اور کیونکر ہوئی ۔بات یہ ہے کہ ہمارے ایک دوست کالم نگار محمد وجیہ السماء نے ایک کالم ’نام نہاد فلاحی تنظیموں کے خلاف کاروائی کی جائے‘ میں انہوں نے لکھا کہ ان تنظیموں کے خلاف کاروائی کی جائے جو باہر سے امداد لے کر اپنی تشہیری مہموں کے لئے لگاتی ہے جو کہ ملک کی بدنامی کا باعث بھی ہیں اوران تنظیموں پر بھی دھبہ ہیں جو حقیقت میں ورک کر رہی ہیں ہیں وجیہ السماء صاحب

نے کافی خوبصورت انداز میں یہ آرٹیکل لکھا تھا اس کالم کو پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ ہمیں ایسی تنظیموں اور این۔جی۔اوز کا بھی ذکر کرنا چاہیۓ جو اپنی مدد آپ کے تحت پاکستان کے فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہیں کیونکہ راقم بھی ایک چھوٹی سی تنظیم 'عکس ویلفیئر ٹرسٹ' کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہا ہے اور ہمیں ایسی فلاحی تنظیموں کا بھی کھوج لگانا چاہیۓ جو کل تک اپنی مدد آپ کے تحت کام کرتی رہی ہیں اور آج منظر سے غائب ہیں ایسی ہی کھوج لگاتے ہوئے میں "بزم شاہین" تک جا پہنچا جو کہ ایک خاتون شاہین اختر شاہین نے 1987ء میں بنائی تھی اور جسے 1991ء میں رجسٹرڈ کروایا گیا تھا جس کے تحت بچوں کے لئے سکولز پروگرام ، بہبود خواتین کے لئے ہوم انڈسٹریل کا قیام اور اقبالؒ کے افکار کو پھیلانا تھا یہ سب پروگرام "بزم شاہین" کے تحت کامیابی سے چل رہے تھے جس پر اس وقت کی حکومت نے 1994ء میں 8 کنال کی اراضی کا الاٹمنٹ لیٹر بزم شاہین" کی چیئرپرسن شاہین اختر شاہین کو بھجوایا تھا جو کسی وجہ سے انہیں وقت پر" نہ مل سکا اور وہ 8 کنال کی اراضی بھی نہ مل سکی لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اپنے مشن کو جاری رکھا 'بزم شاہین' کے تحت پروگرام چلتے رہے اس سارے عرصے میں گورنمنٹ کی جانب سے بزم شاہین کو صرف تین ہزار روپے فنڈ کی مد میں ملے لیکن اس مشن کو چلانے کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی اس کے لئے محترمہ شاہین اختر نے اپنے زیورات اور جمع پونجی کو استعمال میں لانا شروع کر دیا تاکہ یہ پروگرام کامیابی سے چلتے رہیں ، غریب خواتین کے چولہے بھی

جلتے رہیں، نادار اور مستحق بچے بھی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوتے رہیں اور ہر کہیں اقبالؒ کے افکار کی روشنی سے لوگ استفادہ حاصل کرتے رہیں جو سفر انہوں نے "بزم شاہین" کے پلیٹ فارم سے شروع کیا تھا وہ 2008ء تک جاری رہا، اس سارے دورانیے میں محترمہ کو کئی طرح کے نشیب و فراز دیکھنے پڑے لیکن باہمت خاتون نے کافی دلیری سے حالات کا مقابلہ کیا 2008ء میں میڈم شاہین اختر شاہین کے پاس سرمایہ بھی ختم ہو گیا اور عمر کے ساتھ ہمت بھی جواب دے گئی لیکن ان کا جذبہ آج بھی کچھ کرنے کو بے تاب ہے 55 سالہ شاہین اختر جب اپنی تنظیم "بزم شاہین" کے بارے بتا رہی تھی اور تمام تقریبات کی تصویریں مجھے دکھا رہی تھی تو میں سوچ رہا تھا کہ پاکستان میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حالات کا دھارا موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور کچھ کرنے کو بے تاب رہتے ہیں، اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو ان گوہر نایابوں کے بارے سوچنا چاہئے جو ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر حالات کی سختیوں کے باوجود ملکی مفاد کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں خادم اعلیٰ صاحب وینا ملک جیسی آزاد خیال اداکارہ کو تو تھوڑا سا سوشل ورک کرنے پر سرٹیفیکیٹ دے دیتے ہیں اور میڈم شاہین اختر شاہین جن کی پوری زندگی قربانیوں سے عبارت ہے اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟ میں حکمران طبقہ سے التماس کرتا ہوں کہ 'بزم شاہین' کو الاٹ شدہ 8 کنال کی اراضی دلوا کر اس پر ایک سکول ہی تعمیر کروا دیں، ویسے بھی خادم اعلیٰ صاحب تعلیم

دوست انسان ہیں اسی لیے انھوں نے دانش سکول کو فروغ دینے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں خادم اعلیٰ صاحب اپنی ٹیم میں ایسے مخلص، محنتی اور تجربہ کار لوگوں کا شامل کرنا چاہیے جس سے ایک تو ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو گی اور دوسرا آپ کا خواب پڑھا لکھا پنجاب شرمندہ تعبیر ہو گا۔انشاء اللہ عید الفطر کے بعد محترمہ شاہین اختر شاہین کے ساتھ "بزم شاہین" اور "عکس ویلفیئر ٹرسٹ "کے زیر اہتمام ادبی سرگرمیاں شروع کئے جارہے ہیں جو اس میں حصہ لیناDebate Compition اور بچوں کے لئے پر میل کر دیں۔اللہ ہم سبawamkisoch@yahoo.com چاہے وہ اپنی انفارمیشن کا حامی و ناصر ہو۔۔

ادھ کھلا گلاب کا پھول

حافظ محمد مظفر محسن کی ایک تصنیف "ادھ کھلا گلاب" زیر مطالعہ ہے جب میں نے کتاب کا ٹائٹل پڑھا تو مجھے لگا کہ حافظ صاحب نے کوئی اپنے اوپر ہی پوری کتاب لکھ دی ہے کیونکہ حافظ صاحب ایسی انوکھی اور مزاحیہ تحریریں لکھتے رہتے ہیں ان سے ایسا بعید بھی نہیں تھا کہ اپنے گلابی گالوں کی وجہ سے کتاب کا عنوان ہی ادھ کھلا گلاب رکھ دیا لیکن ان کا چہرہ تو پورا گلاب ہوتا ہے ادھ کھلا نہیں ہوتا،اس لئے اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے قیاس کرنے لگا کہ شاید حافظ صاحب نے کسی حسینہ دلربا کو دیکھ کر کوئی رومانٹک ناول لکھ دیا ہوگا کہ جس میں کسی حسینہ کی بالوں کی لٹ اس کے خوبصورت چہرے پر آرہی ہوگی اور اس کے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا ہوگا اور حافظ صاحب نے اسے ادھ کھلے گلاب سے تشبیہ دیتے ہوئے پوری کتاب لکھ دی ہو لیکن یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ مظفر محسن صاحب نے اس کتاب کا نام ادھ کھلا گلاب کیوں رکھا وہ اس لیے کہ آپ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو طنزومزاح سے آپ کے چہرے پر شفق کے سے رنگ پھیلتے چلے جاتے ہیں آپ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیتے ہیں اور دبی دبی سی ہنسی نکل جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ آپ مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں اور کوئی سنجیدہ مزاح کا پتہ پوری تحریر پڑھنے کے بعد چلتا ہے تو اس وقت جب آپ ہنسی روکنے کی ناکام سی کوشش کرتے ہیں

تو چہرے پہ لالگی سی آجاتی ہے اور چہرے کا رنگ ہلکا سا گلابی سا ہو جاتا ہے شاید اسی وجہ سے مظفر محسن صاحب نے اپنی اس تصنیف کا نام ادھ کھلا گلاب رکھا ہو یہ تو ہیں ہماری قیاس آرائیاں،اصل بات تو حافظ صاحب کو پتا ہو گی کہ اپنی تصنیف کا نام ادھ کھلا گلاب کیوں رکھا ہے وہ ہم جس دن ان سے ملیں گے تو پوچھیں گے ضرور، لیکن آپ کو نہیں بتائیں گے کیونکہ یہ بات حافظ صاحب خود اپنے قارئین کو بتائیں گے۔

جہاں تک حافظ مظفر محسن صاحب کا اور میرے تعلق کی بات ہے تو یہ تعلق کافی پرانا ہے یہ بات پڑھ کر ایک بار تو حافظ صاحب بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ میرا ان سے تعلق کب ہوا جو پرانا بھی ہو گیا کہ ابھی تک ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی ، حافظ صاحب پریشان نہ ہوں آپ کو تجسس اور سسپنس سے نکال لیتے ہیں کہ میں آپ کی تحریریں بڑی شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ کا فین بھی ہوں لیکن آپ کو ابھی تک بتایا اس لئے نہیں تھا کہ کہیں آپ اور پھول نہ جائیں ،چونکہ ہمیں آپ کی صحت عزیز تھی اس لیے آج تک یہ بات آپ کو بتانے کی زحمت نہیں کی تھی آج بتا دیا ہے تواب صرف خوش ہونا، خوشی سے سوجھ ہی نہ جانا کیونکہ زیادہ پھولنا آپ کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔

حافظ صاحب کی یہ تصنیف ہم پڑھ بھی رہے ہیں ہنس بھی رہے ہیں اور اپنے علم

میں اضافہ بھی کر رہے ہیں حافظ صاحب نے اپنی کتاب کے شروع میں جو "ادھ کھلا گلاب" کے بارے لکھا ہے وہ آپ بھی پڑھیں

ادھ کھلا گلاب کا پھول
ہاتھ میں تھمایا جب
ناک سے لگایا جب
زندگی حسیں لگی
بہت دلنشیں لگی
ادھ کھلا گلاب مجھے
دے کے اس نے فرمایا
مفت یہ نہیں آیا
دے کہ اک پچاس کا نوٹ
پہلے مجھ کو فارغ کر
بعد میرے جانے کے
ناک سے لگا لینا
چاہے دل تیرا اگر
ناک میں گھسا لینا
ادھ کھلا گلاب کا پھول

رائے ونڈ تبلیغی مرکز اور ہمارے وزیر داخلہ

ہمارے وزیر داخلہ جناب عبدالرحمان ملک صاحب نے کہا ہے کہ رائے ونڈ تبلیغی مرکز دہشت گردی کی اور انتہا پسندی کی پرورش گاہ ہے لیکن ہم ان کے اس بیان پر چونکے نہیں ، یہ بات نہیں ہے کہ ہم رحمان ملک کے اس بیان سے اتفاق کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ عبدالرحمان ملک اس طرح کے بیانات دیتے رہتے ہیں اس سے پہلے وکی لیکس نے بھی تبلیغی جماعت کے بارے میں اس طرح کے انکشافات کئے تھے تو اس وقت راقم بھی تین دن کے لئے تبلیغی جماعت کے ساتھ گیا تھا تو جو حقیقت مجھ پر آشکارا ہوئی تو وہ کچھ اس طرح ہے کہ یہ جماعت انتہائی منظم طریقے سے اسلام کو پھیلا رہی ہے تبلیغی جماعت کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے اور دنیا کا ہر انسان اللہ کا فرمانبردار اور اس کے حبیب ﷺ کے فرمان پر چلنے والا بن جائے ۔جہاں تک رائے ونڈ مرکز کی بات ہے تو رحمان ملک صاحب کو ایک بار اس کا دورہ کرنا چاہئے کہ وہاں کس طرح نظام چل رہا ہے کیونکہ جب پہلی بار راقم بھی تبلیغی مرکز میں گیا تھا تو اس کے انتظامات دیکھ کر کافی متاثر ہوا تھا کیونکہ وہاں ہزاروں افراد کا مجمع ہر وقت موجود رہتا ہے جو کہ مختلف شہروں سے ہی نہیں بلکہ کئی ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہاں اتنے سارے لوگوں کا انتظام سنبھالنا کوئی معمولی

بات نہیں ہے اسی وجہ سے میں نے وہاں کی انتظامیہ سے ملنا چاہا تو پتا چلا کہ یہ سب انتظام انہیں خود بھی معلوم نہیں کہ کیسے ہو رہے ہیں اور کون کروا رہا ہے مکینیکل تندوروں سے روٹیاں پک رہی ہیں پانی اور بجلی کا بہترین انتظام ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس پورے مرکز میں راقم کو کہیں بھی چندے کی اپیل کا کوئی بورڈ نظر نہیں آیا تبلیغی جماعت والوں اپنے خرچے پر کندھے پر بستر ڈالے گھر گھر جا کر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان پہنچاتے نظر آتے ہیں اور کوئی اختلافاتی بات بھی نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ آپس ہیں جوڑ پیدا کرو۔

ہمارے وزیر داخلہ صاحب اکثر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ اکثر مدرسے مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دے رہے ہیں پاکستان میں اسلام کو بدنام کرنے کی سازش شروع ہو چکی ہے ملّا کو مذہبی انتہا پسند کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے داڑھی جو کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی مبارک سنت ہے اس کے رکھنے والوں کو دہشت گرد گردانا جا رہا ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو حاصل تو اسلام کے نام پر کیا تھا اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح اس پیارے ملک کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہ رہے تھے لیکن افسوس آج ہم ان کے فرمان کو بھول گئے ہیں ویسے رحمان ملک صاحب کو شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے اس فرمان کو پڑھنا چاہیے جس میں انہوں نے کہا ہے "ان مکتبوں کو اسی حال میں

رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر برصغیر کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا۔ جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمرا کے نشانات کے سوا وہاں اسلام کے پیرو اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا"

رہی بات رائے ونڈ تبلیغی مرکز کی، کہ وہ دہشت گردی کی پرورش گاہ ہے تو اس کے لئے رحمان ملک کا کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ سمجھ رہے ہوں گے زرداری صاحب نے نواز شریف کو مولوی کا خطاب دیا ہے تو شاید نواز شریف صاحب رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں درس کے لئے جاتے ہوں گے شاید اس لیے انھوں نے اس مرکز کو دہشت گردی کی پرورش گاہ قرار دیا ہے لیکن ملک صاحب ہماری مانیں تو وہ بھی رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں جایا کریں ایک تو ان کی انفارمیشن میں اضافہ ہوگا اور دوسرا سورۃ اخلاص بھی سیکھ لیں گے۔۔۔

کس کو سناؤں؟ کس سے کہوں؟

کس پر لکھوں اور کیا لکھوں؟ کراچی میں گرنے والے خون کی بات کروں ؟یا پھر بلوچستان میں ہونے والی خونریزی پر لکھوں؟یا شمالی علاقہ جات میں بہتی خون کی ندیوں کی بات کروں ؟سوچتا ہوں اپنے ان معصوم شہریوں کے قتل ناحق پر لکھوں جو حیرت میں ڈوب کر یہ صدا لگا کر موت کو گلے لگا رہے ہیں

جانے کس جرم کی سزا پائی ہے

کبھی جی چاہتا ہے شمالی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملوں میں معصوموں کی لاشوں کی فریاد کو لکھوں جن کی لاشوں سے برابر یہ صدا آرہی ہے کہ

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں

سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

کبھی ذہن میں یہ خیال کلبلاتا ہے کہ ان بیواؤں اور یتیموں کے نوحوں کو بیان کروں جن کے مجازی خدا اس دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں ،جن کے خاندان کے واحد کفیل بھی اس ظلم کی چکی میں پس چکے ہیں اور دہشت گردی نے جن کے والدین کو ان سے جدا کر دیا ہے لیکن قلم ان دکھوں ،ان صداؤں کو،ان کراہوں کو، ان

غموں اور نوحوں کو لکھنے سے قاصر ہے یہ تو وہ خود جانتے ہیں جن پر یہ حالات و واقعات بیتتے ہیں ہم تو صرف قیاس آرائیاں کر سکتے ہیں ، کبھی سوچتا ہوں مہنگائی کے اس طوفان کے بارے لکھوں جن سے پاکستان کی غریب عوام دوچار ہے اور مہنگائی کا جن قابو سے باہر ہوچکا ہے کبھی بجلی کے بحران پر لکھنے کو دل مچلتا ہے کہ جس سے پاکستان کی غریب عوام اعصابی کمزوری میں مبتلا ہو رہی ہے کبھی بڑھتی ہوئی بے روزگاری پر لکھنے کو قلم مچلتا ہے تو کبھی خودکشیوں میں اضافے پر لکھنے کو دل کرتا ہے لیکن ان سب دگرگوں حالات کے ذمہ دار کون ہیں ؟؟؟سب یہی کہیں گے کہ یہ کرپٹ نظام اور ہماری حکومت اس خرابی کی ذمہ دار ہے لیکن نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے اس میں ہم سب برابر کے شریک ہیں کیونکہ جیسے عوام ہوں گے ویسے ہی حکمران ہوں گے لیکن حکمران طبقے کو اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہئے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق "تم سے تمہاری رعیت کے بارے سوال کیا جائے گا" حکمران طبقہ کو ان خراب حالات کا نوٹس لیتے ہوئے کوئی حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی اور عوام کے دکھوں کا ازالہ کرنا ہوگا کیونکہ یہ آپ کا فرض بھی ہے اور ذمہ داری بھی ہے جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے بھیس بدل کر راتوں کو گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے اسی طرح ایک رات وہ اپنے غلام اسلم کے ساتھ گشت کر رہے تھے کہ انہیں ایک جگہ آگ جلتی نظر آئی وہ اس طرف چل دیئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ چند بچے رو رہے ہیں اور ایک بڑھیا نے دیگچی کے نیچے آگ جلائی ہوئی ہے

عمرؓ نے پوچھا کہ بچے کیوں رو رہے ہیں تو بڑھیا نے جواب دیا کہ یہ بھوک سے رو رہے ہیں اور میں نے انہیں بہلانے کے لیے دیگچی میں پانی ڈالا ہوا ہے تاکہ انہیں تسلی رہے اور یہ انتظار کرتے کرتے سو جائیں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ نے امیرالمومنین کو کیوں نہیں بتایا تو بڑھیا نے جواب دیا کہ عمرؓ ہمارے امیرالمومنین ہیں انہیں ہماری خبر رکھنی چاہئے۔ بڑھیا کی اس بات پر عمرؓ نے جواب دیا بھلا عمرؓ کو تیرے حال کی کیا خبر ہے جو وہ تیری خبر گیری کرتا، یہ سن کر بڑھیا نے کہا کہ وہ امیرالمومنین ہیں انہیں ہمارے حال کی خبر رکھنی چاہئے، یہ سن کر حضرت عمرؓ گھر آئے ایک بوری میں ضرورت کا سارا سامان ڈالا اور اسے اچھی طرح بھر دیا پھر اپنے غلام اسلم کو کہا کہ یہ میری پیٹھ پر رکھ دے غلام نے کہا امیرالمومنین میں اٹھا دیتا ہوں اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ قیامت کے روز بھی میرا بوجھ تو ہی اٹھائے گا چنانچہ بوری اٹھائے وہ بڑھیا کے پاس پہنچے خود آگ جلائی پھر ان کے لئے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا پھر انہیں کھلایا بھوک مٹ جانے پر بچے ہنستے اور شرارتیں کرنے لگے عمرؓ انہیں مسکراتا دیکھ کر خود بھی مسکرا دیئے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو بڑھیا نے کہا کہ تو ہی اس لائق ہے کہ عمر کی جگہ تجھے امیرالمومنین ہونا چاہئے جس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تو امیرالمومنین کے دربار آئے گی تو مجھے بھی وہاں دیکھ لے گی۔

یہ تھے ہمارے اسلاف، ہمیں ان سے سبق سیکھنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ میرے ملک کے اجڑے چمن میں پھر بہار آجائے پھر سے وہی رونقیں، وہ مسکراہٹیں، وہ خوشیاں، وہ قہقہے، وہ مسرتیں لوٹ آئیں۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

میرا پیارا پاکستان

یہی دن تھے وہ بھی ماہ اگست تھا اسلامی کیلنڈر میں رمضان کا بابرکت مہینہ تھا برصغیر کے مسلمان اس بابرکت ماہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادات میں مصروف تھے وہیں وہ آزادی کے لئے بھی جدو جہد کر رہے تھے اور ایک علیحدہ ملک حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ وہ ایک ملک حاصل کر چکے تھے اور اس ملک (پاکستان) کی آبیاری اپنے خون سے کر رہے تھے کیونکہ اس وقت برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا کے نقشے میں معرض وجود میں آ رہا تھا ہر طرف خون بہہ رہا تھا مسلمانوں کی مال و متاع کو لوٹا جا رہا تھا انہیں آگ لگائی جا رہی تھی چار سو آگ کے شعلے بلند تھے جو مسلمانوں کی آبادیوں کو راکھ بنائے جا رہے تھے مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں سے اپنی عزت و عصمت بچانے کے لئے بھاگ رہی تھیں اور اپنی عزتیں بچانے کی خاطر کنوؤں اور دریاؤں کے پانی میں چھلانگ لگا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہی تھیں ایک افراتفری کا ماحول تھا بچے اپنے والدین سے بچھڑ چکے تھے اور خاندان کے خاندان تتر بتر ہو چکے تھے ہر طرف ایک چیخ و پکار تھی بچے کلبلا رہے تھے کچھ زخمی کراہ رہے تھے اور کچھ اپنے خاندانوں کے ساتھ پاکستان کی جانب ہجرت کر رہے تھے لیکن یہاں راستے میں بھی وہ محفوظ نہیں تھے کیونکہ ان

کے قافلوں کو لوٹا جا رہا تھا ٹرین کے ڈبوں کو جلایا رہا تھا لیکن پھر بھی مسلمان ایک نئے جذبے اور نئی امنگ کے ساتھ پاکستان کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہے تھے وہ اس لیے کہ ایک آزاد ملک میں وہ اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق آزادانہ طور پر گزار سکیں گے آخر مسلمانوں کی قربانیاں ضائع نہیں گئیں اور شہداء کا خون رنگ لے آیا لٹے پھٹے قافلے پاکستان کی سرزمین پر پہنچ گئے اور سجدہ شکر بجا لائے کہ انہیں آزادی کی لازوال دولت مل گئی ہے اور ایک ملک حاصل ہو گیا ہے جو کہ اسلام کا نام پر بنا ہے جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان تو بن گیا ابھی اسے بنے گیارہ سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ مارشل لاء لگا کر اس نوزائیدہ مملکت کو فوجی بوٹوں کا سامنا کرنا پڑا،اس کے بعد ہمارے روایتی حریف بھارت نے کچھ عرصے بعد 1965ء میں رات کی تاریکی میں چوروں کی طرح حملہ کیا جس میں اسے شکست فاش ہوئی لیکن بھارت نے سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا اور میرے پاکستان کو 1971ء میں دولخت کر دیا یہ ایسا زخم تھا جو کبھی بھر نہیں سکتا لیکن پھر بھی پاکستان کے حالات معمول پہ آنا شروع ہوئے تو ایک بار پھر فوج نے 1977ء میں جمہوریت پر شب خون مارتے ہوئے اقتدار کے مزے لینے لگی پھر اسی طرح سالوں گزرتے رہے میرے پاکستان پر نت نئے تجربے ہوتے رہے ایک بار پھر ہمارے ہمسایہ دشمن بھارت سے 1999ء میں جنگ ہوئی

جسے کارگل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ابھی اس سے سنبھلے ہی نہیں تھے کہ اسی سال پھر فوجی بوٹوں کی دھمک اقتدار کے ایوانوں میں گونجنے لگی اور جمہوریت کو ملک بدر کر دیا گیا انہی کشیدہ حالات میں 2001ء آ پہنچا جس میں پاکستان میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی اور امریکہ کو کھلے عام پاکستان میں دہشت گردی کا لائسنس جاری کر دیا گیا قدرت ہمیں ڈھیل دیتی رہی لیکن ہم نہیں سنبھلے اور پھر 2005ء میں ملکی تاریخ کا بدترین زلزلہ آیا جس میں پاکستان ایک بار پھر ڈاؤن ہوتا چلا گیا پھر قدرت کو ہم پر رحم آیا لیکن ہماری بگڑی ہوئی عادات وہیں کی وہیں رہیں ہم گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے پھر قدرت نے اپنی رسی کو کھینچا اور 2010ء میں میرے پاکستان میں سیلاب نے تباہی مچادی لیکن آج تک بھی ہم نہیں سنبھل رہے اور آج ہم

مہنگائی، مفلسی، بھوک، پیاس، خود کش حملوں، دہشت گردی کی جنگ، ڈرون اٹیک اور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، چینی، بجلی، گیس، آٹا اور پٹرول کے بحرانوں کا ہم کو سامنا ہے۔ پھر بھی 14 اگست کو منچلے موٹر سائیکلوں کے سائلنسر نکال کر ون ویلنگ کرتے ہوئے آزادی کا جشن منائیں گے پٹرول کو پھونکیں گے میرے ملک کے جھنڈے پیروں تلے روندے جائیں گے اور ہم نعرہ لگائیں گے کہ ہم زندہ قوم ہیں ہم پائندہ قوم ہیں۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جب پاکستان بن رہا تھا تو اس وقت بھی اگست تھا اور ماہ صیام تھا، آج بھی اگست ہے اور ماہ رمضان ہے لیکن اُس وقت ایک قوم کو ایک ملک کی ضرورت تھی جبکہ آج ایک ملک کو ایک قوم کی ضرورت ہے۔

میرے ہم وطنوں، ہم آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہیں اس رمضان کے بابرکت مہینے میں ہمیں گڑگڑا کر اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے اور توبہ تائب ہو کر پاکستان کے استحکام کے لئے خصوصی دعائیں کرنی چاہئیں تاکہ پھر سے میرے ملک کے حسین چمن میں بہار کا موسم لوٹ آئے۔

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہء زوال نہ ہ
یہاں جو پھول کھلے کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کے گزرنے کی مجال نہ ہو

اہل وطن کو آزادی مبارک ہو۔

کیا پاکستان میں نئے صوبے بننے چاہئیں؟

ان دنوں میرے پیارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نئے صوبوں کی بحث چھڑی ہوئی ہے ایوان کے اندر بھی نئے صوبوں پر باتیں کی جارہی ہے اور اسمبلی میں بھی ہنگامہ آرائیاں اور مباحثے جاری ہیں جہاں کہیں چار بندے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کا موضوع بھی نئے صوبے ہی ہوتا ہے اللہ بھلا کرے میڈیا کا کہ اس نے عام آدمی کو بھی اتنا شعور دے دیا ہے کہ وہ ملکی حالات سے باخبر رہے اور ان پر بات بھی کرسکے تو ان دنوں ہر طرف نئے صوبوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں کوئی اس کے حق میں بات کررہا ہے تو کوئی مخالفت میں اپنے دلائل پیش کررہاہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہیں اس وقت سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جارہاہے کہ پاکستان کے بڑے اور سب سے زیادہ خوشحال صوبے پنجاب کو تقسیم کیا جائے لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسے لسانیت کی وجہ سے یا نسلی تناسب کی وجہ سے تقسیم جائے یا پھر نظریاتی بنیادوں پر نئے صوبے کا قیام عمل میں لایا جائے پھر ذہن میں یہ خیال کلبلاتا ہے کہ نئے صوبے بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟کیا پنجاب کے حکمران سرائیکی اضلاع کے ساتھ زیادتی کررہے ہیں؟کیا سرائیکی صوبے کی اہمیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پنجاب کو تقسیم کردیا جائے؟یا پھر پیپلز پارٹی کی حکومت اور مسائل سے توجہ ہٹانے کے

لئے نئے صوبے کا شوشہ چھوڑ رہی ہے ؟یا پھر پیپلز پارٹی والے پنجاب حکومت کو پریشرائز کرنے کے لئے نئے صوبے کی بات کر رہے ہیں ؟نئے صوبے صرف پنجاب میں بننے چاہئیں یا باقی صوبوں میں نئے صوبے بنانے چاہئیں ؟

جہاں تک میری ناقص رائے ہے کہ اگر نئے صوبے بنانے بھی ہیں تو اس کے لئے لسانی، نسلی اور علاقائی وجوہات کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر بنانے پر کام کرنا چاہئے کیونکہ اگر لسانیت پہ اور نسلی تعاصب پر نئے صوبوں کی بنیاد رکھی گئی تو ڈر ہے کہ ملک میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ جائے گی اور نقصانات کا بھی اندیشہ ہے میں زیادہ دور نہیں جاتا تھوڑے عرصے قبل کی بات کرتا ہوں کہ جب صوبہ سرحد کا نام اے۔این۔پی اور پختونوں کی خواہش پر تبدیل کیا گیا اور نیا نام خیبر پختونخواہ رکھا گیا تو اس وقت ہزارہ ڈویژن میں صوبہ ہزارہ کی تحریک میں کتنے معصوم خون میں نہائے گئے بہت ساری لاشیں گریں ،کافی زیادہ نقصانات ہوئے ،بہت ساری املاک کو نشانہ بنایا گیا اس لئے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے ہونے والے نقصانات کو سامنا رکھنا ہو گا کیونکہ میرا پیارا ملک مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتااور جہاں تک پنجاب حکومت کی سرائیکی اضلاع کے ساتھ زیادتی کی بات ہے تو پنجاب گورنمنٹ کو اس کا ازالہ کرنے کے لئے اور ان کی محرومی دور کرنے لئے ہنگامی بنیادوں پر حکمت عملی تشکیل دینا ہو گی ویسے بھی اس وقت ہمارے وزیراعظم بھی سرائیکی

ہیں تو انہیں بھی اپنے سرائیکی بھائیوں اور بہنوں کے لئے کچھ خاص ریلیف دینا ہو گا، پہلے تو صوبہ ہزارہ، صوبہ بہاولپور، اور سرائیکی صوبہ کی بات سنتے آرہے تھے لیکن کل پنجاب اسمبلی میں صوبہ تھل کی آواز بھی سنائی دی۔

لیکن اس وقت حکمران طبقہ کو نئے صوبوں پر بحث کرنے کی بجائے کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کو روکنے کے لئے ہنگامی اقدامات کرنے چاہئیں، بلوچستان میں خونریزی کو روکنا چاہئیے نئے صوبے بنانے کی بجائے مہنگائی کو کنٹرول کرنا چاہئے بحرانوں پر قابو پانے کے لئے حکمت عملی بنانی چاہئے پاکستان میں نئے صوبے پر کام کرنے کی بجائے پہلے دہشت گردی کی جنگ کی روک تھام کے لئے اقدام کرنے ہوں گے اور تمام سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر پاکستان میں بیرونی مداخلت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کریں اگر نئے صوبے بنانے ضروری ہیں اور پاکستان کو نئے صوبوں کی اشد ضرورت ہے تو ایسا قومی کمیشن قائم کیا جانا چاہئے جس میں غیر جانبدار اور محب وطن لوگ ہوں تاکہ کسی بھی نقصانات کا اندیشہ نہ ہو اور میرے پاکستان میں امن و امان کی فضا قائم و دائم رہے کیونکہ یہ ملک بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

نوٹ: راقم کا تعلق سرائیکی بیلٹ سے ہے۔۔۔

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

اگر تم سکون چاہتے ہو اور دل کا اطمینان چاہتے ہو تو کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو اور دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شیوہ بنا لو، آپ کو سکون بھی مل جائے گا اور دل کا اطمینان بھی نصیب ہو جائے گا زندگی کو ایک مشن سمجھ کر گزارو کیونکہ ہم نے جلد اس دنیا کو خیر باد کہتے ہوئے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اس لئے لوگوں میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بانٹتے رہو اور مسرتیں بکھیرتے رہو یہ باتیں گزشتہ دنوں میو ہسپتال لاہور میں مریضوں اور ان کے لواحقین کو افطار ڈنر دیتے ہوئے یوتھ سینٹ آف پاکستان کے چیئرمین حنان علی عباسی نے کہیں ۔ جو کہ افطار ڈنر کے سلسلے میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر اسلام آباد سے لاہور تشریف لائے تھے میو ہسپتال کا پارک لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اس افطار ڈنر میں سینکڑوں مریض اور ان کے اٹینڈنٹس موجود تھے ایک نظم و ضبط کا یہاں پر خاص خیال رکھا گیا تھا ویسے کچھ مخیّر حضرات افطاری کا سامان یا دیگیں سر راہے بانٹ دیتے ہیں جس سے ایک ہلڑ بازی سی مچ جاتی ہے اور مستحق لوگ بھی مستفید نہیں ہو پاتے لیکن میو ہسپتال کے گارڈن میں ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ یوتھ سینٹ آف پاکستان میں انتظام کو چلانے کے لئے اور تنظیم کو منظم رکھنے کے لئے ایک انتظامی ڈھانچہ تو موجود ہے لیکن ان میں

کوئی سٹیٹس کی تفریق نہیں ہے سب عہدیداران اور ممبرز برابر ہیں شاید اس لئے اس افطار پارٹی میں سبھی عہدیداران اور رضاکاران ایک لگن اور جذبے کے ساتھ سینکڑوں دکھی لوگوں میں افطاری کا سامان تقسیم کرتے ہوئے نظر آئے یہی بات اس پارٹی کی منفرد تھی اور انتظام بھی قابل دید تھا کیونکہ اتنے بندوں کو ایک ہی وقت میں ڈیل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا یہاں یوتھ سینٹ آف پاکستان کے ممبرز کو کام کرتے ہوئے اور دکھی انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا تو زباں پہ بے اختیار یہ شعر آ گیا

ہے یہی عبادت ، یہی ہے دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مفہوم کے مطابق "لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے" یوتھ سینٹ آف پاکستان نوجوان نسل کی ایک ایسی تحریک اور منظم تنظیم ہے جس کا مقصد نوجوان نسل میں سیاست کا شعور بیدار کرنا، خدمت خلق اور سوشل ورک ہے اس وقت یہ پورے پاکستان میں ایک منظم طریقے سے کام کر رہی ہے اور awareness نوجوان نسل میں دے رہی ہے میرا ملک جو کہ اس وقت ایک نازک صورتحال سے دوچار ہے اور دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے ایسے وقت میں نوجوان نسل کے ایسے پروجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ، آگے آنا اور لوگوں میں آگہی اور شعور کو بیدار کرنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے ویسے بھی کسی ملک کی ترقی کا راز وہاں

کی نوجوان نسل میں پنہاں ہوتا ہے کہ وہاں نوجوان نسل کا تناسب کتنا ہے اور اس ملک کے نوجوان کس رخ پر جارہے ہیں پاکستان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ پاکستان میں نوجوان نسل کا تناسب بھی زیادہ ہے اور ان کی سوچ بھی مثبت ہے اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کا مستقبل روشن اور چمکدار ہے کیونکہ ان میں یوتھ سینٹ آف پاکستان کے انتھک جدو جہد کرنے والے، محنتی اور جذبہ حب الوطنی سے لبریز ممبرز ہیں جن کا خواب سرسبز اور ترقی یافتہ پاکستان ہے یوتھ سینٹ آف پاکستان نے پاکستان کے مختلف شہروں بیں‌خاص کر ہاسپیٹل میں افطار پارٹیوں کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے جس سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں آپ یوتھ سینٹ آف پاکستان کے بارے مزید تفصیلات www.youthsenate.org پر دیکھ سکتے ہیں یوتھ سینٹ آف پاکستان کے ممبرز کو میں یہی کہوں گا کہ کچھ لوگ شاید آپ کی راہ میں روڑے اٹکائیں اس لیے آپ لوگوں نے ایسی باتوں کا برا نہیں منانا بلکہ برداشت کا مظاہرہ کرنا ہے اور ثابت قدم رہنا ہے کیونکہ

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی۔۔

شہر قائد کے امن کو کیا ہوا؟

رمضان کے بابرکت مہینے کی مقدس ساعتوں میں اللہ تعالی کی طرف سے رحمتوں کی بارش جاری ہے لیکن عروس البلاد کراچی میں اب بھی گولیوں کی بارش ہو رہی ہے مسلمان اس ماہ مقدس میں نیکیوں کو سمیٹ رہے ہیں جبکہ کراچی میں جاری دہشت گردی کے باعث اہل کراچی لاشوں کو اور بکھرے انسانی اعضا کو اکھٹا کرنے میں مصروف ہیں شہر قائد اس وقت شہر لاوارث بن چکا ہے شاید اس لئے وہاں امن و امان قائم نہیں ہو رہا ہے آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا شہر دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے عروس البلاد کراچی کو میرے پیارے پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے شہر قائد میں پورے ملک سے روزگار کے لئے آئے ہوئے پاکستانیوں نے بسیرا کر رکھا ہے کراچی میں ہر نسل، ہر زباں، ہر صوبے اور ہر قبیلے کے لوگ آباد ہیں اور شہر کراچی نے بھی ایک مہربان ماں کی طرح ہر کسی کو گود میں لے رکھا ہے شاید اسی وجہ سے اسے منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے، شہر قائد میں انسانیت دم توڑ رہی ہے سر بازار موت کا کھیل جاری ہے لوگ مر رہے ہیں منی پاکستان میں ہر سو گولیوں کی بارش برستی ہے گلیوں میں خون بہتا دکھائی دیتا ہے آہ و بکا اور زخمیوں کی کراہیں سننے کو ملتی ہیں جانے والوں کے لواحقین کے نوحے ،ماتم اور غمزدہ چہرے ہم سے سوال پوچھتے ہیں کہ اس شہر کو کیا ہوگیا؟ یہاں کے امن

کو کیا ہوگیا؟ شہر قائد کو کس کی نظر لگ گئ؟ یہاں امن قائم ہو جائے گایا یونہی اپنے پیاروں کی لاشیں وصول کرتے رہیں گے؟ یہاں دہشت کی فضا کب ختم ہو گی؟ بارود کی بو اور گولیوں کی آوازیں کب تک اس شہر میں بسیرا کرتی رہیں گی؟ کب تک ہم لٹتے رہیں گے؟ کب تک آگ کے شعلوں کے رقص جاری رہے گا؟ کب تک ظلم کی چکی میں ہم پستے رہیں گے؟ کب تک یہاں موت کے ہرکارے موت تقسیم کرتے رہیں گے؟ ہم کس سے التجا کریں کسے الزام دیں

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں
سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

اہل کراچی پوچھتے ہیں کہ ہمارے شہر کی رونقیں کہاں گئیں اس شہر کی روشنیاں مدھم کیوں پڑگئیں شہر قائد پر چھائی سوگ کی فضا کب ختم ہو گی شہر قائد کی کہانی اس کی زبانی سنیں

یہی شہر تھا جو سوتا نہیں تھا
اندھیرا محلوں میں ہوتا نہیں تھا
بسوں کی سدا سونے نہیں دیتی تھی
یہ سمجھو یہاں رات ہوتی نہیں تھی
وہ ٹھیلوں پہ بکتی ہوئی مونگ پھلیاں
بڑی دیر تک جاگتی تھی یہ گلیاں.

یہاں رہنے والوں میں تھا بھائی چارہ
جو دشمن کو ہرگز نہیں تھا گوارا
ہوئی پھر میرے خلاف اک سازش
تھمی ہی نہیں جب سے لاشوں کی بارش

اب تو کراچی میں ظلم کا ایک طوفان ہے جو وہاں کے امن کو بہائے لے جا رہا ہے اور اہل اقتدار ظلم و بربریت کے اس بازار میں بھی آنکھیں موندے اقتدار اقتدار کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کی جا رہی ہے ہر کوئی ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے درد بڑھتا جا رہا ہے بجائے حکمران اس پر مرہم رکھتے ان کے دکھوں کا ازالہ کرتے اور مصیبت کی اس گھڑی میں ان کی دلجوئی کرتے، خواب دیکھنے میں مصروف ہیں پہلے شمالی علاقہ جات کو اور خیبر پختونخواہ کو دہشت گردی کی آگ میں جھونک دیا گیا اور اب روشنیوں کے شہر میں خون کی ہولی جاری ہے اب تو یہ حال ہو چکا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ جب کراچی کے گلیوں میں خون نہ بہے، حکمران طبقہ کو اس ظلم کے خلاف ہنگامی بنیادوں پر حکمت عملی تشکیل دے کر وہاں کے امن کو جلد سے جلد بحال کرائے کیونکہ حکمرانوں کا کام صرف حکمرانی کرنا نہیں ہے اپنی رعایا کا خیال رکھنا بھی ہے ظلم کو روکنا بھی ہے اور انہیں اپنی رعایا کے سلسلے میں سوال کیا جائے گا، یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ کچھ ذمہ دار لوگ کہتے ہیں کہ

انہیں پتا ہے کہ شہر قائد کے امن کا دشمن کون ہے؟ لیکن اس دشمن کے خلاف کاروائی کیوں نہیں ہوتی؟ عروس البلاد کراچی کی روشنیوں کو جلانے میں قہقہے اور مسرتیں واپس لانے میں حکومت کو دہشت گردوں کے خلاف بلا تفریق کاروائی کرکے میرے کراچی کو اسلحہ سے پاک کر دیا جائے اور اہل کراچی کو بھی اپنے شہر کے امن بحال کرنے میں اہم کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ کے مفہوم کے مطابق "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل لیتی۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین

ایک خوبصورت وادی حکومتی توجہ کی منتظر

ہر برس کی طرح اس سال بھی عیدالفطر اپنے آبائی گاؤں میں منائی جو کہ ضلع میانوالی کے ایک خوبصورت علاقے وادی نمل میں واقع ہے پہاڑوں میں گھرا خوبصورت گاؤں "رِکھی" کہلاتا ہے عید پر کافی پرانے دوستوں سے بھی ملاقات رہی اور دعوتیں بھی چلتی رہیں لیکن ان میں سے ایک پارٹی یادگار رہی ہے جو راقم کے اعزاز میں "نمل ڈیم" پر دی گئی تھی۔وادی نمل ایک حسین و جمیل وادی ہے جو کہ پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی ہے ایک طرف پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ایک خوبصورت جھیل ہے جسے "نمل جھیل" کہا جاتا ہے جو اس وادی کی خوبصورتی کو مزید دلکش بنا دیتی ہے اور وہاں سے گزرنے والے ہر راگیر کو اپنے خوبصورتی کے سحر میں جکڑ دیتی ہے اور انسان اس حسین نظارے کو دیکھ کر مسحور ہو جاتا ہے لیکن اس وقت کافی جھٹکا لگتا ہے اور حیرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب جھیل کو دیکھنے کے لئے قریب جانا پڑتا ہے تو یہ راز کھلتا ہے کہ اس خوبصورت جھیل پر کوئی پارک ہے،نہ بیٹھنے کے لیے بینچ ہے اور نہ ہی کوئی کینٹین وغیرہ ہے جس کی وجہ سے آنے والے سیاحوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مجھے آج بھی یاد ہے وہ ذرا،جب 28 اپریل 2008ء کو اس علاقے میں مرشد گیلانی نے قدم رنجہ فرمائے تھے سائیں گیلانی عمران خان کی دعوت پر نمل کالج کے افتتاح کے لئے تشریف لائے تھے تو

گیلانی صاحب بھی خوبصورت وادی کے حسین نظارے سے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے "نمل جھیل" پر نیشنل پارک بنانے کا وعدہ کیا تھا اور کہا تھا کہ میں کل ہی سروے کے لئے ایک ٹیم بھجوادوں گا لیکن آج اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود یہ وعدہ ایفا نہ ہو سکا (ویسے بھی یہ وعدے کوئی قرآن و حدیث تو ہوتے نہیں) آج بھی وادی نمل کے رہائشی وزیراعظم کے وعدے کے منتظر ہیں کہ کبھی اس حسین جھیل پر پارک بنے گا جو اس کی دلکشی میں اضافے کا باعث بنے گا اور اس خوبصورت وادی کو مزید چار چاند لگ جائیں گے۔ بات شروع کی تھی ایک پکنک کی کہ نمل ڈیم پر کچھ دوستوں نے راقم کے اعزاز میں ایک پارٹی دی تھی تو ہم اپنے گاؤں سے نمل جھیل پر پہنچے اس کے بعد ایک کشتی پر بیٹھ کر نمل ڈیم کی طرف روانہ ہوئے ،ایک تو خوبصورت جھیل کا حسین منظر اس کے ساتھ کشتی کا اور پانی میں سفر اور دوستوں کے ہلہ گلے نے اس سفر کو اور بھی، یادگار بنا دیا ،بیس پچیس منٹ کی کشتی کی مسافت میں ہم نمل ڈیم پہنچ گئے پہاڑوں میں گھرا ہوا، سبزے کی چادر اوڑھے،پانی کی آواز کے ساتھ نمل ڈیم کے نظارے کو بیان کرنا بہت مشکل ہے میں جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو سوچ رہا ہوں کہ پھر وہ حسین نظارے اور خوبصورت لمحے کب میسر ہوں گے نمل ڈیم کی تاریخ کافی پرانی ہے یہ 1913ء میں بنایا گیا تھا اور اس کی معیاد 100برس رکھی گئی تھی اس کے سات دروازے ہیں لیکن مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت چھ گیٹ خراب ہو چکے ہیں ویسے بھی اس کی مدت پوری ہو چکی ہے اس ڈیم کی وجہ سے میانوالی کے کافی علاقوں کو

نہری پانی میسر ہے جس میں موسیٰ خیل اور اس کے ملحقہ علاقے سرفہرست ہیں نمل ڈیم ایک تاریخی ڈیم ہے اب جب اس کی مدت پوری ہونے کو ہے تو حکومت کو نمل ڈیم اور جھیل پر ترجیحی بنیادوں پر مرمت کا کام کروا کر ان تاریخی اور خوبصورت مقامات کو محفوظ کرنا چاہیئے اور سیاحوں کے لئے کچھ خصوصی انتظامات کروانے چاہئیں تاکہ اس حسین وادی کے دلکش نظاروں سے ہر انسان محفوظ ہو سکے اس خوبصورت وادی کے حسین مناظر کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصہ قبل انجینئر محمد عمران ملک نے ایک نظم لکھی تھی

اے وادی نمل، تیرے دلکش ہیں نظارے
قدرت نے تیرے خوب خدوخال سنوارے
آباد ہے تو دامن کوہ نمک میں
ان گنت نظارے ہیں تیری اک جھلک میں
اک سمت سکیسر ہے تیری شان بڑھائے
اک سمت تری جھیل، تری آن بڑھائے
تری صبح جواں ہے تو تری شام حسیں ہے
روشن ترا دن ہے تو، تری رات رنگیں ہے
عمران، دعا ہے مری اس پاک خدا سے
آباد رہے جگ میں تو سب کی دعا سے

قرآن مجید راہ ہدایت ہے صرف قسمیں کھانے کیلئے نہیں

اللہ کی چار آسمانی کتابیں ہیں جو مختلف ادوار میں اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں تاکہ وہ اپنی امت کی اصلاح کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اپنی قوم تک پہنچا سکیں اس کے علاوہ کچھ آسمانی صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اقوام کی اصلاح کے لیے اپنے پیغمبروں پر نازل کئے گئے تھے چار آسمانی کتابوں کے نام
تورات،زبور،انجیل اور قرآن مجید ہیں تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر،زبور حضرت داوؤد علیہ السلام پر،انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن مجید ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی باقی تمام آسمانی کتابیں بھی مقدس تھیں لیکن ان میں سے جو قرآن مجید کو جو مقام حاصل ہے وہ سب سے الگ اور جدا ہے ایک تو یہ اللہ کی طرف سے اپنے پیارے محبوب ﷺ پر نازل کی گئ تھی جس کی وجہ سے یہ کائنات وجود میں آئی،دوسرا یہ اس امت کے لئے اتاری گئ جو سب سے آخر میں آئی لیکن تمام امتوں سے بہتر اور افضل امت ہے تیسرا اس آسمانی کتاب (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم ہے کہ "یہ کتاب ہماری طرف سے ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہے" (باقی آسمانی کتابوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود نہیں لیا تھا اس لئے وہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں یہ صرف قرآن مجید ہی واحد

آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی)
قرآن مجید اس امت کے لئے یعنی ہمارے لیے کتاب ہدایت ہے لیکن افسوس کہ آج ہم نے اس کتاب سے استفادہ حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے اس لئے دنیا میں ہم (مسلمان) پستی کی طرف گامزن ہیں ہر کہیں ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے ان موجودہ حالات کے تقابل میں ہمارا ماضی بہت تابناک تھا ہم مسلمانوں کا ایک رعب و دبدبہ تھا پوری دنیا ہم سے ڈرتی تھی ہمارے اسلاف کا نام پوری دنیا میں عزت سے لیا جاتا تھا لیکن پھر ایسی کیا بات ہوئی کہ ہم عروج سے زوال پذیر ہوتے جا رہے ہیں کیا ہم نے ان کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا ہے یا پھر ہم اپنے مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

آج ہم اس لئے رسوا ہو رہے ہیں کہ ہم نے کتاب ہدایت میں سے راہ ہدایت کو تلاش کرنا چھوڑ دیا ہے ہم ڈالروں کی چکا چوند روشنیوں میں صراط مستقیم کو ڈھونڈنے کے لئے سرگرداں ہیں حالانکہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ ہمیں ان مصنوعی روشنیوں میں سیدھا راستہ نہیں ملے گا پھر بھی لگے ہوئے ہیں اور بھٹک رہے ہیں اگر آج سے ہم تہیہ کر لیں اور پکا ارادہ کر لیں کہ ہم نے اپنے اسلاف نقش قدم پر چلنا ہے اور کتاب ہدایت یعنی قرآن مجید سے ہی اپنے لئے

ہدایت کو چنتے ہوئے سیدھے راستے کا انتخاب کرنا ہے تو پھر وہ دن دور نہیں جب یہ دنیا آپ کے پیچھے بھاگے گی اور آپ کے تابع ہو جائے گی لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج قرآن مجید کا صرف اتنا احترام ہم میں موجود ہے کہ اسے خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر اوطاقوں میں اور الماریوں میں رکھ کر بھول جاتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید گھر میں موجود ہے تو گھر میں برکتیں و رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی ۔ہم اس کتاب ہدایت کو صرف مُردوں کے ایصال ثواب کے لئے پڑھتے ہیں لیکن یہ قرآن مجید صرف ایصال ثواب کے لئے پڑھی جانے والی کتاب نہیں ،یہ حقیقت میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور اس میں زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ حیات موجود ہے یہ قرآن ایک مقدس اور پاک کتاب ہے اور اسے آپ وضو کے بغیر چھو بھی نہیں سکتے جیسا کہ فرمان باری تعالٰی کا مفہوم ہے کہ "اس کتاب کو اس وقت ہاتھ لگاؤ جب تم پاک ہو" یہ بابرکت اور مقدس کتاب جسے ہم قرآن مجید کہتے ہیں سر پر اٹھا کر قسمیں کھانے کے لئے نہیں یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہم مسلمانوں پر ایک انعام ہے کہ اس کی روشنی میں ہم اپنے لئے راستے کا چناؤ کر سکیں۔

خدارا ہم مسلمانوں کو آنکھیں کھولنا ہوں گی اور اس مقدس قرآن مجید کو سمجھنا ہوگا کہ یہ صرف مُردوں کے ایصال ثواب کے لئے مختص ہے نہ ہی یہ گھروں میں سجا کر رکھنے کے لئے ہے اور نہ یہ صرف سر پر اٹھا کر قسمیں کھانے

کے لئے ہے۔ اللہ ہم سب کو اسلام کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: یہ کالم گزشتہ دنوں ایم۔ کیو۔ ایم کے قائد الطاف حسین کا قرآن مجید کو سر پر اٹھانے اور ہاتھ میں لہرانے کی وجہ سے لکھا ہے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ڈینگی، خادم اعلیٰ اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آج کل مچھروں نے ناک میں دم کر رکھا ہے موبائل کی میسج ٹون سنائی دیتی ہے تو وہاں پہ مچھروں کے متعلق پیغام لکھا ہوتا ہے کوئی اخبار بھی پڑھتے ہیں تو اس میں بھی ڈینگی سے بچاؤ کے طریقے لکھے ہوتے ہیں ٹی۔وی آن کرتے ہیں تو اس پر بھی ڈینگی مچھر کے متعلق بتایا جارہا ہوتا ہے، سڑکوں اور چوراہوں پر ڈینگی وائرس کے متعلق آگاہی کے پمفلٹ تقسیم ہو رہے ہیں اور سڑک کنارے ڈینگی مچھر کے متعلق حکومت پنجاب کی طرف سے بینر آویزاں ہیں جس پر ہیلپ لائن نمبر لکھا ہوا ہے مچھر آج سے نہیں صدیوں پہلے سے ہے اور اس کی شرانگیزیاں بھی مشہور ہیں پہلے بھی مچھروں کی وجہ سے کئی قسم کی موذی امراض پھیلتی تھیں جن میں ملیریا سرفہرست تھا یہاں پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمرود بادشاہ تھا جو خدائی کا دعویدار بھی تھا حضرت ابراہیمؑ نے جب کلہاڑے سے اپنے زمانے کے سب بتوں کو توڑ دیا تو اس وقت نمرود نے آگ کا ایک بہت بڑا آلاؤ روشن کیا اور سزا کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں دھکیل دیا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل محو تماشا ہے لب بام ابھی تک

اللہ کے حکم سے وہ آگ گلزار بن گئی لیکن اس کے بعد ایک لنگڑا مچھر نمرود کی ناک میں داخل ہوا اور دماغ میں جا کر بیٹھ گیا جب وہ حرکت کرتا تو نمرود کو کھجلی ہوتی اور اپنے سر میں جوتا مارتا اس سے اسے تھوڑا افاقہ ہو جاتا تھا اس کے بعد اس نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو درباری بھی دربار میں داخل ہو پہلے بادشاہ کے سر جوتے مارے گا وہ لنگڑا مچھر ایک عذاب کے طور پر نمرود کی ناک میں داخل ہوا تھا اور یہاں پنجاب میں بھی مچھروں نے ناک میں دم کر رکھا ہے ہسپتالوں میں مریضوں کی لائنیں لگی ہوئی ہیں اور دن بدن ڈینگی بخار کے مریضوں میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا تھا ان دنوں ہر طرف ڈینگی فیور ایک وبائی صورتحال اختیار کر چکا ہے اور یہ مرض پھیلتا جا رہا ہے لیکن یہاں پر پنجاب حکومت بھی کافی اقدامات کر رہی ہے اور خاص کر خادم اعلیٰ نے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں اور خود ہسپتالوں کے دورے کر کے ہنگامی اقدامات کر کے اپنے آپ کو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ قوم کا حکمران ، قوم کا خادم ہوتا ہے اس لحاظ سے بھی ان کی کارکردگی قابل تعریف ہے کہ ان دنوں ان پر حملے کا خطرہ ہونے کے باوجود ڈینگی کے متعلق ٹیموں کی خود مانیٹرنگ کر رہے ہیں ،اس وقت پورے ملک میں حالات کافی خطرناک صورتحال اختیار کر چکے ہیں پہلے کراچی میں خون کی ندیاں بہتی رہیں پھر سندھ میں سیلاب نے تباہی مچائی اور کراچی میں ہونے والی حالیہ بارشوں نے وہاں کے لوگوں کی زندگی اجیرن بنادی اب یہ ڈینگی کی

وبا پھیلتی چلی جارہی ہے یہ کیا ہورہا ہے یہ قدرتی آفات کہیں ہمارے برے اعمال کا نتیجہ تو نہیں ہے حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق "جب حکمران قومی خزانے کو ذاتی مال سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹنے لگ جائیں گے، امانتوں کو جب ہڑپ کیا جانے لگ جائے گا، مالدار لوگ زکوۃ دینا چھوڑدیں گے، دین کا علم جب دنیا کمانے کے لئے حاصل کیا جانے لگ جائے گا، لوگ جب بیویوں کے فرمانبردار بن جائیں گے، ماؤں کی نافرمانی کرنا معمول بن جائے گا، دوست سے اچھا سلوک جب کہ باپ کو دھکے دیئے جانے لگ جائیں گے، فاسق انسان قبیلے کا سردار بن جائے گا، جب حکومت کی باگ ڈور نکمے ہاتھوں میں آجائے گی، ملتے وقت لوگوں کے چہروں پہ مسکراہٹ لیکن اندر میں بغض بھرا ہوا گا، جب مسجدوں میں لڑائی جھگڑے ہونے لگ جائیں گے، گانا گانے والیاں زیادہ ہوجائیں گی، جب موسیقی کے آلات عام ہوجائیں گے، جب شراب پی جانے لگ جائے گی، ریشم پہنا جانے لگ جائے گا، امت کے پہلے لوگوں کو برا کہا جانے لگ جائے گا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ جب مندرجہ بالا علامات ظاہر ہونے لگ جائیں تو پھر انتظار کرو خوفناک موسموں کا، موسموں کی بے رحمیوں کا، زلزلوں کا، سرخ آندھیوں کا، زمیں میں دھنسائے جانے کا، اور اوپر نیچے عذابوں کے سلسلوں کا جیسا تسبیح ٹوٹنے سے دانے دھاگے سے گرتے ہیں اسی طرح عذاب آتے رہیں گے"

اچھا تو ڈینگی کی بات ہو رہی تھی تو جو نمرود کی ناک میں مچھر گھسا تھا وہ لنگڑا تھا اور جو آج کل ہمارے سر پہ مسلط ہو چکا ہے وہ ڈینگی (ڈنگا) ہے اللہ ہم سب کو ڈینگی سے محفوظ رکھے۔ آمین

بھتّہ خوری کا خاتمہ کون کرے گا؟؟؟

کسی دھمکی میں آ کر ڈر کے مارے دل کے نہ مانتے ہوئے اگر کچھ ادا کیا جائے تو وہ بھتہ کہلاتا ہے اگر ہم آسان الفاظ میں یہ کہیں کہ بھتہ وہ ہے جو نہ چاہتے ہوئے کسی حقوق اور قرض کے بغیر ادا کیا جائے۔ بھتہ اور بھتہ خوری کا جب ذکر آتا ہے تو ذہن میں عروس البلاد کراچی کا نام گردش کرنے لگ جاتا ہے کیونکہ وہاں پہ بھتہ خوری کا راج ہے ویسے تو پاکستان میں ہر کہیں بھتہ چلتا ہے لیکن کراچی ان میں سرفہرست ہے ایک تو یہ پاکستان کی اقتصادی شہ رگ ہے اور دوسرا یہاں پر بسنے والے لوگ باہر سے آ کر آباد ہوئے ہیں باہر سے مراد پاکستان کے مختلف اضلاع میں بسنے والے لوگ ہیں جو بسلسلہ روزگار یہاں رہائش پذیر ہیں یہ بات تو روزِ اوّل سے ہے اور تقریباً زمانہ اسی پہ کاربند ہے کہ کمزور کو دباؤ ۔اس کا استحصال کرو اور خود اس کی محنت سے حاصل کئے گئے رزق سے عیش کرو، یہ بھتہ کلچر کو فروغ اس لئے ملتا ہے جب عادل حکمران اس دنیا سے رخصت ہو جائیں جب انصاف کا حصول مشکل ہو جائے جب طبقاتی تفریق بڑھتے ہوئے یہاں تک پہنچ جائے کہ امراء کے لئے علیحدہ انصاف نگریاں بن جائیں اور غرباء کے لئے علیحدہ انصاف نگریاں بن جائیں، یہ بھتہ خوری کا راج تب بڑھ جاتا ہے جب ظلم بڑھ جاتا ہے اور مظلوم کی فریاد سننے والا کوئی نہیں ہوتا، بھتہ خور ان جگہوں پر عیش کرتے ہیں جہاں

امراء کی بات تو سنی جاتی ہو لیکن غریبوں کا مسیحا کوئی نہیں ہوتا، بھتہ خور وہاں حکمرانی کرتے ہیں جہاں ظالم کا راج ہوتا ہے جہاں مظلوم کی داد رسی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا جہاں انصاف بکتا ہو جہاں ظلم کا دور دورہ ہو جہاں حق کا پرچم لہرانے والے سو جاتے، ہوں جہاں ظلم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہونٹوں کو سی لی جاتا ہو، بھتہ خوری کی بھی کئی قسمیں ہیں اور ان کے مانگنے کے مختلف انداز ہوتے ہیں ویسے تو بھتہ ہر کہیں چلتا ہے لیکن ہم اگر بھتہ خوری کے گڑھ (کراچی) کی بات کریں تو وہاں پہ بھتہ مافیا کافی مضبوط ہے بھتہ خوروں نے مختلف علاقے آپس میں بانٹ رکھے ہیں جہاں سے انہوں نے فی ریڑھی، فی دکان یا فی آفس رقم مختص کر رکھی ہے جو اس غریب ریڑھی والے کو دوکان والے کو یا دفتر والے کو طوعا و کرہا ادا کرنا پڑتی ہے چاہے ان کا کام چلے یا نہ، چلے ان کے پیٹ کا ایندھن بجھے یا نہ بجھے انہیں اس سے سروکار نہیں، اگر کوئی بندہ یہ بھتہ ادا نہ کرے یا اس کے خلاف بولنا شروع کرے تو اس کا کاروبار تباہ کر دیا جاتا ہے یہاں پر ایک بات اور کی بھی وضاحت کر دوں کہ جن کا کام تھوڑا زیادہ چلنا شروع ہو جائے اور پیسوں کی ریل پیل ہونے لگے تو ان بھتہ خوروں کو جب اس کی بھنک پڑتی ہے تو وہ ایک پرچی پر کوئی رقم اور وقت لکھ کر بھیج دیتے ہیں کہ اس وقت ہمیں اتنی رقم چاہیئے جو کہ لاکھوں میں ہوتی ہے اگر کوئی ذرا حیلے بہانے سے کام لے تو ان بھتہ خوروں کی انفارمیشن اتنی تیز ہوتی ہیں کہ انہیں پتا چل جاتا ہے اور پھر اس بندے کو

یا اس کے کسی عزیز کو اغوا کر لیا جاتا ہے یا پھر وارننگ کے طور پر اسے دھمکایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مجبور ہو کر اس بندے کو ان کی مطوبہ رقم دینا پڑ جاتی ہے جو کہ اس نے کافی محنت سے کمائی ہوتی ہے اور اگر بات کریں کہ ان کے خلاف کوئی بولتا کیوں نہیں ہے اور اس ظلم کو کیوں چپ چاپ سہ لیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کی آواز بلند ہونے سے پہلے اسے خاموش کروا دیا جاتا ہے ان بھتہ خوروں کی وجہ سے کراچی میں بزنس پر کافی اثر پڑا ہے اور اکثر سرمایہ کار یہاں سے سرمایہ نکال کر باہر کی جانب رخ کر رہے ہیں جو کہ لمحہ فکریہ ہے لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ حکومت اس کے خلاف کوئی موثر کاروائی کیوں نہیں کر رہی ؟اور بھتہ خوروں کو چھوٹ کیوں دے رہی ہے ؟تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان بھتہ خوروں کی پشت پر کافی بااثر شخصیات ہوتی ہیں جنھیں اپنا حصہ باقاعدگی سے ملتا رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کے خلاف کاروائی نہیں ہوتی اور یہ بھتہ خور عناصر جدید اسلحہ سے لیس کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں جبکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے خاموش تماشائی بنے ان دیکھ رہے ہیں ان عناصر کو کچلنے کے لئے حکومت کو کوئی سخت حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی کیونکہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ درد بنے درد لا دوا
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

ان بھتہ خور عناصر کے خلاف سخت اور بلا تفریق کاروائی کرکے حکومت کو سرمایہ کاروں کو محفوظ بنانا ہو گا تاکہ میرا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین

شہر قائد۔۔۔کچھ تاثرات

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل عروس البلاد کراچی کے حالات کافی خراب تھے اور شہر قائد جل رہا تھا اس وقت ہر صحافی نے کراچی کے حالات کے بارے لکھا اور راقم نے بھی روشنیوں کے شہر کے دگرگوں حالات پر لکھا تھا لیکن کچھ دن قبل راقم کراچی میں تھا جو میں نے وہاں دیکھا جس کا مشاہدہ کیا اور جو تجربات مجھے حاصل ہوئے وہ میں آپ قارئین سے شیئر کرتا ہوں ، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے اور پاکستان کی تقریبا 70 فیصد انکم کراچی ہی سے بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر آتی ہے اسی لئے اسے پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہونے کے ساتھ پاکستان کی اقتصادی شہ رگ کا درجہ بھی حاصل ہے شہر قائد میں ہر نسل، ہر قبیلے، ہر شہر اور ہر ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ بسلسلہ ء روزگار آباد ہیں اور یہاں جس ایریا میں جس قوم کی اکثریت ہے وہ اس قوم کا علاقہ کہلاتا ہے مثال کے طور پر جہاں پٹھانوں کی اکثریت ہے تو وہ پختونوں کا ایریا کہلائے گا جہاں بلوچ زیادہ تعداد میں رہتے ہوں گے وہ جگہ بلوچوں کی آبادی کہلائے گی اور جہاں مہاجر زیادہ تعداد میں رہائش پذیر ہیں وہ مہاجروں کا علاقہ ہوگا، یہاں ایک اہم بات یہ ہے کہ جہاں دو برادری کے لوگ اکٹھے رہتے ہوں گے وہاں فسادات کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور

ان علاقوں میں کچھ فسادی لوگ بھی اپنا کام دکھانے کے چکر میں رہتے ہیں جو نہی کچھ بات ہوتی ہے تو یہ فسادی عناصر حرکت میں آ جاتے ہیں اور ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر امن کو تباہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ شہر قائد میں لسانیت بہت زیادہ ہے جس سے شرپسند عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں ایک اور بات جو میرے مشاہدے میں آئی وہ یہ ہے کہ روشنیوں کے شہر میں وال چاکنگ بہت زیادہ ہے اور یہ وال چاکنگ کمپنیوں کے اشتہارات سے زیادہ سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کی جانب سے کی گئی ہے جن میں بعض تحریروں میں کافی غلیظ زبان استعمال کی گئی ہے جو کہ شہر میں نفرت کا باعث بن رہی ہے اس لئے کراچی کی انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ ایسی وال چاکنگ کو روکنے میں کردار ادا کرے ۔ کسی بھی شہر میں ٹریفک کو رواں رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے اور کراچی جو کہ آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے وہاں کی ٹریفک کے بہاؤ کو کنٹرول کرنا جاں جوکھوں کا کام ہے لیکن اس شہر میں کوئی شک نہیں کہ مصطفیٰ کمال نے اپنے دور میں کافی ترقیاتی کام کروائے تھے جن میں ٹریفک کے بہاؤ کو کنٹرول کرنے کے لئے فلائی اوور اور انڈر پاس قابل تحسین ہیں جہاں اس بڑے شہر کی ٹریفک کو رواں رکھنے میں سڑکوں کی بحالی کے لئے مصطفیٰ کمال نے کام کئے ہیں تو وہیں اس ٹریفک کو چلانے میں ٹریفک پولیس کی کوششوں کا عمل دخل بھی ہے لیکن یہاں یہ بات میں ضرور کہوں گا کہ کئی جگھوں پر میں نے خود دیکھا کہ کراچی کی ٹریفک پولیس مک مکا (رشوت) میں مصروف تھی

بلکہ ایک جگہ تو راقم سے بھی دھڑلے سے چائے پانی دینے کو کہا تو میں حیراں ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اللہ ان کو ہدایت کاملہ دے لیکن ٹریفک پولیس کراچی کے افسران بالا کو چاہئے کہ وہ محکمے میں ان کالی بھیڑوں کی نشاندہی کرکے ان کو نکال باہر کریں جو کہ اس محکمے کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں ، عروس البلاد کراچی میں زندگی انتہائی مصروف ہے مصروفیت ،ڈر اور خوف نے وہاں کے باسیوں کو چڑچڑا بنا دیا ہے لیکن کچھ لوگ ان مصروفیات میں سے وقت نکال کر زندگیوں کو حسین بنانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور بھرپور انداز میں زندگی کو انجوائے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یہاں میں سٹریٹ کرائم کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شہر قائد میں سٹریٹ کرائم کی شرح کافی زیادہ ہے کیونکہ جو دوست مجھے سی۔آف کرنے آیا تھا واپسی پر موبائل اور نقدی سے ہاتھ دھو بیٹھا مجھے بہت افسوس ہوا لیکن اس نے یہ کہا کہ آپ زیادہ پریشان نہ ہوں یہاں پر سٹریٹ کرائم معمول کا حصہ ہیں۔

میری اہل کراچی سے گذارش ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر رہیں ، نفرتوں کو مٹا دیں محبتوں کو جگہ دیں ، مسکراہٹوں اور خوشیوں کو روشنیوں کے شہر میں بکھیرتے چلے جائیں کیونکہ سب مسلمان بھائی ہیں اگر تم نہ سنبھلے اور اسی ڈگر پر چلتے رہے تو یہ خاموش سمندر جس میں کئی راز پوشیدہ ہیں کہیں بپھر نہ جائے اور تمہیں سر چھپانے کی بھی جگہ نہ ملے اس لئے اب بھی وقت ہے

اٹھ جاؤ اور دنیا کو بتادو کہ اس سبز ہلالی پرچم کے سائے میں ہم ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔پھر دیکھنا شہر قائد میں رونقیں کیسے بحال ہوتی ہیں قہقہے کیسے حسین لگتے ہیں زندگی کتنی خوبصورت ہوتی ہے۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

ڈینگی مچھر۔۔ میرا خواب اور سیاستدانوں کے بیانات

پنجاب میں ڈینگی کی وبا پھیلی ہوئی ہے جس سے زندہ دلان لاہور سہمے ہوئے ہیں ایک مچھر نے سب کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے اب تو آنکھیں بند ہوتی ہیں تو خواب میں ڈینگی مچھر ڈرا دیتے ہیں اور جب انسان باہر نکلتا ہے تو چوراہوں پر بھی ڈینگی مچھر کی تصویر نظر آتی ہے ایک مچھر ہمارے حواس پر ایسا چھایا ہے کہ ہم نے موت کا دوسرا نام بھی ڈینگی بخار رکھ دیا ہے اخبارات، رسائل و جرائد اور ٹیلیوژن کی سکرین پر بھی مچھر کے قاتلانہ حملوں کے بارے بتایا جا رہا ہوتا ہے اب تو کیبنٹ میٹنگز میں بھی مچھر کے خاتمے کے لئے بحث ہوتی ہے اور تو اور اسمبلی کے ایوانوں میں بھی مچھر کے متعلق بازگشت سنائی دیتی ہے ڈینگی سے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے اور ہسپتالوں میں ڈینگی مریضوں کا رش سا لگا ہوا ہے مچھر کو ختم کرنے کے لئے پنجاب گورنمنٹ کافی تگ و دو کر رہی ہے مچھر کے بلا تفریق تابڑ توڑ حملے جاری ہیں ان حملوں کی زد میں امیر بھی آ رہے ہیں اور غریب بھی پس رہے ہیں مچھر کے کاٹنے سے سیاستدان بھی جاں بحق ہو رہے ہیں اور سول سوسائٹی والے بھی جاں سے ہاتھ دھو رہے ہیں ایک مچھر جو کہ ایک حقیر سا کیڑا ہے آج اسی مچھر نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے ناک میں دم کرنے سے یاد آیا کہ ایک مچھر نمرود کی ناک میں

بھی گھسا تھا شاید اسی مناسبت سے ناک میں دم کرنے والا محاورہ بنا تھا، تحقیق سے پتا چلا ہے کہ ڈینگی بخار میں مبتلا کرنے والا مچھر مادہ ہے ہم تو پہلے بھی مؤنث (عورت) سے ڈرتے تھے ڈینگی مچھر سے کسی نے پوچھا آخر آپ لاہور میں ہی کیوں آئے ہو تو اس نے جواب دیا کہ آپ خود جو کہتے ہو" جنے لور نئیں ویکھیا او جمیا ای نئیں" (جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا)۔ڈینگی کی وبا صدیوں سے ہے اور اس کا علاج بھی اب تو پاکستان کے مایہ ناز گلوکار ڈاکٹر عطاء اللہ خاں عیسی خیلوی نے دریافت کر لیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

پیار نال نہ سہی غصے نال ویکھ لیا کر
بیماراں نوں شفا مل جاندی اے

گزشتہ دنوں ہمیں ڈینگی مچھروں کے بارے سوچتے سوچتے اونگھ آ گئی تو خواب میں کچھ سیاستدانوں کو دیکھا جو ڈینگی مچھر کے بارے میں اپنی رائے دے رہے تھے ایک ہمارے وزیر موصوف کچھ ایسی کھسر پھسر کر رہے تھے اب آپ سوچنے لگ گئے ہوں گے ڈائریکٹ بیان کیوں نہیں دیا کھسر پھسر کیوں کر رہے تھے وہ اس لئے کہ وزیر صاحب وفاق کے وزیر ہیں پنجاب کے نہیں ان کا کہنا ہے کہ مچھروں کا حملہ درحقیقت پنجابی طالبان کا کارنامہ ہے اور اس کی ذمہ داری بھی تحریک طالبان نے قبول کر لی ہے ایک مولانا قسم کے سیاستدان نے ڈینگی مچھر کے بارے تبصرہ

کرتے ہوئے کہا کہ پہلے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مچھروں کا تقاضا کیا ہے اس کے بعد ہی ہم کچھ کہہ سکتے ہیں ڈینگی مچھروں پر تبصرے میں ایک انقلابی سیاستدان کا کہنا ہے کہ جو مچھروں کو قابو نہیں کر سکتے اور ان کا خاتمہ نہیں کر سکتے انہیں حکومت چھوڑ دینی چاہئے، ایک سیاستدان ٹیلیفون کے ذریعے اپنا تبصرہ ریکارڈ کرواتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ پنجاب والوں میرا ہاتھ تھام لو کوئی مچھر نہیں چھوڑوں گا،ایک سیاستدان منہ میں سگار لئے کچھ یوں گویا ہوئے کہ میرے سگار کے دھوئیں سے مچھر مر رہے ہیں اور میں سگار کے ذریعے مچھروں کو مار کر زندہ دلان لاہور کی خدمت کرتا رہوں گا، ایک اور چوہدری قسم کے سیاستدان نے بھی اپنا بیان ریکارڈ کروایا لیکن مجھے ان کے الفاظ کی کچھ سمجھ نہیں آئی اس لئے معذرت خواہ ہوں، ایک پیر صاحب نے بھی مچھروں کے متعلق اپنا بیان دینا ضروری سمجھا ان کا کہنا تھا کہ میں G.H.Q کی مدد سے ان مچھروں کے خاتمے کے لئے کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہوں اس اثنا میں سندھ کے سابقہ وزیر کی آواز بھی سنائی دی کہ ڈینگی مچھر کا ذمہ دار وہی ہے جو ملک کا سب سے بڑا دشمن ہے ایک مفتی صاحب بھی مچھروں کے متعلق اپنی رائے دینے وہاں آ پہنچے ان کا کہنا تھا کہ، ڈینگی مچھر ہمیں صفائی کا درس دینے آیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھیں کیونکہ صفائی نصف ایمان ہے ،ابھی بیانات اور تبصروں کا سلسلہ جاری تھا کہ شور سنائی دیا شیر آیا، شیر آیا اور سب سیاستدان ادھر اُدھر بکھر گئے اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

لیکن یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پنجاب حکومت ڈینگی کے خاتمے کے لئے ہر ممکنہ اقدامات کر رہی ہے کیونکہ راقم کو بھی کئی بار ڈینگی کے متعلق آگاہی سیمیناروں میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے اور پنجاب اسمبلی میں ہونے والی میٹنگز اور ڈینگی کے خلاف چلائی جانے والی مہم میں بھی حصہ لیا ہے ڈینگی کے متعلق بات ہو رہی ہے تو یہاں پر میں پاکستان تحریک انصاف کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ انہوں نے بھی پورے شہر میں شیخ امتیاز محمود کی سربراہی میں صفائی مہم چلائی اور ڈینگی مار سپرے کیا ہے ۔ڈینگی مچھر ایک آفت بن کر ہمارے اوپر نازل ہوا ہے یہ سب ہمارے شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور ہمیں اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو ۔۔آمین

ایک شام محسن نواز کے ساتھ

حوصلے اور ہمت سے کام لیتے ہوئے جذبے اور لگن کے ساتھ اپنے اوپر بھروسہ رکھتے ہوئے زندگی گزاری جائے تو وہ کامیاب ہوتی ہے اس بات کا علم تو سبھی کو ہے کہ زندگی مسلسل کوشش اور جدوجہد کا نام ہے کامیابی ہمیشہ ان کے قدم چومتی ہے جو اپنے اوپر انحصار کرتے ہوئے محنت کو اپنا شعار بناتے ہیں ان باتوں پر میرا یقین اس وقت مزید پختہ ہوگیا جب میں نے محمد محسن نواز سے ملاقات کی، 39 سالہ محسن نواز ایک کامیاب ریڈیو Presenter ہیں جو پچھلے کئی سالوں سے FM سے وابستہ ہیں انتہائی خوبصورت آواز کے مالک اور حروف کی ادائیگی پر عبور رکھنے والے محسن نواز کے بارے بہت کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ وہ دونوں ٹانگوں سے معذور اور آنکھوں سے نابینا ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش ہیں ان کی اس مطمئن زندگی کا راز جاننے کے لئے ایک شام راقم ان کے گھر پہنچ گیا اور ان سے ان کی زندگی پر تفصیلی گفتگو کی ،جو آپ قارئین کی نذر ہے۔

محسن نواز کی عمر جب ڈیڑھ برس تھی تو اس وقت ان پر پولیو کا شدید اٹیک ہوا جس کی وجہ سے وہ ہنستا مسکراتا بچہ اپنی ٹانگوں پر دوڑنے سے پہلے ہی وہیل چیئر پر آگیا لیکن والدین کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے والدین نے ان

پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی علاج معالجے کے ساتھ ساتھ محسن کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن محسن وہیل چیئر سے نہ اٹھ سکا یوں دن ،ہفتوں میں ، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بیتتے چلے گئے اس طرح محسن تیرہ برس کا ہوگیا یہاں ایک اور صدمہ اس کا منتظر تھا جب اس کی دونوں آنکھوں سے بینائی مکمل طور پر ختم ہو گئی اور یوں ان کے لئے یہ رنگین دنیا بھی اندھیر ہو گئی ایسے بچے جن میں کسی قسم کی خامی یا کمزوری ہوتی ہے قدرت ان میں کوئی ایسا وصف یا خوبی بھی پیدا کر دیتی ہے جو ہر انسان کا خاصہ نہیں ہوتی، محسن نواز میں قدرت کی طرف سے یہ وصف ہے کہ وہ تبدیلی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو جلد ہی حالات کے دھارے میں Accept کو جلد دھار لیتے ہیں شاید اسی وصف کی کی وجہ سے جب ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تو کیا لیکن ساتھ اپنی تعلیم کو ادھورا نہ Accept انہوں نے اس اندھیر دنیا کو فوری چھوڑا ،اس لیے آج ان کی تعلیمی قابلیت ماسٹر ہے اگر بات کی جائے ان کی گھریلو زندگی کے بارے تو آج سے تقریباً بارہ سال قبل ماریہ نواز جو کہ مکمل طور پر فٹ اور پڑھی لکھی خاتون ہیں ان کی آواز کی سحر میں ایسے گرفتار ہوئیں کہ بات شادی تک جا پہنچی اور آج ان کے دو بچے ہیں جن کی عمریں بالترتیب پانچ اور سات سال ہیں محسن نواز کے SALES کے ساتھ ایک سوشل ادارے RJ کیریئر کی بات کی جائے تو اس وقت محسن کے ڈائریکٹر بھی ہیں جب راقم نے ان سے بینائی کے & PR WILLING WAYS متعلق پوچھا کہ کیا وہ دنیا کو دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو ان کا کہنا

تھا میں نے اپنی بینائی کی واپسی کے لئے کافی چیک اپ اور علاج کروایا لیکن میری بینائی واپس نہ مل سکی اور آج بھی میں پرامید ہوں کیونکہ سائنس نے کافی ترقی کر لی ہے شاید کسی ذریعے مجھے بینائی واپس مل جائے ۔دوسروں کی ڈھارس بندھانے والا اور حوصلے دینے والے محسن نواز سے جب راقم نے ان کی کامیابی کے بارے پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں پورے یقین کے ساتھ کرتا ہوں کہ یہ کام میں کر لوں گا کر لوں گا تو وہ کام ہو جاتا ہے پختہ یقین ہی میری کامیابی کاACHIVE اور اپنے ٹارگٹ کو راز ہے محسن نواز کو ادب سے کافی لگاؤ ہے اس حسین شام میں محسن نواز،ان کی اہلیہ میں کام کرتی ہیں) راقم اور ایک شاعرہ فریدہFM ماریہ نواز (جو کہ وصال کے نام سے خانم (جن کی شاعری کی ایک کتاب "مختلف "کے نام سے مارکیٹ میں آ چکی ہے) بھی موجود تھیں وہ شام ہماری لئے ایک حسین اور ادبی شام بن گئی کیونکہ محسن نواز اپنے خوبصورت لہجے میں کسی نہ کسی بات پر کوئی شعر سنا کر اپنے لفظوں کے حصار میں گھیر لیتے ،اس کے جواب میں فریدہ خانم بھی منفرد انداز میں جواب دے کر اس چھوٹی سی محفل کو زعفران بنا دیتی ۔ بالآخر یہ حسیں شام اپنے اختتام کو پہنچی لیکن میں نے وہاں سے بہت کچھ سیکھا کہ کوئی انسان اپنی کمزوری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمت وجذبے سے کام لیتے ہوئے ایک مکمل یقین کے ساتھ خوش رنگ اور حسین زندگی گزارنا چاہے تو محسن نواز کی طرح خوشگوار زندگی بسر کر سکتا ہے۔۔

شہر خموشاں میں چند لمحے

ہر طرف مکان نظر آرہے ہیں ان میں سے کچھ مکان کچے ہیں اور کچھ پکے ہیں مکانوں میں مکین بھی موجود ہیں لیکن یہ پوری آبادی خاموش ہے اس شہر میں گہرا سکوت طاری ہے شاید اسی لئے اس شہر کو شہر خموشاں کہا جاتا ہے کل تک جو زندہ تھے جو زندگی کی رنگینیوں میں مگن تھے جو محفلیں سجایا کرتے تھے زندگی کو اپنے انداز میں گزارا کرتے تھے زمین پر آکڑ کر چلا کرتے تھے موت کا شاذ ونادر جب خیال آ بھی جاتا تو یہ کہہ کر اور سوچ کر کہ ابھی تو لمبی عمر پڑی ہے ابھی ہم نے کہاں مرنا ہے موت کو بھلا کر دنیا کے بکھیڑوں میں گم ہو جایا کرتے تھے دنیا کہ جھمیلوں میں آخرت کو بھی بھلا دیتے تھے وہ مرنے کے بعد شہر خموشاں میں جا بسے ہیں یہاں سبھی دوستوں اور اعزا واقارب نے دفنا کر بھلا دیا ہے کبھی کوئی بھولا بھٹکا دوست اس طرف آ نکلے تو شاید فاتحہ پڑھ کر بخش دے ،

میں گھر کے پاس قبرستان میں موجود گھوم پھر رہا ہوں کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا، ہر سو خاموشی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں کئی قبریں طوفان بادباراں نے مٹا دی ہیں اور کئی پر جھاڑیاں سی اگ چکی ہیں اس گہرے سکوت میں عجیب سی وحشت چھائی ہوئی ہے اور سوچ رہا ہوں کہ کل تک جب یہ لوگ زندہ تھے تو یہ بھی اپنی

زندگی میں مست اور مصروف ہو کر اس آنے والی موت کو بھولے ہوئے ہوں گے اور دنیا کے رنگینیوں اور روشنی میں مگن ہوں گے کہ موت نے آ دبوچا ہو گا کبھی کہیں سے کوئی پرندے کی پھڑ پھڑاہٹ اس خاموشی کو توڑتی اور ماحول کو پراسرار بنا دیتی. بوسیدہ قبروں اور بکھرتے پتھر کے درمیان سے گزرتا میں دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہا تھا کہ جب کوئی عزیز رشتہ دار اس دنیا فانی سے رخصت ہوتا ہے تو کیسے ماتم کیا جاتا ہے آنسو بہائے جاتے ہیں پھر مٹی میں دفنا کر اسے بھول جایا جاتا ہے میں شہر خموشاں کے مکینوں سے ان کے حالات کے بارے پوچھنا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر چپ رہا کون جواب دے گا؟ کہ ان کے اوپر کیا گزر رہی ہے ؟ کئی خوبصورت اور پیارے دوست بھی شہر خموشاں میں جا بسے تھے ان کی قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے دل سے بے اختیار ان کی مغفرت کے لئے دعا نکلی اور ساتھ اک آہ کے ساتھ یہ صدا نکلی ،

زمیں کھا گئی نوجواں کیسے کیسے
مکیں ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہ ہے تماشا نہیں ہے

چہار سو چھائی خموشی میں آہستہ آہستہ قبروں پر لکھے کتبوں کا پڑھتا آگے بڑھتا رہا اور ذہن میں ان گنت سوال آتے اور جاتے رہے کہ یہ لوگ بھی کبھی

زمین پر یوں ہی ہماری طرح چلتے ہوں گے اور بے خبر موت نے انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہوگا کئی لوگوں کو تو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کا بھی وقت نہیں ملا ہوگا کافی دیر شہر خموشاں میں رہا کہ شاید کوئی ذی روح نظر آ جائے لیکن کوئی نہیں آیا، میں سوچنے لگا کہ آج ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے مرجانا ہے اس فانی دنیا کو خیر باد کہ دینا ہے اور اللہ کے حضور پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہے یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ دنیا ایک امتحان ہے اور یہ ہمارا ایک عارضی ٹھکانہ ہے لیکن پھر بھی ہم موت کو بھلا کر مستقبل کے اور کئی سالوں کے پروگرام بنانے میں مصروف ہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں

ساماں سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

قبرستان سے واپسی پر میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمیں عبرت حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی قبرستان ضرور جانا چاہئے کیوں کہ ایک دن ہمیں بھی وہیں جانا ہے ویسے حدیث نبوی ﷺ کے ایک مفہوم کے مطابق عبرت کے لئے قبروں پر جانے کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب رحم فرمائے۔۔۔آمین

پردے کے پیچھے کیا ہے

آخر بھائی بول پڑے کہ آج تین چار دن سے آپ کے معمول میں تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے کیا وجہ ہے؟اوہ سوری میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ حقیقت کیا تھی اور بھائی جان نے میرے اندر کون سی تبدیلی دیکھ لی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ ایک حسینہ دلربا نے اپنی آنکھوں کے وار سے ہمیں چاروں شانے چت کر دیا اور ہمارے زخمی دل پر جب ایک وار اور لگا تو سوچا کہ شاید اب کی بار ہم ناکام نہ ہوں گے اس لئے آج چوتھا دن تھا اس حسینہ کی آنکھوں کا دیدار کرتے کرتے (کیونکہ سر سے لے کر پاؤں تک وہ نقاب میں ہوتی تھی)البتہ اب ہم یہ جاننے میں کامیاب ہوگئے تھے کہ فلاں ٹائم پر اس نے یونیورسٹی کی بس پر بیٹھنا ہے اسی لئے ہم دیر تک سونے والے دن چڑھے اٹھنے والے اپنے معمول سے پہلے اٹھ جایا کرتے ،تیار ہو کر ،بال بنا کر اور آنکھوں میں فینسی چشمہ لگا کر ہم بس سٹاپ پر پہنچ کر اس مہ جبیں کا انتظار کرنا شروع کر دیتے ،اس انتظار کا بھی الگ مزہ تھا پھر وہ حسینہ اپنے باپ کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر بس سٹاپ پر آتی تو ہمارے بے قرار دل کو قرار آجاتا اور دل سے دعا مانگنے لگ جاتے کہ آج بس وقت پر نہ آئے اور ہم اسی طرح حسینہ مہ جبیں کی سمندر جیسی گہری آنکھوں میں کھوئے رہیں ،لیکن یونیورسٹی کی بس ظالم سماج کی طرح وقت پہ آتی اور حسینہ جب لپک کر بس میں

سوار ہوتی تو ہم اس کی سادگی بھری ادا پر دل پکڑ کر بیٹھ جاتے اور بس کو جاتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ اس طرح تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن ہمارے ساتھ بہت برا ہوا، ہم وقت پر بس سٹاپ پر پہنچ گئے آج معمول سے کم رش نظر آرہا تھا بس سٹاپ تو ویران پڑا تھا آج ہم سوچ کر آئے تھے کہ حسینہ سے سلام دعا کریں گے اور اسے بتائیں گے کہ تیری چاہت میں ہم بہت آگے نکل آئے ہیں کہ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ بس سٹاپ کی ویرانی نے ہمارا حوصلہ اور بڑھا دیا ہم انتظار کرتے رہے اور بات کرنے کے بارے سوچتے رہے کہ بات کیسے شروع کریں گے لیکن بس اور حسینہ نے آنا تھا نہ ہی آئے انتظار کرتے کرتے جب سورج ڈھلنے لگا تو ہم بھی تھک ماندے، دل ہارے، کئی وسوسوں اور سوچوں میں گھرے گھر کی طرف چل دیا۔ کبھی ذہن میں یہ خیال آتا کہ شاید اس نے ہماری وجہ سے سٹاپ بدل لیا ہو تو کبھی ذہن میں اس کے ساتھ کسی حادثے یا بیماری کا تصور دل کو مغموم کر دیتا لیکن جب ہم گھر پہنچے تو دیکھا بھائی جان گھر میں تھے ہم نے بھائی جان سے آفس سے جلد واپس آنے کے بارے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آج تو میں آفس گیا ہی نہیں کیونکہ آج تو اتوار ہے اور پھر ہمیں حسینہ کے نہ آنے کی ساری وجہ سمجھ آ گئی۔

لیکن آج جیسے ہی ہم تیار ہو کر گھر سے نکلنے لگے تو بھائی جان جو ہمارے معمول کی تبدیلی کو بھانپ چکے تھے پوچھنے لگے کہ صبح صبح بال بنا کر، چشمہ

لگا کر اور تیار ہو کر کہاں جاتے ہو ؟.اک بار تو ہم پریشان سے ہو گئے کہ شاید بھائی جان نے ہمیں بس سٹاپ پر منڈلاتے دیکھ لیا ہے لیکن پھر ہم سنبھل گئے اور جواب دیا کہ ڈینگی مچھر کے خلاف مہم میں ہم دوستوں نے ایک کمیٹی بنائی ہے تو لوگوں کو آگاہی کے سلسلے میں ہم سب دوست صبح صبح اکٹھے ہو کر اس پر ڈسکس کرتے ہیں بھائی جان کو ہمارے جواب نے مطمئن کیا یا نہیں لیکن ہم نے دل ہی دل میں مچھر کا شکریہ ضرور ادا کیا کہ اس کی وجہ سے آج جان بچ گئی ، ہم جلد سے جلد بس سٹاپ پر پہنچے اور حسینہ مہ جبیں کے خیالوں میں کھوئے انتظار کی گھڑیاں گننے لگے آج موسم بہت سہانا تھا آسماں پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہمارے دل میں توان دنوں ویسے بھی موسم بہار تھا آخر موٹر سائیکل کی صور اسرافیل کی طرح آواز سنائی دی اور حسینہ بس سٹاپ پر پہنچ گئی ،آج حسینہ وقت سے پہلے بس سٹاپ پر آ گئی تھی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید اس حسینہ کو میرے بارے معلوم ہو گیا ہے اور اسے بھی مجھ سے عشق ہونے لگ گیا اس لئے وہ اپنے وقت سے پہلے آئی ہیں لیکن اس وقت میرے ساری خوش فہمی خاک میں مل گئی جب حسینہ کا باپ بھی بائیک کھڑی کرکے اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں باتیں کرنے لگ گئے ادھر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور ادھر آسمان کو بھی شاید مجھ پر رحم آیا اور اس نے میری اندر لگی عشق کی آگ کو بجھانے کے لئے آسماں سے پانی برسانا شروع کر دیا، ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی جو جلد ہی تیز بارش میں بدل گئی بس سٹاپ پر کوئی چھت وغیرہ نہیں تھی سو ہم بھیگنے

لگے اس کا نقاب بھی بھیگنے لگا اچانک ایک فقرہ میرے کانوں میں سنائی دیا جس سے
میرے ہوش و حواس کام کرنا ساتھ چھوڑ گئے جب مرد نے اسے یہ کہا کہ بیگم صاحبہ اگر
آج کوئی ضروری لیکچر نہیں دینا ہے تو واپس گھر کو چلیں اس نے سر ہلایا نقاب کو چہرے
سے ہٹایا اس سے چہرے کو صاف کیا میک اپ جب اترا تو یہ راز کھلا کہ وہ کوئی
پینتالیس سالہ لیکچرار تھی۔۔

پاکستان کی سیاست۔۔اک نظر میں۔۔

پاکستان میں موسم تبدیل ہو رہا ہے گرمی کا زور ٹوٹ چکا ہے سردی کی آمد آمد ہے دوسری طرف سیاسی موسم میں بھی کافی تبدیلیاں دیکھنے میں آرہی ہیں لیکن جہاں پر پاکستان میں موسم سرد ہو رہا ہے وہیں سیاسی موسم میں گرمی مچی ہوئی ہے اور ایک ہلچل دیکھنے میں آرہی ہے لاہور میں عمران خان کے کامیاب جلسے کے بعد ایک نیا سیاسی منظر نامہ دکھائی دینے لگا ہے جس میں عمران خان کی جماعت پاکستان کی سیاست میں ایک بڑی پارٹی کی شکل میں دکھائی دینے لگی ہے،دوسری طرف بریف کیس بھی تیار ہونے لگ گئے ہیں پاسپورٹوں پہ ویزے لگانے کا انتظام بھی ہو رہا ہے جو اقتدار کے مزے لوٹ چکے ہیں اور انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ابھی ہماری باری نہیں آئے گی تو وہ باہر اپنے گھروں کی طرف جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں کچھ سیاستدان جو اس دور حکومت میں اقتدار کے مزے نہیں لوٹ سکے تھے اور بیرون ممالک اپنے کاموں میں مصروف تھے اقتدار حاصل کرنے کے لئے وہ بھی پاکستان کی راہ تک رہے ہیں دوسری طرف کچھ سیاستدان دوبارہ اقتدار کے مزے لینے کے لئے اپنا اگلا لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف ہیں ان میں سے کچھ نے تو اپنے حلقوں میں جا کر اپنا دیدار کروانا شروع کر دیا ہے اور ایک بار پھر سادہ لوح عوام کو لولی پاپ سے بہلانے کے لئے کارنر میٹنگز کا اہتمام بھی کر رہے ہیں

سیاسی حلقوں میں کافی گہما گہمی ہے نگران حکومت بننے کے بارے بھی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے سیاسی حلقوں میں جوڑ توڑ کا عمل جاری ہے ابھی سے جلسے، جلوس اور ریلیاں نکلنا شروع ہو گئیں ہے ایسا لگ رہا ہے کہ الیکشن کا زمانہ قریب آنے والا ہے لیکن ابھی تو الیکشن کا وقت بہت دور ہے کیونکہ اصولی طور پر الیکشن کو 2013ء میں ہونا چاہئیں ویسے بھی سائیں گیلانی نے کہا ہے کہ 2013ء سے پہلے کوئی تبدیلی نہیں آ رہی اور لوگ اپنی باری آنے کا انتظار کریں لیکن مندرجہ بالا صورتحال کے مطابق موجودہ حکومت اپنی آئینی مدت پوری کر پائے گی؟؟ یا پھر سینٹ الیکشن سے پہلے اسمبلیاں تحلیل ہو جائیں گی؟؟ لیکن یہ سب باتیں قبل از وقت ہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا ہوگا۔۔

دوسری طرف مسلم لیگ ن نے بھی گو زرداری گو تحریک میں تیزی لانے کیلئے مشاورت شروع کر دی ہے لیکن اس وقت ن لیگ کو دو محاذوں پر لڑنا ہے ایک طرف تو زرداری صاحب ہیں اور دوسری طرف عمران خان نے بھی میاں صاحبان کی نیندیں اڑائی ہوئی ہیں، کپتان صاحب نے لاہور میں کامیاب شارٹ کھیل کر میاں صاحبان کو بتا دیا ہے کہ لوگ اب تبدیلی چاہتے ہیں لیکن میاں صاحب بھی اس پچ کے پرانے کھلاڑی ہیں۔ خیر یہ تو جب میچ ہو گا تب پتا چلے گا کہ کون سا کھلاڑی اچھا ہے اور جیت کس کا مقدر ہے۔۔

اگر بات کریں ایم ۔ کیو۔ایم کی تو وہ ان دنوں کافی بوکھلائی ہوئی دکھائی دے رہی ہے ایک طرف ان کے عمران خان ہے تو دوسری طرف ان کا اپنا عمران فاروق ہے رہی سہی کسر مرزا صاحب نے پوری کر رکھی ہے مسلم لیگ ق حکومت کرو اور مٹی پاؤ والے فارمولے پر عمل پیرا ہے جہاں تک جے۔یو۔آئی ،جماعت اسلامی اور دوسری اسلامی جماعتوں کا اتحاد یا ایم ۔ایم ۔اے کو فعال کرنے کی بات ہے تو وہ کافی مشکل ہے اور ابھی تک اس پر کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا شیخ رشید صاحب لال حویلی میں بیٹھ کر سگار ہی سلگاتے رہیں گے اور دھوئیں کے مرغولے میں اپنے دور اقتدار کو یاد کرکے آنسو بہاتے ہوئے یہ کہتے رہیں گے کہ 'تو نہ سہی، تیریاں یاداں سہی'فارورڈ بلاک اور ہم خیال گروپ کے لئے مسلم لیگ ن بند دروازے کھولتے ہوئے اور گلے سے لگاتے ہوئے یہ کہے گی کہ "صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے" پیر صاحب اسٹیبلشمنٹ کے سہارے کہیں نہ کہیں سیٹ ہوجائیں گے،یہ خیال بڑا ہولناک قسم کا ہے پیپلز پارٹی اس وقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی دکھائی دے رہی ہے لیکن اب یہ اپنی ،باری لے چکی ہے اب کسی اور کو باری لینی چاہئے

کچھ حلقے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ عمران خان اسٹیبلشمنٹ سے ڈیل کرکے آگے آنے کی کوشش کر رہا ہے اور مخالفین یہ کہتے بھی سنائی دے رہے ہیں کہ

اس وقت پاکستان تحریک انصاف اسٹیبلیشمنٹ کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے اور چور دروازے سے اندر آنے کیلئے کوشاں ہے، دوسری طرف دیکھا جائے توسب جماعتیں ہی آمریت کی پیداوار ہیں اس وقت حکمران جماعت پیپلزپارٹی کی بات کی جائے تواس نے جنرل ایوب خان کی کوکھ سے جنم لیا، دوسری بڑی پارٹی پاکستان مسلم لیگ ن ، جنرل ضیاء الحق کی گود میں پروان چڑھی، تیسری جماعت پاکستان مسلم لیگ ق کو جنرل مشرف نے بیساکھیاں فراہم کیں ملک کی ساری چھوٹی بڑی جماعتوں کو جی۔ایچ۔کیو نے تحفظ فراہم کیا،ایک واحد جماعت پاکستان تحریک انصاف تھی جو کسی اسٹیبلشمنٹ کی پیداوار نہیں تھی بلکہ ایک عوامی جماعت کے طور پر سامنے آئی تھی لیکن اب یہ الزامات کہ یہ اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں کھیل رہی ہے تو واقعی اس جماعت کی قیادت کو سوچنا چاہیئے۔ سب باتوں کو چھوڑ کر یہ دیکھتے ہیں کہ آئندہ ملک کا سب سے بڑا منصب کسے ملتا ہے اور کون اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ کر پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے یا میرے پیارے ملک کواپنے پیٹ کی خاطر پستی میں دھکیلتا ہے لیکن ساری قوم یہی دعا کر رہی ہے۔

خدا کرے مری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہءزوال نہ ہو
جو پھول کھلے ، کھلا رہے صدیوں تک

یہاں خزاں کے گزرنے کی مجال نہ ہو۔

انٹرنیٹ کی دنیا، علم و ادب ،اور اسالیب

آپ غور کریں کہ انٹرنیٹ کے آنے کی وجہ سے جہاں دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے وہیں خون کے رشتے پتلے اور مصروفیات کی نذر ہوتے چلے جارہے ہیں انٹرنیٹ کے آنے کی وجہ سے انسان کافی سہل پسند ہوگیا ہے انٹرنیٹ کی افادیت اور اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جاسکتا لیکن انٹرنیٹ نے جہاں پر لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کیا ہے نئے نئے رشتے اور نئے نئے دوست بنائے ہیں وہیں اس کے جھمیلوں میں اور مصروفیت میں ہماری نوجوان نسل کتابوں سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اگر ہم اس دور میں ادب کی بات کریں اور کتابوں کے مطالعے کے رجحان پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں ہر انسان مصروف سے مصروف تر ہوتا جارہا ہے ادبی دنیا سے اور کتابوں کے مطالعے سے دلچسپی کم ہوتی چلی جارہی ہے ادبی محفلیں جمتی تو ہیں لیکن ان میں بھی ایک بناوٹی اور ظاہری رنگ سا بھرا ہوا لگتا ہے پرانا ادبی رسم ورواج وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑتا جارہا ہے اور لوگ ادب سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ موجودہ وقت میں ادب کو مزید فروغ حاصل ہوتا۔ اور ادبی دنیا ترقی کی بلندیوں کو چھوتی کیونکہ اس وقت ادبی مجلے کثیر تعداد میں شائع ہو رہے ہیں اور انٹرنیٹ پر ویب سائٹس کے ذریعے علم و ادب پر خوبصورت انداز میں کام ہو رہا ہے لیکن ان حالات میں ادب سے محبت

کرنے والے لوگ خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں، راقم کے مطالعے میں اس وقت سہ ماہی اسالیب ہے جو کہ شاہینوں کے شہر سرگودھا سے شائع ہوتا ہے یہ کئی سالوں سے سرگودھا سے علم وادب کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہے اس دور میں جب تخلیقی کام کم ہوتا جا رہا ہے اس وقت ایسے خوبصورت ادبی میگزین جو نئے لکھنے والوں کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرکے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں سہ ماہی اسالیب کو پچھلے کئی سالوں سے ہمارے بھائی جناب ذوالفقار احسن صاحب بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں جو کہ خود بھی شاعر بھی ہیں اور صحافی بھی، ان کی سرپرستی میں یہ میگزین ادبی دنیا کے نامور شکیب جلالی کی یاد میں شاہینوں کے شہر سرگودھا میں ادب کے دیئے جلائے ہوئے ہے کسی شمارے کو نکالنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن اسے کامیابی سے چلانا اور اس کے معیار کو وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنا انتہائی مشکل کام ہے اور اس کے لئے محترم جناب ذوالفقار احسن صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں جو گزشتہ کئی سالوں سے ادب کی شمع کو سرگودھا سے روشن کر رہے ہیں جیساکہ شروع میں راقم نے عرض کیا تھا کہ آج انٹرنیٹ کا زمانہ ہے کتابوں سے زیادہ ویب سائٹ کو زیادہ پڑھا جاتا ہے اسی بات کومد نظر رکھتے ہوئے سہ ماہی اسالیب کی ٹیم نے ایک ویب سائٹ کا اجراء بھی کیا ہے تاکہ پاکستان کے باہر اور پوری دنیا میں علم وادب کے پیاسے اپنی تشنگی کو دور کر سکیں سہ ماہی اسالیب ایک خوبصورت اور معیاری صفحوں کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہوتا ہے asaleeb.online.com.pk پر بھی اس

خوبصورت ادبی میگزین کو پڑھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ادبی ویب سائٹس اور ادبی شمارے کا اجراء کرنے والوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھ تاکہ وہ اسی طرح علم و ادب کی شمع روشن کرتے رہیں اور دنیا سے جہالت کو ختم کرتے رہیں۔ آمین

حقیقت ـــــ یا ـــــ فسانہ

سمیر کے موبائل پر مس کال آئی ، نمبر دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ دوستوں سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں گھس کر کال کرنے لگا بیل جا رہی تھی اور سمیر بے تاب تھا کہ جلد کال رسیو ہو اور پھر دوسری طرف سے ایک خوبصورت ہیلو کی آواز سنائی دی۔۔

سمیر گاؤں کے چودھری کا اکلوتا بیٹا تھا جو چار بہنوں کے بعد بڑی منتوں سے پیدا ہوا تھا اس کی پیدائش پر چوہدری نے پورے گاؤں میں ایک جشن منایا تھا جوں جوں سمیر بڑا ہوتا گیا اس کے لاڈ اور نخرے بھی بڑھتے گئے اس کی ہر خواہش کی تکمیل کی جاتی تھی لیکن چوہدری نے اس کی تربیت کا خاص خیال رکھا تھا اسی لئے سمیر پڑھائی میں کافی اچھا تھا اور کلاس میں پہلی پوزیشن پر آتا تھا گاؤں میں صرف ایک ہائی سکول تھا سمیر نے میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔

چودھری نے اپنے بیٹے کو مزید تعلیم کے لئے شہر بھیج دیا اور یہاں اسے ایک اچھے کالج میں داخل کروانے کے ساتھ ہاسٹل میں اس کی رہائش کا بندوبست بھی

کروادیا یوں سمیر گاؤں کی زندگی سے شہری ماحول میں آگیا، شروع شروع میں اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس نے پڑھائی پر توجہ مرکوز کر دی، یوں وہ کالج کا ایک ہونہار سٹوڈنٹس کے طور پر ابھر کر سامنے آیا لیکن بد قسمتی سے اسے کالج میں کچھ برے لوگوں کی صحبت میسر آ گئی. جو آوارہ قسم کے تھے لیکن سمیر نے یہاں پر بھی اپنا دامن بچائے رکھا اور پڑھائی میں مصروف رہا، شہزاد جو کہ سمیر کا دوست تھا، نے ایک بار سمیر سے پوچھا کہ تیری کوئی گرل فرینڈ بھی ہے سمیر نے نفی میں سر ہلایا اور کہا کہ گرل فرینڈ کو وہ اچھا نہیں سمجھتا، شہزاد نے اسے کہا کہ انسان کی گرل فرینڈ ہونی چاہئے جب سمیر راضی نہ ہوا تو اس نے اس دن سے اسے مولوی کہنا شروع کر دیا یوں دن بیتتے چلے گئے اور سمیر تیسرے سال میں پہنچ گیا۔

ایک رات وہ اپنے کمرے میں ایک اسائنمنٹ بنا رہا تھا کہ اس کے موبائل پر کسی انجان نمبر سے کال آئی، دوسری طرف کوئی لڑکی تھی سمیر نے اس کے بارے پوچھا اور پھر رانگ نمبر کہہ کر کال منقطع کر لی ،اس کے بعد اس نمبر سے دو بار مس کال آئیں، تو سمیر نے موبائل فون سائیلنٹ پر لگایا اور اسائنمنٹ بنانے میں مشغول ہوگیا جب لیٹ نائٹ وہ اپنے کام سے فارغ ہوا،اور سونے لگا تو موبائل پہ الارم لگانے کے خیال سے اسے اٹھایا تو اس میں اسی رانگ نمبر سے تین میسجز آئے ہوئے تھے. جس میں لکھا تھا 'پلیز کال می'۔

کرنا چاہا لیکن پھر یہ سوچ کر کال ملادی کہ نہ جانے ignore سمیر نے پہلے تو اس میسج کو اسے کوئی مسئلہ ہو، بیل جاتی رہی اور پھر دوسری طرف سے اسی لڑکی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی، کہ مجھے آپ کی آواز اچھی لگی تھی اس لئے آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن اس وقت سب سو رہے ہیں کل میں آپ سے بات کروں گی پلیز مجھ سے ضرور بات کرنا، یہ بات کہہ کر اس نے کال منقطع کر دی لیکن سمیر اس کے خیالوں میں کھویا رہا۔ رات کے کونسے پہر سے اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کی وادی میں اترتا چلا گیا، دوسرے دن معمول کے مطابق وہ کالج گیا رات والا واقعہ اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا جب واپس ہاسٹل پہنچ کر موبائل دیکھا تو رات والے رانگ نمبر سے کئی کالیں اور میسج آئے ہوئے تھے جس میں بات کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔

سمیر نے کال کی اور اس کے بارے پوچھا تو اس نے کہا کہ بس آپ کی آواز مجھے اچھی لگتی ہے اس لئے روز مجھ سے بات کیا کرو، سمیر نے پہلے تو ٹالنا چاہا لیکن اس نے منت آمیز لہجے میں کہا تو سمیر بھی بادل نخواستہ اسے بات کرنے پر آمادہ ہو گیا اور یوں ان دونوں کی ٹیلیفونک دوستی ہو گئی پہلے پہلے تو دن میں ایک بار تھوڑی دیر کے لئے بات ہوتی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ دونوں ایک دوسرے سے لمبی بات کرتے نہیں تھکتے اور بسا اوقات تو پوری رات باتوں میں

بیت جاتی ،اب سمیر بھی اس کی کال کا انتظار کرتا اور وہ یوں دونوں طرف سے ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے حالانکہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا۔یوں سمیر اس کی آواز کے جادو میں گرفتار ہو کر اسے دل دے بیٹھا، دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر سے بھاگنے کا پروگرام بننے لگے۔

اب جب سمیر نے فون ملایا تو دوسری طرف وہی ٹیلیفونک محبوبہ کی آواز سن کر سمیر کا انگ انگ مسرت سے لبریز نظر آنے لگا کیونکہ آج دونوں نے پروگرام فائنل کر لیا تھا پلین کے مطابق سمیر کو دوسرے شہر اپنی محبوبہ کو لے کر اپنے دوست کے پاس جانا تھا جہاں ان کا نکاح ہوتا، پروگرام کے مطابق سمیر اپنی ٹیلی فونک محبوبہ کے شہر پہنچا جہاں ان دونوں کو ریلوے سٹیشن پر اکٹھے ہونا تھا سمیر کافی دیر انتظار کرتا رہا،اور اس کا فون ملاتا رہا لیکن آگے سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا اسی طرح گھنٹوں گزر گئے اب سمیر آ کر پچھتا رہا تھا لیکن اس کا دل اسے تسلیاں دے رہا تھا کہ نہیں وہ ضرور آئے گی جب انتظار طویل ہو گیا تو سمیر واپسی کے قصد سے ٹکٹ لینے لگا تو موبائل پر بیل سنائی دی جب نمبر دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی کیونکہ اس کی محبوبہ کی مس کال تھی سمیر نے جلدی سے کال بیک کی تو اس نے کہا کہ سرخ کپڑے پہنے میں رکشہ سٹینڈ پر کھڑی ہوں سمیر جلدی جلدی رکشہ سٹینڈ پر پہنچا تو اسے،

کوئی لڑکی نظر نہیں آئی البتہ ایک پینتیس سالہ عورت سرخ کپڑوں میں ملبوس چیچک زدہ چہرے والی سامان کی دو گٹھڑیاں باندھے پاس کھڑی تھی، سمیر نے فون ملایا ساتھ کھڑی اس عورت کا موبائیل بجنے لگا اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی، سمیر کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ اس عورت کے ساتھ وہ گھر سے بھاگ رہا تھا جلدی سے وہاں سے کھسکا، موبائل آف کر کے ٹرین پر بیٹھا اور پشیماں پشیماں شہر واپس آگیا۔

پاک امریکہ تعلقات۔۔۔۔پاک فوج کو سلام

نیٹو حملے کے بعد پاکستان نے بہت زبردست قسم کا سٹینڈ لیا ہے اور پرزور مذمت کی گئی ہے جس کی وجہ سے پاک امریکہ تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی ہے اور پاک امریکہ تعلقات نازک ترین مراحل میں داخل ہو چکے ہیں اس طرح پہلے بھی نیٹو افواج کی طرف سے حملے ہوتے رہے ہیں لیکن معافی تلافی کی وجہ سے حالات معمول پہ آجاتے تھے اور تعلقات بحال ہوجاتے تھے لیکن اس بار حکومتی اور فوجی احتجاج کو عوامی حلقوں میں سراہا جارہا ہے لیکن اب فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے یہ مذمت کا وقت نہیں ،مزاحمت کا وقت ہے ویسے بھی فرمان باری تعالیٰ کے مفہوم کے مطابق یہود ونصاریٰ کی دوستی سے ہمیں منع کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ انہیں دوست نہ بناؤ ،کچھ حلقے یہ سوال بھی اٹھارہے ہیں کہ امریکہ کی طرف سے اگر قرض واپسی کی ڈیمانڈ کردی گئی تو کیا ہوگا؟پاک امریکہ تعلقات خراب ہوگئے تو پاکستان کی معیشت کمزور ہوجائے گی ؟پہلی بات تو یہ ہے کہ بحثیت مسلمان ہمیں اپنے رب پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گا اور رہی بات اسباب کی ،تو ہمیشہ کی طرح چین ہمیں مکمل سپورٹ کرے گا جس کی وجہ سے پاکستان میں معیشت بھی بہتر ہوگی اور ہمیں امریکیوں سے آزادی بھی حاصل ہوجائے گی لیکن بات وہیں پہ آکر رک جاتی ہے کہ پاکستان سے امریکہ کے مفاد وابستہ ہیں اور

پاکستان ایک ایسے خطے پر واقع ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے امریکہ ،افغان جنگ پاکستان کے تعاون کے بغیر جیتنا تو در کنار جاری بھی نہیں رکھ سکتا،اور بھاگنا بھی چاہے تو وہ بھی اب اس کے لئے آسان نہیں رہا۔

دوسری طرف دیکھا جائے کہ پاکستان کو امریکہ سے کیا مفادات وابستہ ہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ امریکا دنیا میں ایک سپر پاور کی حیثیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کو یورپین منڈی میں تجارت آسان رہتی ہے ،اور امریکہ وقتاً فوقتاً پاکستان کو امداد بھی مہیا کرتا رہتا ہے لیکن امداد کے مقابلے یں اخراجات زیادہ ہیں امریکہ سے دوستی کی وجہ سے ہم دہشت گردی کی نام نہاد جنگ میں دھکیلے جا چکے ہیں ،دہشت گردی کی اس جنگ میں پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے حالات انتہائی مخدوش رخ اختیار چکے ہیں اگر پاکستان امریکہ سے اونچی آواز میں بات بھی کرتا ہے تو امداد روک لینے کی دھمکی دی جاتی ہے۔

اے طائر لاہوتی ،اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

پاکستان سے امریکہ کو ایک اور مفاد بھی وابستہ ہے لیکن اسے مفاد نہیں امریکہ کی خدمت کہیں تو بہتر ہوگا کہ نیٹو کو لاجسٹک سپلائی مہیا کرنا بھی

پاکستان کی ذمہ داری ہے اور اس میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ نیٹو کنٹینرز پر پاکستان میں ڈیوٹی کی مد میں صرف چند سو روپے لئے جا رہے ہیں اور نیٹو کنٹینرز کی وجہ سے پاکستان کی ہائی وے کو اربوں کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے لیکن امریکہ کی خوشنودی کے لئے وہ یہ سب کام خوشی سے کر رہا ہے لیکن نیٹو حملے کے بعد پاکستان نے یہ جرات مندانہ اقدام کیا ہے کہ نیٹو کے کنٹینرز کو روک دیا ہے اور ان کی لاجسٹک سپورٹ کرنا بند کر دی ہے اس فیصلے کو عوامی حلقوں میں کافی سراہا گیا ہے۔

پاک امریکا تعلقات انتہائی نازک مراحل میں داخل ہو چکے ہیں لیکن امریکہ پھر بھی پاکستان کی جان نہیں چھوڑے گا لیکن حکومت کو اور افواج پاکستان کو چاہئے کہ اب وقت آگیا ہے کہ دوٹوک موقف اختیار کیا جائے اور امریکا سے برابری کی سطح پر بات کی جائے۔ ہوسکے تو اس عالمی دہشت گرد سے جان چھڑائی جائے کیونکہ پاکستانی قوم ایسا چاہتی ہے۔ آخر میں پاک فوج کے ان بہادر نوجوانوں کو سلام، جنہوں نے قوم کی اور اپنے وطن کی حفاظت کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور اللہ کے ہاں سرخرو ہوگئے۔

اے راہ حق کے شہیدو، وفا کی تصویرو

تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

کچھ لوگ شب کی تاریکی میں

اندھیرے کا تصور ہی عجیب سا اور خطرناک سا ہے اندھیرا ویسے تو ہیبت ناک سا نظر آتا ہے یہ راتیں بھی عجیب ہوتی ہیں اور راتوں کی ساعتیں بھی منفرد ہوتی ہیں رات کا چھایا گھرے اندھیرے سے کچھ لوگوں کو تو وحشت سی ہوتی ہے لیکن رات کی تاریکی میں جب دنیا محو خواب ہوتی ہے ایک سناٹا سا چھایا ہوتا ہے تو اس گھرے سکوت میں کسی دل والے کو کسی کی یاد ستاتی ہے روشن چاند پر جب نظر پڑتی ہے اور چمکتے تارے جب نظر آتے ہیں تو کچھ لوگ اس وقت محبوب کے فراق میں چند الفاظ کہتے ہیں تو وہ شاعری بن جاتا ہے ،کچھ لوگ گہری رات میں خاموشی کے عالم میں اللہ تعالی کے حضور گڑگڑاتے ہیں ، گریہ وزاری کرتے ہیں اور اپنی غلطیوں ، کوتاہیوں اور گناہوں کی بخشش کروالیتے ہیں ،کچھ لوگ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راہزنی ،لوٹ مار اور ڈکیتی سے لوگوں کو ایذا پہنچا کر دنیا کے چکر میں اپنی عاقبت برباد کر دیتے ہیں ،کچھ لوگوں کو شب کی تیرگی میں ٹھوکریں بھی لگتی ہیں کچھ لوگ اندھیرے میں دوسروں کے لئے دیئے بھی جلاتے ہیں اور ظلمتوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں کچھ لوگ خوفناک اندھیرے میں حوا کی بیٹی کے پاؤں میں گھنگرو ڈال کر رقص کرواتے ہیں اور شراب کے جام سے بدمست ہوجاتے ہیں اور دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں (یہ طبقہ اسے انجوائے منٹ کہتا ہے)۔

کیسے دور جہالت میں جی رہے ہیں ہم یہاں
آدم کا بیٹا خوش ہوتا ہے حوا کی بیٹی کو بے نقاب دیکھ کر

کچھ لوگ رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر غرباء کی امداد کرتے ہیں اور اپنی عاقبت سنوارتے نظر آتے ہیں (لیکن ایسے اس زمانے میں خال خال ہی ملتے ہیں) کچھ لوگ اندھیری رات میں بوڑھے والدین کی خدمت کرکے اللہ کے ہاں سرخرو ٹھہرائے جاتے ہیں، کچھ لوگ اس دنیا میں ایسے بھی ہیں بوڑھے والدین کی بیماری کو نظر انداز کرکے بیوی کی آغوش میں جا کر مزے سے سو جاتے ہیں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو رات کے اندھیرے میں اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر دشمنوں پر نظر رکھے ہوتے ہیں، کچھ لوگ شب کی تیرگی میں اپنے رب کو بھول کر دنیاوی آسائشوں میں آرام کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں لیکن انہیں آرام نہیں ملتا کیونکہ دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے "اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے "کچھ لوگ اسی رات کے اندھیرے میں اور گہری خاموشی میں دنیا والوں سے چھپ کے زنا کرتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا والوں سے تو چھپ گئے لیکن ایک ذات ہے جو دیکھتی ہے اور باخبر ہے یہاں ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے قافلے کے ساتھ جنگل سے گزر رہے تھے تو ان کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا تو پاس ہی ایک چرواہا بھیڑیں چرا رہا تھا انہوں نے اسے کہا کہ ہمیں ایک

بھیڑ خریدنی ہے اس پر چرواہے نے کہا کہ یہ بھیڑیں میری نہیں ہیں میرے مالک کی ہیں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اسے آزمانے کے لئے کہا آپ کا مالک دیکھ تو نہیں رہا ہے تم کہہ دینا کہ ایک بھیڑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے اس پر چرواہے نے جواب دیا "فَاَینَ اللہ" (پھر اللہ کہاں چلے جائیں گے) عبداللہ بن عمرؓ بہت خوش ہوئے اور مدینہ پہنچ کر بھی مزے مزے سے یہ کہتے تھے کہ ایک چرواہا کہتا ہے "اَینَ اللہ، این اللہ" (اللہ کہاں چلے جائیں گے، اللہ کہاں چلے جائیں گے)۔

اچھا تو بات ہو رہی تھی رات کی تاریکی اور اندھیرے کی، کچھ لوگ پاکستان میں رات کی تاریکی میں سیاسی وفاداریاں اپنے مفاد کی خاطر تبدیل کر لیتے ہیں اور کچھ سیاستدان شب کے اندھیرے میں جرنیلوں سے ملاقات کرتے ہیں، اندھیرا اور یہ راتیں بھی عجیب ہوتی ہیں اور شب کی ساعتیں بھی منفرد ہوتی ہیں۔۔۔

یہ دسمبر بھی گزر جائے گا

دسمبر لوٹ آیا ہے جب بھی دسمبر آتا ہے تو کئی پرانی یادیں اور پرانے زخم بھی تازہ ہو جاتے ہیں لیکن یہاں یہ بات بھی بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ دسمبر اور ساون میں بھی کوئی قدر مشترک ہے کیونکہ ان موسموں میں شاعرانہ طبیعت مزید بے تاب ہو جاتی ہے اور الفاظ غزلوں اور شاعری کی صورت میں بہتے چلے جاتے ہیں لیکن یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ دسمبر میں کچھ ایسی تلخ یادیں بھی ہیں جن سے ہم نظریں نہیں چرا سکتے اور ان بدنام داغوں کو اور تلخ لمحوں کو جتنا بھی بھلانے کی کوشش کریں تو ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے ۔ کیونکہ وہ بھی دسمبر تھا جب پاکستان دولخت ہو گیا تھا اور میرے پیارے ملک کا ایک بازو کاٹ دیا گیا تھا پیارے پاکستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جی ہاں وہ دسمبر ہی تھا جب سرد ہوائیں چل رہی تھیں جب موسم میں خنکی تھی لیکن جذبات گرم تھے پاک فوج کے جری نوجوان جذبہ شہادت سے لیس تھے لیکن پھر ایسی کیا بات ہوئی کہ آخری دم تک لڑنے والی اور موت کی کو ہنس کر گلے لگانے والی قوم کے سپاہیوں نے ہتھیار کیوں ڈال دیئے ؟ کیوں وہ سرینڈر ہو گئے ؟ کیا وہ موت سے ڈر گئے ؟ آخر ایسی کیا وجہ تھی کہ انہیں اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کرنا پڑا ؟ جب میں یہ باتیں سوچتا ہوں تو میرا سر شرم سے اور ندامت سے جھک جاتا ہے میں پشیماں ہو جاتا ہوں اور

سوچتا ہوں ایسی کونسی سازش ہوئی جس کی وجہ سے میرے ملک کو تقسیم ہونا پڑا، دسمبر میں جب پاک فوج نے ہتھیار ڈالے اور جب انہیں قید کرکے لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت دیکھنے والوں کی آنکھوں میں حیرانگی تھی کہ یہ اس قوم کے نوجوان ہیں جو موت کو عزیز رکھتی ہے اور جس نے چھ سال پہلے 1965 میں ہمیں ایسا سبق سکھایا تھا کہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ لوگ بھی ہتھیار ڈال سکتے ہیں، دسمبر میں لگنے والا پاکستان کی تاریخ میں یہ بدنما دھبہ جو شاید کبھی نہ دھل سکے دسمبر کے آتے ہی یہ زخم پھر سے تازہ ہو جاتا ہے لیکن آج ہم یہ عہد کریں کہ ہم سب ایک ہیں ہم نے
پنجابی، پٹھان، بلوچی، سندھی، اور کشمیری سے اپنی پہچان نہیں کروانی، ہم سب ایک مسلمان اور سبز ہلالی پرچم کے نیچے صرف پاکستانی ہیں اور پاکستان کی طرف اٹھنے والی ہر نظر کو ہم پھوڑ ڈالیں گے ۔اور اپنے اس پیارے چمن کی حفاظت کے لئے اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

دسمبر میں ایک اور سانحہ بھی ہوا، جس نے پاکستان سے ایک ذہین سیاستدان کو ہم سے چھین لیا، جی ہاں وہ بھی ماہ دسمبر تھا جب بینظیر بھٹو کو راولپنڈی میں ایک جلسہ عام میں شہید کر دیا تھا لیکن بدقسمتی سے ابھی تک ان کے قاتلوں کا پتا نہیں چلایا جا سکا، دسمبر میں جہاں بہت سی تلخ یادیں ہیں وہیں پر عیسائی برادری میں دسمبر خوشیوں کا باعث بھی ہے جو کرسمس بڑی دھوم

دھام سے مناتے ہیں وہ بھی ماہ دسمبر تھا جس میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پیدا ہوئے اور جن کی کوششوں سے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی جیسی لازوال دولت نصیب ہوئی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آیا ہمیں اس ماہ یہ بھی عہد کرنا چاہئے کہ قائد نے جس پاکستان کو بنانے کے لئے دن رات ایک کر دیئے تھے ہمیں اس پاکستان کو بچانے اور چلانے کے لئے دن رات ایک کرنا ہوگا تاکہ اس پیارے سے چمن میں بہار آجائے ،

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے

وہ فصل گل جسے اندیشہ ءزوال نہ ہو

دسمبر کا تذکرہ ہو رہا ہے تو اسی دسمبر کی بھی بات کئے جاتے ہیں کہ ابھی موسم تبدیل ہونا شروع ہوگیا ہلکی ہلکی ٹھنڈ پڑنا شروع ہوچکی ہے لیکن سیاسی موسم میں کافی گرمی دیکھنے میں آرہی ہے ،اس دسمبر میں 25 تاریخ کو کافی اہمیت حاصل ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ کرسمس بھی اسی تاریخ کو ہے اور بابائے قوم بھی اسی تاریخ کو پیدا ہوئے تھے لیکن ساتھ ساتھ سیاسی حلقوں میں بھی اس تاریخ کو کافی اہمیت حاصل ہے کیونکہ 25 دسمبر کو پاکستان تحریک انصاف کراچی میں جلسہ عام کر رہی ہے اور اس جلسے پر ساری سیاسی جماعتوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور دوسری طرف اسی تاریخ کو جماعت اسلامی لاہور میں دھرنا دے رہی ہے دیکھتے ہیں کہ یہ سیاسی اونٹ اب کس کروٹ بیٹھتا ہے، دسمبر لوٹ آیا ہے جب

بھی دسمبر آتا ہے تو کئی پرانی یادیں اور پرانے زخم بھی تازہ ہو جاتے ہیں اس طرح نئی زخم اور نئی یادیں دے کر یہ دسمبر بھی گزر جائے گا۔۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین

دوستی اور حافظ صاحب کی سالگرہ

آزادی کی طرح دوستی بھی ایک نعمت ہے اچھا دوست ایک لازوال دولت کی مانند ہے لیکن موجودہ دور میں اچھے اور مخلص دوست ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔کچھ دن پہلے میں نے دیکھا کہ ایک باباجی محدب عدسہ لگا کرکچھ ڈھونڈ رہے تھے پوچھنے پر باباجی نے بتایا کہ دوست ڈھونڈ رہا ہوں جوخود غرض نہ ہو، مخلص بھی ہو،وفادار بھی ہو لیکن ساری عمر گزر گئی ابھی تک کوئی مخلص دوست نہیں ملا۔لیکن ہم اس لحاظ سے کافی خوش قسمت واقع ہوئے ہیں کیونکہ ہمارے دوستوں کی لسٹ کافی لمبی ہے جس میں کافی اچھے اور مخلص دوست بھی ہیں جن میں ایک حافظ محمد مظفر محسن صاحب بھی ہیں اب ان کے بارے میں کیا بتاؤ ں کیونکہ انہیں تو ساری دنیا جانتی ہے اور وہ اپنی تعریف آپ ہیں میں نے ایک بچے سے پوچھا کہ آپ حافظ مظفر محسن کو پہچانتے ہو پہلے تو بچہ ہنسنے لگا میں سمجھا شاید اس نے بھی حافظ صاحب کی مزاح سے بھرپور کوئی تحریر پڑھی ہوئی ہے تبھی ہنس رہا ہے لیکن جب اس نے جواب دیا تو میری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ وہ سمجھا کہ شاید میں اس سے کسی کارٹون پروگرام کے بارے پوچھ رہا تھا.

حافظ صاحب سے جب تک ملاقات نہیں ہوئی تھی تو میں انہیں حافظ سوہن حلوے والا

سمجھتا تھا کیونکہ حافظ صاحب کافی عرصہ ملتان رہے تھے لیکن بعد میں پتا چلا کہ یہ حافظ حلوے والے نہیں بلکہ جلوے والے ہیں، جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ حافظ صاحب مزاح کی دنیا کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں لیکن اپنی زندگی میں حافظ صاحب کافی سنجیدہ انسان ہیں اور ہمیں حافظ محمد مظفر محسن صاحب کی دوستی پر فخر ہے کیونکہ حافظ صاحب سے ہمیں کافی کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہے اور اب بھی سیکھ رہے ہیں (اور امید ہے کہ ان کے بڑا ہونے تک سیکھتے رہیں گے)۔

کچھ دن پہلے ہمیں خبر ہوئی کہ حافظ صاحب کی برتھ ڈے آ رہی ہے (یہ نہیں معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کتنے سال کے ہوگئے ہیں) جب بھی ان سے ان کی عمر کے بارے پوچھا تو کہنے لگے ریما سے تھوڑا بڑا ہوں، اچھا تو بات ہو رہی تھی حافظ صاحب کی سالگرہ کی مجھے بدر سعید نے شام کو فون کیا کہ آج حافظ صاحب کی سالگرہ ہے سو ہم نے انہیں، سرپرائز دینے کا پروگرام بنا لیا ہم نے انہیں یہ بتانے کے لئے کال کی کہ وہ آفس میں موجود رہیں لیکن انہوں نے کال اٹینڈ نہیں کی ہم بڑے پریشان ہوئے ہم نے ایک دوست کو فون کیا جو ریڈیو میں کام کرتا ہے کہ حافظ صاحب کی تصویر لگاؤ اور ساتھ میں یہ سرخی چلاؤ کہ حافظ صاحب اگر آفس میں ہیں تو وہیں ٹھہریں اگر کہیں اور ہیں تو ہمیں بتا دیں، حافظ صاحب نے پتا نہیں ریڈیو پہ اپنا فوٹو دیکھا کہ نہیں دیکھا۔ ہم سے فوری رابطہ کیا اور کہا کہ میں ڈائیو بس ٹرمینل کی طرف جا رہا ہوں (ہم تو چلے تیرا شہر

چھوڑ کر) لیکن ہم نے درخواست کی کہ خدارا ٹکٹ کینسل کروادیں ہم بیس منٹ میں پہنچ جاتے ہیں انہوں نے کہا کہ آجاؤ میں انتظار کر رہا ہوں اور ویسے بھی میں خود کہیں نہیں جارہا تھا کسی کو رسیو کرنے آیا تھا، ہم نے اپنا رخ تبدیل کیا اور ڈائیو ٹرمینل کی طرف چل دیئے۔

راستے میں ایک جگہ ایک بیکری نظر آئی، بدر سعید کو میں نے کہا کہ کسی اور بیکری سے کیک لیتے ہیں تو بدر سعید نے کہا اس کی کیا وجہ ہے میں جواب دیا کہ یہ گورنمنٹ کی دکان ہے اور گورنمنٹ کے سب کام ہی "ڈھیلے" ہوتے ہیں کہ کہیں لیٹ نہ ہوجائیں میں گورے کو گورنمنٹ سمجھتا آرہا تھا) بدر سعید نے بتایا کہ یہ گورے بیکری ہے) گورنمنٹ کی نہیں، سو ہم نے ادھر سے کیک خریدا، بالآخر ہم ڈائیو بس ٹرمینل پہنچ گئے۔ دور سے ہی ہم نے حافظ صاحب کو پہچان لیا اور ہم سیدھے دوڑتے ہوئے حافظ صاحب کے پاس پہنچے اور "یاہو" کا نعرہ بلند کیا تو وہاں پر بیٹھے ہوئے مسافر ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے کہ شاید ہم کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں اس کے بعد ہم نے وہاں کے عملے سے چھری ادھارلی اور ڈائیو کے ویٹنگ روم میں مسافروں کی موجودگی اور ان کے قہقہوں میں ہم نے حافظ صاحب کی سالگرہ کا کیک کاٹا، اور سبھی مسافروں میں تقسیم کر دیا کئی نے تو ایک دوسرے کو کیک کھانے سے منع کیا کہ شاید اس میں کوئی چیز مکس نہ ہو اور ہم کھاتے ہی انٹا غفیل نہ ہوجائیں، اور ہمیں پینٹ کوٹ پہنے

ٹائی لگا جدید "ٹھگ" سمجھا۔اس سالگرہ منانے کا بہت مزہ آیا لیکن ہمیں پھر بھی حافظ صاحب کی عمر کا پتا نہیں چل سکا کیونکہ حافظ صاحب کیک کاٹتے وقت بھی کہ رہے تھے کہ میں بڑا ہو کر سیاستدان بنوں گا۔۔

پاکستان کی سیاست۔۔۔ کپتان صاحب احتیاط سے

کافی عرصے سے حکمران طبقہ سے یہ سنتے چلے آ رہے ہیں کہ پاکستان نازک ترین دور سے گزر رہا ہے لیکن موجودہ صورتحال میں اس وقت کے حکمرانوں پر نازک ترین دور آ چکا ہے پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادی حکومت سے چمٹ کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کرسی چھن نہ جائے اور اقتدار ہم سے روٹھ نہ جائے اس وقت ملک میں سیاسی جھگڑ چل رہے ہیں، جلسے، جلوس اور ریلیاں کسی نئے الیکشن کی خبر دے رہے ہیں ٹکٹوں کی بندر بانٹ بھی ہونے والی ہے اور کچھ امیدواروں اپنی من پسند پارٹی سے ٹکٹ کے حصول کے لئے تگ و دو میں لگ چکے ہیں سیاسی منظر نامہ تبدیل ہو رہا ہے اور اب سیاسی گرد اور دھند چھٹنا شروع ہو گئی ہے اور سیاسی منظر نامہ واضح ہونا شروع ہو گیا ہے عمران خان کے لاہور کے جلسے کے بعد ایک نئی صورتحال پیدا کر دی اور ملک میں ایک بڑی سیاسی پارٹی کے طور پر اپنے آپ کو منوایا، لاہور جلسے کے بعد کئی سیاستدانوں نے اپنے سیاسی قبلے تبدیل کیے اور پاکستان تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کی کپتان صاحب نے بھی نئے آنے والوں کو اپنی پارٹی میں خوش آمدید کہا اور گلے لگایا جب یہ لوگ پاکستان تحریک انصاف کو جوائن کر رہے تھے تو سیاسی حلقوں اور صحافتی حلقوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھی کہ یہ سب اسٹیبلشمنٹ کا کردار ہے۔ لیکن گزشتہ دنوں جب جاوید ہاشمی نے بھی تحریک

انصاف میں شمولیت اختیار کی تو یہ سب خام خیالی اور قیاس آرائیاں جھوٹی معلوم ہونے لگیں کیونکہ جاوید ہاشمی جیسا دلیر، بہادر اور جمہوریت پسند لیڈر پاکستان کا سرمایہ ہے اور یہ اسٹیبلشمنٹ کے اشاروں پر نہیں ناچ سکتا۔

مجھے فیس بک پر دوست یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کالموں اور تجزیوں میں 2011 کو تبدیلی کا سال قرار دیا ہے لیکن ابھی تک تبدیلی کیوں نہیں آئی آج بھی پیپلز پارٹی کی حکومت ہے اب تو 2011 ختم ہونے والا ہے آپ کی تبدیلی کب آئے گی؟

قارئین تبدیلی آچکی ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ملک میں پہلے صرف دو بڑی سیاسی پارٹیز تھیں پاکستان مسلم لیگ ن جاتی تھی تو پیپلز پارٹی اقتدار میں آجاتی تھی پھر مشرف دور میں ق لیگ بھی وجود میں آگئی لیکن عوام کو ان کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا اب پاکستان تحریک انصاف کی صورت میں عوام کو ایک نیا راستہ نظر آیا لیکن جس طرح پرانے چہرے تحریک انصاف کی طرف سیاسی ہجرت کرکے جا رہے ہیں لگتا ہے یہ تحریک انصاف کے پرانے کارکنوں کے جذبات کا خیال نہیں رکھ سکیں گے کیونکہ ان میں سے کچھ تو ایسے چہرے بھی ہیں جو چڑھتے سورج کے پجاری ہیں اور وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ پارٹی بدلنے میں بھی دیر نہیں لگاتے، جنہیں سب سے پہلے اپنی کرسی اور اقتدار عزیز ہوتا ہے۔

اس وقت اگر موجودہ صورتحال پر غور کریں تو پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت اس وقت آخری جھٹکوں پر ہے اور اب تب کی مہمان ہے مجھے نہیں لگتا کہ یہ اپنی مدت پوری کرے گی دوسری بات یہ ہے موجودہ حکومت چاہتی ہے کہ کسی طرح سینٹ الیکشن ہو جائیں اس کے بعد ہماری حکومت رہے یا نہ رہے، لیکن یہاں پر یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ سینٹ الیکشن سے پہلے ہی کوئی نیا ڈرامہ سجے گا؟ بہرحال پی پی کی گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ڈرامہ ہو تاکہ وہ سیاسی یتیم بن کر عوامی ہمدردی حاصل کر سکے، دوسری طرف پاکستان مسلم لیگ ن کا گراف نیچے کی طرف جارہا ہے اور جاوید ہاشمی کے جانے سے ن لیگ کی کمر ٹوٹ گئی ہے، مسلم لیگ ق کی بات کریں تو وہ تحریک انصاف میں ضم ہو چکی ہے اور چودھری برادران اکیلے رہ گئے ہیں کچھ خبر یہ بھی ہے چوہدری برادران اور میاں صاحبان کی صلح کی بات بھی چل رہی ہے اور اس کے لئے سعودیہ میں مقیم ایک روحانی شخصیت کو بھی کہا گیا ہے اگر بات کریں متحدہ مجلس عمل کی تو یہ بحال نہیں ہو گی،ایم کیو ایم ہمیشہ کی طرح نئی آنے والی حکومت کا بھی حصہ ہو گی مولانا صاحب بھی اقتدار کے تالاب میں نہاتے نظر آئیں گے جماعت اسلامی کے الیکشن لڑنے کی وجہ سے اے این پی کی اہمیت اور ووٹ بینک کم ہو جائے گا شیخ صاحب لال حویلی میں سگار کے مزے لیتے رہیں گے پیر صاحب ڈھلتی عمر اور گرتی صحت کی وجہ سے نئے سیاسی منظر نامے میں اتنے فعال نہیں ہوں گے اور صورتحال

کو دیکھتے ہوئے میری یہ رائے ہے کہ حکومت کپتان صاحب کی بنتی نظر آرہی ہے ہاشمی صاحب کی تحریک انصاف میں شمولیت کرکٹ ورلڈ کپ کے بعد عمران خان کی سب سے بڑی فتح ہے کراچی کے کامیاب جلسے نے پاکستان تحریک انصاف کی کامیابی پر مہر ثبت کردی ہے اللہ کرے کپتان کا سونامی کرپشن کو ختم کرتا ہوا وڈیرہ شاہی اور جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کا بھی سبب بن جائے۔ کپتان صاحب کو اب پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہو گا کیونکہ حکومت کوئی کرکٹ ٹیم نہیں جسے آسانی سے چلایا جاسکے یہ سیاسی شطرنج ہے جس کے مہرے آگے پیچھے کرنے کے لئے کافی غور و خوض کی ضرورت ہے کپتان صاحب کو اس وقت سے ہی اپنے مہرے ترتیب دینے کے لئے حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی کیونکہ ابھی سے تحریک انصاف میں ٹکٹوں کے حصول کے لئے لائنیں لگی ہوئی ہیں اور تحائف کا تبادلہ بھی ہو رہا ہے لیکن اگر آج ٹکٹ دیتے وقت میرٹ کو نظر انداز کیا گیا تو کپتان کے لئے مستقبل میں شفاف حکومت کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ مستقبل میں جو بھی ہو اللہ کرے پاکستان کے لئے بہتر ہو۔۔۔۔

میرا پیغام۔۔۔نوجوان طبقہ کے نام

نوجوانوں تم نے ہی اس ملک کی تقدیر کو بدلنا ہے تم ہی اس ملک کا سرمایہ ہو، تم ہی اس ملک کا مستقبل ہو، میرے ملک کے نوجوانو، اس ملک میں تمہاری حیثیت ایک ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے تم نے ہی اس ملک کی باگ ڈور کو سنبھالنا ہے تم اس ملک کا ہراول دستہ ہو جس نے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا ہوں گی اور انہیں نیچا دکھانا ہوگا، میرے غیور نوجوانو پوری قوم کی نظریں تمہارے اوپر لگی ہوئی ہیں تم نے اپنے زور و بازو اور محنت سے قوم کی امنگوں پر پورا اترنا ہوگا۔

یہ وہ الفاظ اور وہ فقرے ہیں جو نوجوان نسل سکول لائف سے سنتی آئی ہے پھر کالج لائف میں اس کو دہرایا جاتا رہا اور اب یہ فقرے میرے ملک کے سیاستدان اپنے جلسے جلوسوں، ریلیوں اور کارنر میٹنگز میں کہتے دکھائی دیتے ہیں ان الفاظ سے سیاستدان اپنا مطلب نکالتے ہیں اور میرے ملک کا سادہ نوجوان اور زور و شور سے ان کے حق میں نعرے لگانا شروع کر دیتا ہے بظاہر سیاستدانوں کی باتوں سے نوجوانوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اس ملک میں صرف نوجوان ہی وہ طبقہ ہے جو ملک کی تقدیر بدل سکتا ہے لیکن جب یہی نوجوان آگے بڑھنے کی کوشش شروع کرتا ہے تو یہی سیاستدان اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے اسے

آگے آنے سے پہلے ہی کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

میرے پیارے ملک میں غریبوں کی نمائندگی کرنے والا اور ان کے حقوق کی بات کرنے والا کوئی وڈیرہ ،زمیندار، جاگیر دار، مالدار یا کوئی امیر ہی ہوتا ہے جسے غریب کی مشکلات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور حکومتی ایوانوں ہیں پہلی بات ہے نوجوان طبقہ پہنچ ہی نہیں پاتا اور جو پہنچتا بھی ہے تو انہی وڈیروں اور امراء کی اولاد میں سے ہی ہوتا ہے کیونکہ بد قسمتی سے پاکستان میں موروثی سیاست کا راج ہے میرے ملک میں جو انسان اپنی الیکشن مہم پہ لاکھوں روپے کے اخراجات.برداشت کر سکتا ہے وہی بندہ الیکشن لڑ سکتا ہے اور غریب ووٹر تو صرف الیکشن مہم میں نعرے بازی ہی کر سکتا ہے۔

اچھا تو بات ہو رہی تھی نوجوان طبقے کی، کہ وہ اس نظام کو بدلنے کے لئے کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن نوجوانوں کو آگے.بڑھنے کے مواقع میسر نہیں ،بلکہ ان دنوں جلسے جلوسوں میں نعرے بازی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور جب ان سیاستدانوں کا مقصد پورا ہو جائے گا تو انہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے سائیڈ پر لگا دیا جائے گا۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نوجوان نسل ہی کسی ملک کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور نوجوانوں سے ہی ملک کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے یہ بھی پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ پاکستان

میں نوجوان نسل کا تناسب 65 سے 70 فیصد ہے پھر میں یہ کہ سکتا ہوں کہ پاکستان کا مستقبل روشن ہے لیکن بد قسمتی سے پاکستان کے نوجوان طبقے کو صحیح سمت پر گامزن نہیں کیا جا رہا جس سے وہ مایوسی کا شکار ہو کر اخلاقی بے راہروی کا شکار ہو رہے ہیں جس سے پاکستان کے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں اس نوجوان کو آج نظریہ پاکستان کی اہمیت کا پتا ہی نہیں ہے۔

میرے چند اشعار پاکستان کے مستقبل کے معماروں کے لئے۔

پڑھوگے، لکھوگے تو ہو جاؤ گے کامیاب
محنت کو گر ترک کروگے، ہو جاؤ گے خراب
حق اور سچائی کا ساتھ نبھانا ہے تم نے
باطل کو اس دنیا سے مٹانا ہے تم نے
تم ہو سرمایہ، تم ہی ہو اس ملک کا فیوچر
تم نے بنانا ہے ملک کو عظیم سے عظیم تر
تم نے پاکستان کو سنوارنا اور سجانا ہے
دہشت گردی اور میلی نظر سے بچانا ہے
تم ہو سرمایہ اس ملک کا تم ہی ہو معمار اسکے
سنبھالنا ہے اس ملک کو تم ہی ہو وفادار اسکے
تم سے ہم بس یہی اک بات کرتے ہیں

مل جل کر رہنے کی درخواست کرتے ہیں

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔۔آمین

احوال۔۔۔ عکس کی ایک تقریب کا

مصروفیت کی وجہ سے کافی دنوں کے بعد لکھنے بیٹھا ہوں مصروفیت کے دنوں میں گاہے بگاہے قارئین کی ای۔میلز بھی موصول ہوتی رہیں، میں سب سے پہلے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو ہر وقت اپنی دعاؤں میں راقم کو بھی یاد کرتے ہیں ویسے بھی قاری اور لکھاری کا ایک مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔

ڈیئر قارئین، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ راقم عکس ویلفیئر ٹرسٹ کا چیئرمین بھی ہے جس کے زیر اہتمام سوشل ورک کے ساتھ ساتھ مختلف علمی و ادبی پروگرام بھی منعقد کروائے جاتے ہیں اس بار بھی عکس ویلفیئر ٹرسٹ اور احساس ویلفئیر فاؤنڈیشن نے مشترکہ طور پر ایک تقاریری مقابلے کا اہتمام کیا جو کہ ضلع میانوالی میں منعقد ہوا جس میں میانوالی سے تعلق رکھنے والے دس سکولوں نے حصہ لیا اس تقریب میں بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات بھی تقسیم کئے گئے اس تقریب کا مقصد بچوں میں تعلیم کی آگہی اور طلباء کی حوصلہ افزائی تھا اس طرح کی تقریبات پہلے بھی عکس ویلفیئر کے زیر اہتمام منعقد ہوتی رہی ہیں لیکن اس تقریب کی خاصیت یہ تھی کہ یہ میانوالی شہر میں ہوئی جس میں میانوالی شہر کے علاوہ دیہی علاقوں سے بچوں نے بھی حصہ لیا جبکہ اس سے پہلے عکس ویلفیئر کے

زیر اہتمام ہونے والی تقریبات زیادہ تر پسماندہ علاقوں میں ہی ہوتی ہیں اس بار بچوں کو جس پر بات کرنے کا موضوع دیا گیا وہ تھا "معاشرے کی فلاح میں تعلیم کا کردار"۔ جس میں بچوں نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا، بلاشبہ معاشرے کی فلاح میں تعلیم کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے علم کے بغیر انسان ایک بے جان لاشے کی طرح ہے اس لئے تو حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق "ہر مسلمان مرد و عورت پر تعلیم کو فرض قرار دیا گیا ہے" جب پیارے نبی ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو اس میں بھی کہا گیا کہ "پڑھو"۔ اس لئے ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرنے کا کہا گیا ہے اور ایک جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے جس کا مفہوم ہے کہ "علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے"۔

راقم کو جب پاکستان کے مستقبل کے معماروں سے اظہار خیال کا موقع ملا تو یہی کہا کسی بھی ملک میں نوجوان نسل ایک ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتی ہے اور اس ملک کے مستقبل کا انحصار نوجوان نسل پر ہوتا ہے آپ نوجوان اس ملک کا قیمتی سرمایہ ہو، تم نے ہی اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنا ہے اس لئے اس قوم کو نوجوانوں سے کافی امیدیں وابستہ ہیں جن کا ذکر فیض احمد فیض نے کچھ اس طرح کیا تھا۔

، ہم دیکھیں گے

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوح ازل پہ لکھا ہے
ہم دیکھیں گے
جب ظلم و ستم کے کوہ گراں
روئی کی طرح اڑ جائیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

عکس ویلفیئر ٹرسٹ کے بارے میں نوجوانوں کو بتاتے ہوئے کہا کہ عکس صرف اس طرح کی تقریبات کا اہتمام نہیں کرتی بلکہ جب بھی اور جہاں بھی امدادی کاموں کی ضرورت ہوتی ہے عکس کے رضاکار وہاں پہنچ کر دکھی انسانیت کی خدمت فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں اور یہاں پر اک اور بات کا اضافہ بھی کرتا چلوں کہ اگر تم سکون چاہتے ہو تو اللہ کا ذکر کرو۔اور دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شیوہ بنا لو، تمہیں دل کا سکوں بھی ملے گا ایک عجیب سی سرشاری اور راحت بھی ملے گی اور جہاں تک عکس کی فنڈنگ کی بات ہے تو یہ سب دوست آپس میں مل کر کرتے ہیں لیکن حکومت کو ایسی این۔جی۔اوز کا خیال رکھنا چاہئے جو بغیر کسی لالچ کے بے لوث کام کر رہی ہیں اور ملک وملت کا نام روشن کر رہی ہیں ویسے بھی

ہے یہی عبادت، یہی ہے دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
اللہ ہم سب کا حامی ناصر ہو۔۔آمین

میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انساں ہو کر

تمام جانداروں، چرند، پرند اور ساری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر حضرت انسان کو یہ امتیاز بخشا کہ اسے تمام مخلوقات سے افضل بناتے ہوئے اشرف المخلوقات بنا دیا، چاہئے تو یہ تھا کہ انسان اللہ کا شکر بجا لاتا، اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا، اور اپنے رب کی خوشنودی و رضا کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتا، لیکن انسان نے احکامات خداوندی کو پس پشت ڈال دیا اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی فراموش کر دیا، بلا شبہ اللہ تعالے کی ذات ایک رحیم و کریم ذات ہے وہ اپنے فضل و کرم اور رحم سے اپنے حقوق تو معاف کر دے گا لیکن اپنے بندوں کے بندوں پر فرض کئے گئے حقوق نہیں معاف فرمائے گا کیونکہ اللہ اپنے بندے سے ماؤں سے بھی ستر گنا زیادہ محبت کرتا ہے، فرمایا (جس کا مفہوم ہے) "کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر

بندہ ایک ہاتھ میری طرف بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ، اور اگر بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کے اس کی طرف آتا ہوں "

آج کل انسان ترقی کی مدارج طے کرتا جا رہا ہے پوری دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ جہاں انسان تیزی سے ترقی کے زینے طے کرتا جا رہا ہے وہیں اخلاقی اقدار میں تنزلی کا شکار ہوتا چلا جا رہا ہے آج انسان چاند پر تو پہنچ گیا اور کئی دوسرے سیاروں کو بھی فتح کرنے میں لگا ہوا ہے لیکن ساتھ ساتھ مفاد پرست اور خود غرضی میں انتہا کے درجے کو پہنچا ہوا ہے ، بناوٹ اور ظاہری ٹھاٹ باٹھ میں تو ہم کافی آگے نکل آئے ہیں لیکن خلوص ، محبت و مروت کا بیش بہا قیمت خزانہ انسان ہیں ختم ہوتا جا رہا ہے اور ہم تنزلی کی طرف رواں دواں ہیں شاید اقبالؒ نے اسی لئے کہا تھا

نہ مروت، نہ محبت، نہ خلوص ہے اقبال

میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انساں ہو کر

آج ہم اخلاقی تنزلی میں اتنے آگے نکل آئے ہیں کہ ہمیں دوسروں کا احساس تو دور کی بات اپنوں کے حال کا بھی علم نہیں ہوتا ، ہم خود غرضی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں محبت کا وجود ہم میں صرف اپنے مفاد تک محدود ہو چکا ہے مانا کہ

انسان بتدریج ترقی کی منازل طے کرتا چلا جا رہا ہے لیکن اسے اپنی اخلاقی اقدار کو بھی یاد رکھنا چاہئے آج کہیں کوئی حملہ ہوتا ہے،ایکسیڈنٹ ہوتا ہے یا کوئی بھی حادثہ ہوتا ہے ہم یہ سوچ کرچپ سادھ لیتے ہیں کہ اس حادثے میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا،ہم خود تو محفوظ ہیں آج ہم میں بے حسی انتہا کی حدتک عود کر چکی ہے اگر ساتھ والے گھر میں کوئی میت بھی پڑی ہو تو دوسرے گھر میں شادی بھی ہو رہی ہوتی ہے اور ڈرم بھی بج رہے ہوتے ہیں ایک طرف ماتم اور بین کی آوازیں آ رہی ہوتی ہیں تو اس کے ساتھ والے گھر میں گانے اور رقص و سرور کی محفلیں جمی ہوتی ہیں ، میں تو آج بھی کہوں گا کہ یہی ترقی ہے تو پسماندگی اس سے کئی گنا بہتر تھی جس میں ہمیں دوسروں کا احساس تو ہوتا تھا ایک دوسرے کے دکھ درد کو تو بانٹا جاتا تھا ،ماہرین کی رائے میں دنیا روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے لیکن میری ناقص رائے میں ہم روز بروز تنزلی کی طرف رواں دواں ہے لیکن آج بھی رب تعالیٰ ہمارا منتظر ہے جس کے فرمان کا مفہوم ہے "اے ابن آدم !ایک تیری چاہت ہے اور اک مری چاہت ہے ہو گا وہی جو میری چاہت ہے پس اگر تو حوالے کر دے اس کے جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ بھی دوں گا جو تیری چاہت ہے اور اگر کی تو نے مخالفت اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تجھے تھکا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے، ہو گا پھر بھی وہی جو میری چاہت ہے"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نیک اور سیدھے راستے پہ چلا جس پر تو نے انعامات دینے کا وعدہ کیا ہے اور ہمیں گمراہی والے اور ایسے راستے سے بچا جس سے ہم پر تیرا غضب اور عذاب نازل ہو سکتا ہے۔ آمین

غلط راستہ

ایک لمحے کے لئے روشنی ہوئی اور پھر بجھ گئی یہ مشن شروع ہونے کا سگنل تھا،
تنویر اور سمیر دو دوست تھے دونوں کا تعلق ایک غریب گھرانے سا تھا دونوں نے نہم
کلاس سے سکول اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ محنت مزدوری کر کے گھر والوں کا ہاتھ
بٹائیں گے گھر والے بھی ان کے اس فیصلے سے خوش ہوئے تھے کیونکہ ان کے لئے اپنے
بچوں کو پڑھانا بڑا مشکل تھا۔
اب دونوں دوست صبح سویرے مزدوری کی تلاش میں نکلتے کبھی دیہاڑی لگ جاتی تو کبھی
خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا، جس دن دیہاڑی لگ جاتی اور کچھ پیسے آ جاتے تو خوشی خوشی گھروں
کو لوٹتے لیکن جس دن کام نہ ملتا تو اس دن دونوں دوستوں کے چہرے اترے ہوتے
اور پریشانی کے عالم میں گھر کو روانہ ہوتے۔
آج چوتھا دن تھا کوئی کام نہیں مل رہا تھا دونوں دوست کافی پریشان تھے اسی طرح
سورج غروب ہو گیا اور وہ شرمندہ شرمندہ دل ہارے گھر کی طرف چل دیئے ابھی
تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک بڑی سی کار ان کے پاس آ کر رکی ، دونوں دوستوں

کے دل میں امید کی اک کرن روشن ہوئی کہ شاید کوئی کام آگیا ہے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ایک بارعب اور سوٹڈ بوٹڈ شخص نے انہیں کار کے اندر بیٹھنے کو کہا وہ اس امید پر گاڑی میں سوار ہو گئے کہ شاید وہ گھر میں کوئی کام کروانے کے لئے لے کر جا رہا ہے تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی ایک بہت بڑے ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں رکی اس وقت بھی دونوں دوستوں کو یہی امید تھی کہ شاید ہوٹل میں کوئی کام ہوگا اس لئے یہ صاحب انہیں لے کر آئے ہیں لیکن اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب ان کے آگے کئی قسم کے کھانے لگنا شروع ہو گئے جس کی اشتہا انگیز خوشبو نے ان کی بھوک کی اور بڑھا دیا لیکن وہ کھانا کھانے سے ہچکچا رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ شخص ہم پر اتنا مہربان کیوں ہے اس شخص نے ان کی پریشانی کو بھانپ لیا اور نرم لہجے میں پیار سے انہیں کھانے کو کہا اور کہا کہ باقی باتیں کھانے کے بعد ہوں گی.

کھانے کے بعد اس نے انہیں بتانا شروع کر دیا کہ میں پچھلے کچھ دنوں سے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کام نہ ملنے کی وجہ کافی پریشان دکھائی دیتے ہو اس طرح تم اپنے حالات بھی بدل سکتے ہو اور نہ ہی گھر کے حالات کو تبدیل کر سکتے ہو، گھٹ گھٹ کر جینے سے مرنا بہتر ہے تم اپنا جینے کا انداز بدلو، کچھ عرصہ پہلے تک میں بھی تمہارے جیسا تھا دوسروں کی نظر کرم پہ تھا آج میرا بینک بیلنس ہے گاڑی ہے اپنا بنگلہ ہے جس چیز کے لئے تم دور سے دیکھتے ہو وہ

چیزیں تمہارے قدموں میں بھی آ سکتی ہیں لیکن اس کے لئے ہمت کی ضرورت ہے،اس شخص کی باتیں انہیں کافی متاثر کر رہی تھیں ، سمیر نے پوچھا ہمیں کیا کرنا ہوگا ؟اس پر وہ زیرلب مسکرایا اور کہا کہ کرنے کے لئے تم بہت کچھ کر سکتے ہو لیکن اس کے لئے بہادری اور ہمت کی چاہئے آپ لوگوں نے اپنا حق چھیننا ہوگا -

تنویر نے پوچھا وہ کیسے ؟اس پر اس شخص نے کہا کہ جب حق مانگنے سے نہ ملے تو حق چھیننا پڑتا ہے اس لیے آپ کو بھی دوسروں سے حق چھیننا پڑے گا اگر آپ اس کام کے لئے راضی ہیں تو منصوبہ میں بتا دیتا ہوں ،دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اس پر اس شخص نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں کیوں کہ آپ کا گھر بہت دور ہے وہ چارو ناچار اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر گھر کو چل دیے لیکن اترنے سے پہلے اس شخص نے کہا کہ میرا نام قادر ہے آپ اچھی طرح سوچ لیجئے گا،دونوں نے ناراضگی اور غصے سے کوئی جواب نہیں دیا

صبح اٹھ کر پھر دونوں دوست کام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے پورا دن امید و یاس کی کیفیت میں گزر گیا لیکن کوئی کام نہیں ملا،گھر کو واپس آتے ہوئے سمیر اور تنویر کافی دلبرداشتہ تھے کہ ایسا کب تک ہوتا رہے گا،تنویر نے

کہا کہ ہمیں بھوکوں نہیں مرنا اپنا حق چھیننا ہوگا سمیر نے اسے سمجھایا کہ یہ غلط بات ہوگی اور گناہ کا کام ہے ہمیں محنت سے روزی کمانا ہے اور ٹیچر نے بتایا تھا کہ محنت سے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے اس پر تنویر نے کہا کہ قادر سے ملتے ہیں اور اسے بتاتے ہیں کہ ہم نے محنت کرکے رزق کمانا ہے لیکن ہمیں قادر ملے گا کہاں ؟اس نے اپنا ایڈریس بھی نہیں دیا تھا دونوں دوست یہی باتیں کرتے ہوئے گھر کو جارہے تھے کہ قادر کی چمکتی ہوئی کار ان کے پاس رکی اور اس نے انہیں اندر بیٹھنے کو کہاجب وہ بیٹھ چکے تو اس نے ان سے پوچھا کہ ان کا کیا پروگرام ہے اس پر دونوں دوستوں نے بتایا کہ ہمیں محنت کرکے رزق کمانا ہے اس پر وہ زیرلب مسکرایا اور کہا کہ اس پر آپ کو واقعی محنت کرنا پڑے گی محنت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ۔دونوں دوستوں نے اثبات میں سر ہلادیا جیسے وہ اس کام کے لئے راضی ہو گئے ہوں ۔اس کے بعد اس نے ان کی جیبوں میں زبردستی پیسے ٹھونک دیے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ بہت جلد آپ سے رابطہ کروں گا۔

تین دن بعد وہ دونوں دوست جیسے ہی گھر سے نکلے قادر نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی کو مختلف سڑکوں پر گھمانے کے بعد وہ ایک ویران علاقے کی طرف نکل آیا لیکن اس دفعہ سمیر اور تنویر پریشان نہیں تھے اس نے انہیں بتایا کہ آپ کے محلے میں سیٹھ عثمان رہتے ہیں ان کے گھر میں ہمیں کافی کچھ

مل جائے گا لیکن اس کے لئے وہ مال ہم تینوں برابر تقسیم کریں گے لیکن میں آپ کے ساتھ اس مشن میں شامل نہیں ہوں گا البتہ آپ کو سارا منصوبہ سمجھا دیتا ہوں آج اس کا چوکیدار جو کہ ان کے ڈرائیور کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہے ان کے بیوی بچوں کو لے کر سیٹھ عثمان کے میکے گیا ہے جہاں سے ان کی واپسی کل تک ہو گی اس نے باقی کا منصوبہ سمجھانے کے بعد ایک پسٹل دیتے ہوئے کہا کہ اسے استعمال کرنے سے پرہیز کرنا دونوں دوستوں نے یہ کہہ کر پسٹل اور دوسرا سامان لے لیا کہ انہیں اسلحہ استعمال، کرنا آتا ہی نہیں ہے۔

دونوں دوست رات کے بارہ بجے گھر سے نکل کر پروگرام کے مطابق سیٹھ عثمان کے گھر کی طرف چل دیئے تنویر مین گیٹ کے ساتھ چھپ کر کھڑا ہوا جبکہ دیوار پھاندنے کے لئے سمیر گھر کے دوسرے نکڑ پر پہنچ گیا جہاں دونوں نے لیزر لائٹ سے ایک دوسرے کو مشن سٹارٹ ہونے اشارہ کیا۔۔

سیٹھ عثمان آج گھر میں اکیلا تھا اس کی بیوی اپنے بچوں کو لے کر میکے گئی ہوئی تھی اس لئے وہ آج رات گئے تک اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھا ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ دھب کی آواز سنائی دی، سیٹھ عثمان نے اپنے گھر میں خفیہ کیمرے بھی لگا رکھے تھے اس نے سکرین پر دیکھا تو ایک لڑکا مین گیٹ کو کھول رہا تھا جیسے ہی اس نے گیٹ کھولا ایک لڑکا اور جس نے منہ پر ڈھاٹا

باندھ رکھا تھا اندر داخل ہوا اس کے بعد اس نے احتیاط سے دروازہ بند کر دیا اب سیٹھ عثمان کے لئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنا مشکل ہو گیا اس نے اپنا ریوالور باہر نکالا اور دوبارہ سکرین کی طرف دیکھا دونوں لڑکے اب گیراج سے گزر کر اندر داخل ہو رہے تھے لیکن ان کی بے احتیاطی سے ان اناڑی پن چھلک رہا تھا وہ کوئی پیشہ ور چور معلوم نہیں ہو رہے تھے دونوں کے ہاتھ میں کوئی اسلحہ نظر نہیں آ رہا تھا اسی لئے سیٹھ عثمان بے خوف ہو کر داخلی گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

سمیر نے ایک درخت جس کی شاخیں دیوار کو چھو رہی تھیں اس درخت کے سہارے دیوار پر چڑھنے کے بعد سن گن لی اور کود گیا، ہلکی سی دھب کی آواز ہوئی وہ چند لمحے ادھر ہی جائزہ لیتا رہا پھر مین گیٹ کو کھولنے چلا گیا تنویر کو اندر بلا کر اس نے احتیاط سے دروازہ بند کر دیا مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے اس مکان میں کوئی ذی روح نہیں ہے اس لئے انہوں نے پسٹل کو نکالنا ضروری نہیں سمجھا اور داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئے انہیں اس وقت حیرت کی انتہا نہیں رہی جب دروازہ کھلا ہوا پایا دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے گھورا اور پھر ایک ساتھ اندر داخل ہوئے اچانک وہ روشنی میں نہا گئے اور "ہینڈز اپ" کی آواز سنائی دی۔

سیٹھ عثمان نے داخلی دروازے کو کھولا اور دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا کچھ ہی لمحوں کے بعد دونوں ڈھاٹا پوش لڑکے اندر داخل ہوئے تو سیٹھ عثمان نے لائٹ کا سوئچ آن کرنے کے بعد ہینڈز اپ کہا اور دونوں کو دیوار کی طرف منہ کرکے ہاتھ کھڑا کرنے کا حکم دیا انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

سمیر اور تنویر دونوں دوستوں کو عجیب اور خطرناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان کی تلاشی لے کر ان سے پسٹل اور دیگر اشیا سیٹھ نے اپنی تحویل میں لے لی تھیں اب وہ دونوں نہتے تھے سیٹھ عثمان نے دونوں سے اس مکروہ فعل کے بارے پوچھا تو انہوں نے ساری بات سچ سچ بتا دی کہ کس طرح انہیں کام نہیں ملا اور کس طرح وہ قادر کی باتوں میں آ گئے۔ دونوں دوستوں نے روتے ہوئے معافی مانگی کہ آئندہ ایسا برا کام کرنے کے بارے نہیں سوچیں گے سیٹھ عثمان بھی زمانہ شناس تھے وہ سمجھ گئے کہ لڑکے سچ کہہ رہے ہیں لیکن قادر کو سبق سکھانا ضروری تھا اور ان دونوں کو قادر کا اتا پتہ معلوم نہیں تھا کیونکہ قادر خود ان سے رابطہ کرتا تھا سیٹھ عثمان نے دونوں کو اعتماد میں لینے کے بعد اپنے دوست انسپکٹر زاہد قریشی کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا اس کے پندرہ منٹ بعد وہ دونوں شاپروں سے لدے ہوئے منہ پر ڈھاٹا باندھے دروازے سے نکلے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب ہٹا دئے اور اپنے گھر کی طرف چل دیئے اچانک ایک کار کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں اور کار ان کے پاس آ کر

رکی۔

قادر دونوں لڑکوں کی نگرانی کر رہا تھا جب انہیں گئے کافی دیر گزر گئی تو اس کے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے اور وہ پریشان ہو گیا ابھی وہ وہاں سے جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں لڑکے سامان کے شاپر بھرے گیٹ سے باہر نکلے تو اس ہونٹوں پر اک مسکراہٹ سی آ گئی دونوں جب چلتے ہوئے دوسری گلی میں داخل ہوئے تو قادر نے گاڑی ان کی طرف بڑھا دی اور ان کے پاس آ کر روک دی دونوں کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اچانک ایک پسٹل کی نال اس کی کنپٹی کے ساتھ لگی اور کسی نے سرد لہجے میں اسے ہاتھ اٹھا کر نیچے اترنے کا حکم دیا۔

سیٹھ عثمان سے بات کرنے کے بعد انسپکٹر زاہد قریشی نے اپنے چند اہلکاروں کو چند ہدایات جاری کیں اور جلد از جلد اس علاقے کو گھیرنے کا حکم دیا خود اس نے ان لڑکوں کی نگرانی شروع کر دی جب دوسری گلی میں لڑکے مڑے تو ایک کار ان کے پاس آ کر رکی اس نے جلدی سے اپنی پوزیشن تبدیل کی اور ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کے سر پر پسٹل کی نال رکھ کر اسے نیچے اترنے کا حکم دیا۔

تنویر اور سمیر کے بتانے پر کہ یہی شخص قادر ہے اور اسی نے ہمیں ورغلایا تھا قادر سے تفتیش ہوئی تو پتا چلا کہ وہ پولیس کو انتہائی اہم وارداتوں

میں مطلوب تھا لیکن ہر بار بچ نکلتا تھا اس بار اس سے یہ غلطی ہوئی کہ سیٹھ عثمان کے گھر میں سیکیورٹی کیمرے ہونے کا اس کے پاس علم نہیں تھا، سمیر اور تنویر کو سیٹھ عثمان نے اپنی فیکٹری میں ملازم بھرتی کر لیا اب وہ دونوں محنت سے رزق حلال کمانے لگے اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رُت ہی بدل گئی

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

"جناب حافظ مظفر محسن صاحب کے لئے" جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یہ شعر جناب خالد شریف صاحب کا ہے اور عموما یہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی دنیا سے روٹھ جاتا ہے کسی کا پیارا اسے داغ مفارقت دے جاتا ہے۔

جب محترم جناب خالد شریف صاحب نے اپنی کتاب حافظ مظفر محسن صاحب کو پیش کی تو کتاب دیتے وقت یہ شعر لکھا حالانکہ راقم کو بھی اور ساتھ سید بدر سعید صاحب کو بھی کتاب کے اوپر یہی شعر لکھ کر پیش کیں ، لیکن ان کی عبارت میں کچھ فرق تھا بدر سعید نے اس وقت کہا کہ ابھی تو حافظ صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں ابھی سے خالد شریف صاحب نے انہیں محروم بنا دیا ہے تو میرے ذہن میں یادوں کے دریچے کھلتے چلے گئے کہ کیسے حافظ صاحب کے ساتھ رابطہ ہوا تھا اور پھر کیسے یہ تعلق مضبوط ہوتا چلا گیا مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا،جب میں حافظ صاحب کی تحریر اردو پوائنٹ اور اردو سخن پر پڑھا کرتا تھا پھر میں نے بھی لکھنا شروع کر دیا ایک دن فیس بک پر حافظ صاحب کے ساتھ رابطہ ہوا تو

سلام و احوال کے بعد ایک دوسرے کے کانٹیکٹ نمبر لئے پھر فون پر بات چیت شروع ہوئی اور اس کے دو دن بعد حافظ صاحب نے ہمیں اپنی ملاقات کا اعزاز بخشا، مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے کہ جب میں نے انہیں ملاقات کرنے کے لئے فون کیا تو انہوں نے بڑی محبت سے ادبی چوپال ناصر باغ میں آنے کی دعوت دی جہاں محترم جناب حسن عباسی صاحب کے اعزاز میں ایک شام منائی جا رہی تھی اور حافظ صاحب وہاں مہمان خصوصی تھے ان کے لبوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ تھی جو کہ ان کی شخصیت خاصہ ہے وہ شام جیسے جناب حسن عباسی کے لئے خاص تھی تو وہی شام میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھی وہیں پہ ہی میری پہلی ملاقات بدر سعید سے ہوئی تھی۔

پھر ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا ہر دوسرے دن حافظ صاحب کے آفس پہنچ جاتا جہاں وہ بڑی محبت سے ملتے ان کے آفس پہنچ کر ایسا لگتا کہ کسی ادبی بیٹھک میں پہنچ گیا ہوں کیونکہ وہ ایک محفل یاراں سجائے ہوتے تھے جس میں کبھی جناب شعیب مرزا صاحب آجاتے تو کبھی اس بزم یاراں میں جناب فرحت عباس شاہ جلوہ افروز ہوتے کبھی باقی احمد پوری سے یہی ملاقات ہوتی تو کبھی گل نوخیز اختر سے یہیں تعارف ہو جاتااور تو اور کراچی سے بھی کبھی ایم مجاہد اس محفل کو چار چاند لگا دیتے تو کبھی فیصل آباد سے عادل گلزار اس بزم کا حصہ بن جاتے، خیر ایک لمبی لسٹ ہے کیونکہ حافظ صاحب ایک محبت کرنے والی شخصیت ہیں۔

حافظ صاحب ایک ادبی شخصیت ہیں طنز و مزاح میں ان کا کافی نام ہے اور طنز و مزاح کے حوالے سے ان کی پہچان ہے مجھے کہیں سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ انہیں طنز و مزاح پر ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری بھی مل چکی ہے لیکن وہ اس بات کی تردید کرتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکٹر عبدالرحمان ملک اور ڈاکٹر بابر اعوان کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر نہیں لکھتے۔حافظ صاحب کو کسی نے کہہ دیا ہے کہ آپ کا پیٹ کافی نکل چکا ہے واک کیا کریں تاکہ آپ فٹ رہیں،واک کے لئے وقت نکالنا ان کے لئے بہت بڑا مسئلہ ہے کیونکہ وہ بہت مصروف انسان ہیں ایک دن رات کو ایک بجے نہ جانے کون سا خواب دیکھا کہ مجھے کال کی کہ جلدی جلدی باغ جناح پہنچیں تین چکر لگانے ہیں میں سمجھا شاید نیند میں ہیں اور مذاق کر رہے ہیں وہ تو بیس منٹ بعد جب دوبارہ کال آئی تو کہنے لگے ملک صاحب آپ نہ آئیں میں واپس جا رہا ہوں کیونکہ باغ جناح کا گیٹ بند ہے یہ بات کہنے کے بعد فون بند کر دیا دوسرے دن صبح جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آج واک کرنا بھول گیا تھا رات کو جب آنکھ کھلی تو اس وقت یاد آیا،حافظ صاحب ایک مہربان شخصیت کے مالک ہیں اللہ کرے ان کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رہے اور ہم اپنی زندگی میں کبھی یہ نہ کہہ سکیں

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رُت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا۔

پاکستانی قوم۔۔۔صابر قوم ہے

ٹریفک سگنل پر گاڑیوں کی لمبی لائن لگی ہوئی تھی جیسے ہی بتی سبز ہوئی گاڑیوں کا شور اور ہارن بجنا شروع ہوگئے میرے ساتھ بیٹھے عزیز الطاف نے کہا کہ یہ گاڑی والوں کی طرف دیکھو،ذرا سا بھی صبر نہیں کر سکتے ،ہارن پہ ہارن بجائے جارہے ہیں پاکستانی قوم کا یہی المیہ ہے کہ یہ قوم صبر نہیں کر سکتی ان میں صبر کا مادہ بہت کم ہے میں اس کی بات سن کر مسکرانے لگا اور سوچنے لگا کہ کیا عزیز کی بات صحیح ہے یا غلط ؟حالات و واقعات پر نظر دوڑائی تو محسوس ہوا کہ عزیز الطاف صرف جذباتی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہیں کیونکہ پاکستان قوم جذباتی ہے یہ عقل و دانش سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہوئے فیصلے کرتی ہے جہاں تک صبر کی بات ہے تو پاکستانی قوم جتنی صابر و شاکر کوئی قوم نہیں ہے۔

پاکستانی قوم میں صبر کا مادہ بہت زیادہ ہے جب اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں تو یہ قوم ہنس کر اسے برداشت کر لیتی ہے جب کوئی چیز نایاب ہوجاتی ہے تو یہ خاموشی سے چپ سادھ لیتی ہے (کیونکہ اس کے علاوہ یہ کچھ کر نہیں سکتے)جب ظلم بڑھتا چلا جاتا ہے اور کوئی بھتہ خور اس قوم سے بھتہ لیتا ہے تو یہ آرام سے اپنی محنت کی کمائی سے اسے بھتہ دے دیتی ہے کیونکہ یہ پرامن

قوم ہے اور کوئی لڑائی جھگڑا اسے پسند نہیں، جب کہیں حادثہ ہو جاتا ہے تو اس قوم کے لوگ اس حادثے یا ایکسیڈنٹ کو دیکھ کر رکتے نہیں ہیں اور آنکھ بند کر پاس سے گزر جاتے ہیں کیونکہ نرم مزاج ہونے کی وجہ سے ان سے کسی کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی، یہ قوم بڑی زندہ دل قوم ہے جب ساتھ والے گھر میں جنازہ بھی پڑا ہوتا ہے تو یہ قوم انجوائے کر رہی ہوتی ہے اور میوزک سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی ہے، یہ قوم حکومت وقت کے ساتھ بڑی مخلص ہوتی ہے جب بھی اور جیسا بھی ان پر بوجھ ڈال دیا جائے تو یہ اسے بخوشی قبول کرتے ہوئے اٹھا لیتی ہے جب کسی چیز کا بحران آ جاتا ہے تو یہ چپ سادھے صبر سے اس بحران کے ختم ہونے کا انتظار کرتے ہیں، یہ قوم اپنے حکمران طبقہ کا کافی خیال رکھتی ہے ان کے دیدار کی خاطر سڑکوں پر گھنٹوں صبر سے کھڑا رہتی ہے، یہاں پر میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔

ایک بادشاہ تھا ایک دن اس نے دربار سجایا اور اپنے وزیروں مشیروں سے پوچھا کہ رعایا کا کیا حال ہے؟ وزیروں نے جواب دیا کہ انہیں آپ سے کوئی تکلیف نہیں ہے اور وہ خوش ہیں اس لئے کوئی شکایت لے کر آپ کے پاس نہیں آتے، بادشاہ نے کہا کہ ان پر کچھ ٹیکس عائد کر دو، چنانچہ وزیروں نے رعایا پر ایک ٹیکس کی حد مقرر کر دی اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا لیکن رعایا میں سے کوئی بندہ بھی شکایت لے کر نہیں آیا بادشاہ نے رعایا کو ایک میدان میں جمع،

ہونے کو کہ کر وہاں اپنا دربار سجا لیا اور رعایا سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے رعایا نے کہا بادشاہ سلامت ہمیں آپ سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے بادشاہ نے انہیں ٹیکس دوگنا ادا کرنے کا حکم دیا اور لوگ خوشی خوشی اپنے گھروں کو لوٹ گئے اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا لیکن کوئی بندہ شکایت لے کر نہیں آیا اس پر اس نے وزیروں کو حکم کیا کہ عوام کو یہ حکم جاری کرو کہ صبح کام پر جانے سے پہلے ایک چھتر لگوا کر جایا کریں اور ٹیکس کو مزید بڑھا دو، رعایا نے یہ حکم بھی بخوشی قبول کر لیا لیکن کوئی بندہ شکایت لے کر نہیں آیا، بادشاہ کافی حیران و پریشان ہوا اور اس نے ایک بار پھر عوام کو اسی میدان میں اکٹھا کرکے دربار لگایا اور عوام سے پوچھا کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ رعایا نے کہا کہ بادشاہ سلامت ہمیں آپ سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے البتہ چھترول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کر دیں کیونکہ چھتر کھانے کی باری دیر سے آنے کی وجہ کام پر وقت سے نہیں پہنچ پاتے۔

اسی سے ملتی جلتی کیفیت پاکستانی قوم کی ہے کہ جو چاہے کرتے رہو لیکن سانس لینے پر پابندی عائد نہ کرو، پاکستانی قوم ایک صابر قوم ہے شاید اسے پتا ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اس لئے یہ صبر کے امتحان سے گزر رہی ہے کہ کبھی تو انہیں صبر کا اجر ملے گا اور یہ میٹھا پھل کھائیں گے لیکن اب اس

قوم کو سوچنا ہوگا کیونکہ
خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جسے آپ اپنی حالت بدلنے کا
پاکستانی قوم شاید اس لئے صبر کر رہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حوا کی بیٹی

عورت عربی زباں کا لفظ ہے جس کے معنی "پردے" کے ہیں جب کوئی لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے اور سن بلوغت کو پہنچتی ہے تو عورت کہلاتی ہے۔ موجودہ دور میں حقوق نسواں کی آزادی اور خود مختاری کے لئے کئی ادارے اور بہت ساری این ۔جی۔اوز کام کر رہی ہیں لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہاں عورت کی آزادی کا مطلب غلط لیا جاتا ہے موجودہ حالات میں عورت کو فیشن کے نام پر پردے اور لباس سے آزاد کیا جا رہا ہے اور حوا کی بیٹی کو بازاروں اور اشتہارات کی زینت بنا کر اس کی تذلیل کی جا رہی ہے آج بھی خواتین کا عالمی دن بڑے جوش و جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے جس میں خواتین کے حقوق و خود مختاری اور آزادی پر جذباتی اور خوبصورت باتیں کی جاتی ہیں ،بنت حوا کی محرومیوں کا رونا بھی رویا جاتا ہے خواتین کے حقوق کے لئے قراردادیں اور بل بھی پاس کئے جاتے ہیں ڈھیر سارے وعدے اور ارادے بھی کئے جاتے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کچھ بھی نہیں بدلتا،سب باتیں ،سب قراردادیں اور سارے وعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اسی لئے تو آج بھی حوا کی بیٹی ظلم و ستم کا شکار ہے ،آج بھی جائیداد کے لالچ میں بنت حوا کی شادی قرآن کے ساتھ کی جا رہی ہے،اس لئے آج بھی ایک معصوم سی کلی کو' ونی' جیسی فرسودہ روایات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے،آج بھی

دوشیزائیں عزت لٹنے پر ماتم کرتی دکھائی دیتی ہیں ،آج بھی عورت کو اغوا کرکے اس کی عزت و عصمت کو تار تار کیا جاتا ہے ،آج کے جدید دور میں بھی عورتوں کو زندہ درگور کیا جاتا ہے ،اس لئے آج بھی حوا کی بیٹی کے خوبصورت چہرے کو تیزاب کے ذریعے بدصورت کئے جانے کا عمل جاری ہے ،آج بھی بنت حوا کو جذبات کی تسکین کے لئے پاؤں میں گھنگرو ڈال کر سٹیج پر نچایا جاتا ہے اور ہم لوگ اسے انجوائے منٹ کہتے ہیں ،

کیسے دور جہالت میں جی رہے ہیں ہم
آدم کا بیٹا خوش ہوتا ہے حوا کی بیٹی کو بے نقاب دیکھ کر

عورت پر ہوتے ظلم وستم پر زمیں بھی کانپ جاتی ہے اور حوا کی بیٹی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ و پکار اور آہ و فغاں سے آسماں بھی رو دیتا ہے لیکن اللہ کی زمیں پر بسنے والے ظالم لوگ بنت حوا پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانا بند نہیں کرتے اس کے احساسات اور جذبات کی پرواہ کرنے کی بجائے اپنی حیوانی جبلت کی تسکین کے لئے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے پھینک دیتے ہیں ۔

عورت جس میں محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے کبھی عورت ماں کے عظیم روپ میں نظر آتی ہے،تو کبھی بیوی جیسے خوبصورت رشتے میں محبت کی تصویر بنی نظر آتی ہے اور کبھی یہ بہن جیسے خوبصورت رشتے میں محبت کی مالا دکھائی

دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اک عورت کے اندر اپنی محبت میں سے کچھ محبت ڈال دی ہے جس کی وجہ سے یہ محبت کا عظیم پیکر دکھائی دیتی ہے، عورت جو خودداری اور حیا کا مجسمہ تھی آج کے دور جدید میں بس اک کھلونا بن کر رہ گئی ہے جسے اپنی مرضی اور تسکین کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، عورت جو کہ اک گھنا سایہ دار درخت کی مانند ہوتی ہے آج خود کو بھوکی نگاہوں سے بچاتی نظر آتی ہے، عورت جو کہ ایک خوبصورت چمن کی طرح رشتوں میں خوشبو بکھیرتی ہے آج وہی عورت ہوس ناک نگاہوں کے طواف سے خود کو محفوظ رکھنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہے۔

حقوق نسواں کے لئے کام کرنے والے اداروں اور این۔جی۔اوز کو عورت کے حقوق کے لئے خصوصی حکمت عملی ترتیب دے کر عملی اقدام کرنے ہوں گے تاکہ حوّا کی بیٹی کو اپنا کھویا ہوا وقار واپس مل سکے اور وہ عزت سے جی سکے کیونکہ اسلام نے عورت کو ایک مقام دیا ہے اگر مسلم خواتین کو اپنا وقار و مرتبہ لینا ہے تو اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہوں تاکہ دنیا میں بھی عزت سے زندگی بسر کر سکیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکیں۔

عورت عربی زباں کا لفظ ہے جس کے معنی "چھپانے کی چیز" کے ہیں اس لئے عورت کو پردے میں رہنا چاہئے لیکن آج بے پردگی کی وجہ سے عورت محرومی کا شکار ہے

اسی وجہ سے وہ ظلم و ستم کا شکار ہو کر اپنا وقار کھو رہی ہے اور اسلام نے جو عورت کو مقام دیا تھا بے پردگی کی وجہ سے وہ اس مرتبے سے تنزلی کا شکاری ہو رہی ہے اس موجودہ دور میں اگر کوئی پردے کی بات کرتا ہے تو اسے دقیانوسی اور پرانی سوچ کا حامل انتہا پسند "ملّا" گردانا جاتا ہے جو کہ صرف کتابی اور انتہا پسندی کی باتیں کرتا ہو۔ اللہ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھتے ہوئے ہدایت کاملہ دے۔ آمین

خود کش بمبار کے تعاقب میں

سر، میری بک آ رہی ہے سید بدر سعید سے ایک تقریب میں جب پہلی ملاقات ہوئی تھی تو اس وقت اس نے یہی کہا تھا اس کی چمکدار آنکھوں اور خود اعتمادی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ لڑکا بہت تیزی سے نئی راہوں کے ذریعے بہت آگے تک جائے گا اس کا اعتماد بتا رہا تھا کہ چیلنج سے نمٹنا اور خطروں سے کھیلنا اس کی عادت ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی اور ہر بندے کا بس کا روگ نہیں ہوتا۔اس کے بعد ملاقاتوں کا اک سلسلہ چل نکلا تو بدر سعید کی شخصیت کھلتی چلی گئی اس نے کم عمری میں ہی آگ کے شعلوں سے کھیلنا شروع کیا ہوا تھا جس کے لئے اسے کئی بار مشکلات کا شکار ہونا پڑا، تاہم اس کے عزم و ارادے میں کوئی لچک نہیں آئی جب بھی کبھی ملاقات ہوتی تو میں ازراہ مذاق پوچھتا، بدر سعید کتاب کب آ رہی ہے ؟تو وہ ہنس کر ٹال دیتا کہ بہت جلد آ جائے گی اسی طرح دن گزرتے چلے گئے اور ایک دن "خود کش بمبار کے تعاقب میں" میرے ٹیبل میں پڑی نظر آئی جب کتاب دیکھی تو دیر سے آنے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کیونکہ یہ کوئی عام کتاب نہیں تھی۔

کسی لکھاری کو مطالعہ کرنے کا نشہ ہوتا ہے اسی لئے کافی کتابیں پڑھنے کا

اتفاق ہوا لیکن جوں جوں" خود کش بمبار کے تعاقب میں "پڑھتا گیا حیرتوں کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا کیونکہ زمانہ طالبعلمی میں اتنا زیادہ گہرائی میں جاکر معلومات اکٹھی کرنا اور ان پر تحقیق کرنا کوئی معمولی بات یا سہل کام نہیں تھا تحقیقاتی صحافت کے میدان میں رہنے والوں کو پتا ہے کہ کتنی مشکلوں سے اور جان جوکھوں سے خبر کی گہرائی اور اس کی سچائی تک پہنچا جاتا ہے۔

سید بدر سعید جب خود کش بمبار کے تعاقب میں نکلا ہوگا تو اسے بھی کافی مصیبتوں، تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا لیکن اس نے انتہائی محنت، مسلسل تگ و دو اور شبانہ روز کی کوشش سے کئ حقیقتوں پر پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جس میں اس نے عام قاری تک بھی یہ بات پہنچائی ہے کہ تحریک طالبان افغانستان کا تحریک طالبان پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور دونوں الگ الگ تنظیمیں ہیں۔

سید بدر سعید نے قاری کی آسانی کے لئے اس کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں ان افراد کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا گیا ہے جو بھارت کو مطلوب ہیں جس میں جماعت الدعوۃ کے سربراہ حافظ سعید، لشکر طیبہ کے ذکی الرحمان لکھنوی، جیش محمد کے سربراہ مولانا مسعود اظہر، اہم جہادی رہنما عمر شیخ، کشمیری رہنما مشتاق زرگر، اور متحدہ جہاد کونسل کے سید صلاح الدین شامل

ہیں اس کتاب میں مندرجہ بالا افراد کی سرگرمیوں کے بارے میں بڑے مفصل انداز میں ذکر ہے اور وہ باتیں بھی کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں جو اس سے پہلے منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔

دوسرے حصے میں مصنف نے افغانی طالبان کے بارے تفصیل سے لکھا ہے جس میں تحریک طالبان افغانستان کے امیر ملا محمد عمر مجاہد کے حالات زندگی، روس کے خلاف جہاد، افغانستان پر طالبان کی حکومت اور پھر 11/9 کے بعد کے واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اسی باب میں مصنف نے تحریک طالبان کا منشور اور ملا عمر کے پیغامات بھی لکھے ہیں۔

تیسرے حصے کو مصنف نے تحریک طالبان پاکستان کے نام کیا ہے جس میں مفصل انداز میں پاکستان میں جہادی گروپوں، پاکستانی طالبان، لشکر اسلام کے سربراہ حاجی منگل باغ، تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ مولوی فضل اللہ، تحریک طالبان پاکستان کے بانی بیت اللہ محسود، حکیم اللہ محسود، خود کش حملوں اور فوجی آپریشن کا ذکر ہے یہ وہ گراں قدر معلومات ہیں جن کے بارے سن کر انساں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

چوتھے حصے ہیں مصنف نے پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں غیر ملکی ہاتھ کی

نشاندہی کی ہے جس میں ایک جامع اور تحقیقی انداز میں افغان انٹیلی جنس ایجنسی "خاد" انڈین ایجنسی "را" بدنام زمانہ قاتل ایجنسی "بلیک واٹر" اور امریکی سفارتی جاسوس کی گرفتاری و رہائی کے بارے مفصل رپورٹ ہے جو کہ مصنف کی تگ و دو، جانفشانی اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

کتاب کا پانچواں حصے کا نام ٹریننگ سے دھماکے تک رکھا گیا ہے جس میں مصنف نے باریک بینی سے اور تحقیق سے ان عناصر کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں بستے گھر اجڑ جاتے ہیں رونقیں ختم ہوجاتی ہیں قہقہے تھم جاتے ہیں مسکراہٹیں چھن جاتی ہیں جی ہاں اس باب میں مصنف نے خودکش بمبار کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔

تین سو زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایسے ایسے انکشافات سے بھری پڑی ہے کہ انسان حیران ہوجاتا ہے میں اس کتاب کی اشاعت پر سید بدر سعید کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ ایک نصیحت بھی کرتا ہوں کہ چھوٹی سی عمر میں تم نے اک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے لیکن مستقبل میں بھی اسی طرح کام کرتے رہو لیکن خیال رکھنا کہ کہیں خودکش بمبار تمہارے تعاقب میں تو نہیں۔

یہ مضمون نو مارچ کو ایف۔ سی کالج یونیورسٹی میں کتاب کی تقریب رونمائی)

(میں پڑھا گیا

قوم کا حاکم۔۔ قوم کا خادم

چاروں طرف پولیس پھیل چکی ہے ہماری گلی میں پولیس کی گاڑیاں گشت کر رہی ہیں چھوٹے بھائی نے مجھے اٹھاتے ہوئے سہمے ہوئے لہجے میں بتایا تو میں بھی ہڑبڑا کر اٹھ گیا اتوار کو آفس سے چھٹی کی وجہ سے دیر تک سونا معمول بن چکا ہے لیکن یہ بات سن کر نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی اور انجان وسوسوں میں ڈوب کر سوچنے لگا کہ مجھ سے ایسی کون سی خطا ہو گئی ہے جو پولیس ریڈ کرنے کے لئے اپنی پوزیشنیں سنبھال رہی ہے دماغ میں کسی حصے سے یہ سوال ابھرا کہ شاید تو نے اپنے کالم میں کوئی ایسا نکشاف کر دیا ہے جو نہیں کرنا چاہئے تھا پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ اگر پولیس نے مجھے اریسٹ کرنا ہوتا تو اتنی زیادہ نفری کی ضرورت تو نہیں تھی شاید کوئی اور وجہ ہو گی، یہی وجہ جاننے کے لئے جب گھر سے باہر نکلنے لگا تو ایک کرخت آواز نے روکتے ہوئے کہا آپ آگے نہیں بڑھ سکتے اسی اثنا میں نگاہ جب اوپر اٹھائی تو معلوم ہوا کہ پولیس کے جوان اسلحے سے لیس ساتھ کی چھتوں پر بھی پوزیشنیں سنبھالے ہوئے ہیں پولیس کی مستعدی اور پوزیشنیں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید کسی خطرناک مجرم کی گرفتاری کے لئے کوئی گرینڈ آپریشن ہونے والا ہے اور اسے گھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن یہ سب باتیں اور سب قیاس آرائیاں غلط ثابت ہو گئیں جب معلوم ہوا کہ ساتھ والے گھر میں تعزیت کے

لئے سائیں گیلانی آئے ہوئے ہیں۔

جتنی دیر یوسف رضا گیلانی صاحب ہماری گلی میں رہے اتنی دیر تک لوگ پریشان ہوتے رہے ۔اہل علاقہ کی پریشانی اس وقت ختم ہوئی جب سائیں گیلانی اپنا مبارک قدم اس علاقے سے دور لے گئے لیکن انہیں لوگوں کی پریشانی کا علم بھی نہیں ہوا ہوگا کیونکہ عوام اور خواص میں کافی فرق ہوتا ہے اور عوام کو اپنے وی۔آئی۔پی کے لئے تھوڑی بہت تکلیف.برداشت کرنا چاہئے۔

جب آپ کہیں جارہے ہوں راستے بند ملیں، گاڑیوں کی لمبی قطاریں نظر آئیں، عوام پریشان دکھائی دیں ایک شور سنائی دے ،ہارن بجتے دکھائی دیں ،ٹریفک وارڈنز میں کھلبلی مچی ہوئی ہو اور وہ الرٹ نظر آئیں، پولیس موبائلز اور ہُوٹر کی آواز آرہی ہو تو سمجھ جائیں کہ آپ کا کوئی وزیر یا کوئی وی۔آئی۔پی گزر رہا ہے اس سپشل مومنٹ میں آپ کو ٹریفک میں ایمبولینسیں بھی پھنسی نظر آئیں گی اور اس میں موجود کوئی انساں زندگی اور موت کی کشمکش میں بھی ہوگا لیکن ہمارے وی۔آئی۔پی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اور ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگے گی کیونکہ وہ خواص میں سے ہیں اور عوام کا اپنے خواص کے لئے تکالیف.برداشت کرنا ایک معمولی سی بات ہے۔

جس معاشرے میں طبقاتی تفریق بڑھ جائے، سٹیٹس کا فرق نظر آنے لگ جائے امراء اور غرباء کی علیحدہ علیحدہ کیٹیگریز بن جائیں تو اس معاشرے سے انصاف اٹھ جاتا ہے اور وہ معاشرہ تنزلی اور زوال پذیری کا شکار ہو جاتا ہے بد قسمتی سے اس وقت وی۔آئی۔پی کلچر نے عوام اور حکمران طبقہ کے درمیان فاصلے بڑھا دیئے ہیں جس کی وجہ سے حکمرانوں کو عوام کی پریشانیوں کا، ان کے دکھوں کا، ان پر آنے والی مصیبتوں کا اور ان کی محرومیوں کا پتا نہیں چلتا، شاید اس لئے وہ ان کے دکھوں کا مداوا نہیں کرتے۔ ہمارا حکمران طبقہ خود کو عوام کا خادم کہتے ہوئے نہیں تھکتا لیکن حقیقت میں یہ عوام سے کافی فاصلے پر ہوتے ہیں اپنی لچھے دار باتوں سے عوام کو بے وقوف بناتے رہتے ہیں اور یہ سادہ اور بھولی قوم "جیئے اور زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا کر اپنی توانائیاں ضائع کرتی ہے اگر حکمران طبقہ کو واقعی عوام کا خادم بننا ہے تو پھر یہ وڈیرہ شاہی کے چوغے کو اتار پھینکنا ہوگا، وی۔آئی۔پی کلچر کو خیرباد کہنا ہوگا، عوام کی خبر گیری کے لئے ان کے در در پہ جانا ہوگا، کیونکہ رعایا کی خبر گیری کرنا حکمران طبقہ کا فرض بنتا ہے اور قیامت کے روز ہر کسی سے اپنی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جب خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے تو انہوں نے فرمایا "اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر جائے تو پوچھ عمر سے ہو گی" وہ

دنیا کی اتنی بڑی سلطنت کے مالک تھے لیکن ان کی زندگی فقیروں کی طرح تھی ہمارے حکمران طبقہ کو بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سادگی کو اپنا شعار بنانا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ قوم کا حاکم قوم کا خادم ہوتا ہے۔

ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے؟

عورت اور مرد زندگی کے دو پہیوں کی مانند ہیں دونوں نے مل کر زندگی کی گاڑی کو چلانا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ شادی موتی چور کا ایک ایسا لڈو ہے جس نے کھالیا وہ بھی پچھتایا اور جس نے نہیں کھایا وہ بھی پچھتایا، گھر والوں کے خیال کے مطابق میں بچپن اور لڑکپن سے نکل کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہوں حالانکہ میں خود کو ابھی بھی بچہ سمجھتا ہوں لیکن گھر والوں نے جوان سمجھ کر منگنی کر دی تو خوشی سے پھولے نہیں سمایا،اور خوشی خوشی فیس بک پر اپنا سٹیٹس سنگل سے انگیج کیا۔ میری دو فیمیل دوستوں نے فون کر کے مبارکباد دینے کی بجائے اظہار افسوس کیا تو ذہن میں خیال آیا کہ یہ جیلسی کی وجہ سے ایسی بات کر رہی ہیں لیکن اس وقت مجھے حیرت کی انتہا نہیں رہی جب میرے کچھ قریبی دوست شام کے وقت گھر داخل ہوئے تو نہایت غمگین اور پریشان نظر آ رہے تھے مجھے گلے لگا کر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کی مرضی تھی حوصلہ رکھواور ٹینشن نہ لو کیونکہ اللہ کے ہر کاموں میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے میں ان کو غم زدہ دیکھ کر خود بھی غمگین ہوگیا تو دوستوں نے کہا کہ ایک دن ایسا تو ہونا تھا اب اللہ بہتر کرے گا کیونکہ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور جو اللہ کرتا ہے وہ ٹھیک کرتا ہے میں رونی سی صورت بنا حیران وپریشان کھڑا سوچ رہا تھا آخر ایسا کون سا

حادثہ ہوگیا ہے؟ جو یہ لوگ تعزیت کر رہے ہیں اور پریشان و غمگین ہیں آخر ہمت کر کے پوچھ ہی لیا تو مزید دلدوز چیخ وپکار کے ساتھ انہوں نے یہ بتایا کہ ابھی تیری عمر ہی کیا تھی جو تو نے ایک مصیبت گلے لگانے کی ٹھان لی ہے اور شادی کروانے کی لائن میں لگ گیا ہے اسی طرح کافی دوستوں کے خوفناک میسج بھی موصول ہوئے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

ایک شیر کی شادی ہو رہی تھی تو ایک چوہا بڑے جوش وخروش سے شادی کے انتظامات' میں حصہ لے رہا تھا تو شیر نے حیران ہو کر پوچھا تو شادی میں کیا کر رہا ہے چوہے اور شیر کا جوڑ ہی کیا ہے؟ تو چوہا ہنستے ہوئے بولا شادی سے پہلے میں بھی شیر ہوا کرتا تھا'۔

ایک دوست نے افسوس کرتے ہوئے بتایا کہ صدقہ دینے سے ساری بلائیں دور' ہوجاتی ہیں سوائے اس بلا کے جو تمہارے نکاح میں آچکی ہے'۔

ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ جلدی سے گھر کے کام کاج، کپڑے دھونا اور کھانا پکانا سیکھ لے تاکہ شادی کے بعد پریشانی نہ اٹھانی پڑے'۔

دوستوں کے خطرناک میسجز کی وجہ سے مستقبل کے خوفناک حالات کو سوچتے ہوئے

اسی ادھیڑ بن میں روڈ پر بائیک چلاتے ہوئے جا رہا تھا، ساتھ ساتھ دوستوں کی باتوں پر، آنے والے حالات پر اور اپنی شادی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ ایک کار نے زور سے ٹکر ماری جس سے قلابازیاں کھاتے ہوئے میں کافی دور جا گرا، کہ ایسی خوفناک باتیں سوچنے سے ہی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے لیکن ایکسیڈنٹ کے وقت بھی مجھے کچھ تجربے حاصل ہوئے، کہ گاڑی جب ٹکراتی ہے تو دو طرح کی آوازیں آتی ہیں ایک 'ٹھاہ' کی اور دوسری 'آہ' کی، بائیک چلاتے وقت آپ ہیلمٹ تو پہنتے ہیں لیکن اس کے ساتھ کوٹ بھی ضرور پہنا کریں کیونکہ جب ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو کوٹ پھٹ جاتا ہے لیکن خراشیں نہیں آتیں۔

بات ہو رہی تھی مرد و عورت اور شادی کی۔ابتدا سے لے کر اب تک مرد عورت کے اشاروں پر ناچتا نظر آتا ہے مجھے تو ابھی اس کا علم نہیں کہ کیوں ناچتا ہے ؟لیکن اس بات کا علم شادی شدہ مرد حضرات کو ضرور ہوگا اور اماں حوا بھی تو ایک عورت تھیں جس کے کہنے پر آدمؑ نے جنت کو خیر باد کہ دیا تھا، ویسے عورت اور مرد زندگی کے دو پہیوں کی مانند ہیں دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر زندگی کی گاڑی کو چلانا ہوتا ہے میرا تو اس بات پر پکا یقین ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ کیسے ہوتا ہے؟؟؟

ان قارئین کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے حادثے کے بعد میرا حال دریافت کیا اور میرے لئے دعائیں کیں۔

سیاست خدمت ہے، عبادت ہے یا پھر کاروبار؟

ٹیچر نے ہوم ورک کے طور پر بچوں کو کہا کہ کل آپ نے اپنے اپنے فیوچر پروگرام کے بارے تفصیل سے نوٹس بنا کے لانے ہیں کہ آپ مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہیں ؟اور کیا بننا چاہتے ہیں؟آپ کے کیا مقاصد ہیں؟ اس کے اگلے دن تمام کلاس نے اپنے اپنے مستقبل کے پروگرام کے متعلق لکھے نوٹس ٹیچر کو جمع کروا دیئے جن میں سے کسی بچے نے انجینئر بننے کے بارے لکھا تھا، کسی نے ڈاکٹر بننے کے بارے لکھا تھا، کوئی فوج میں اعلیٰ آفیسر بننے کا خواہاں تھا، کوئی بزنس مین بننا چاہتا تھا، کوئی اپنا بڑا سا فارم ہاؤس بنانا چاہتا تھا، کوئی سائنس دان بن کر نئی نئی ایجادات بنانے میں دلچسپی رکھتا تھا، کوئی پائلٹ بن کر جہاز اڑانے کا خواہش مند تھا تو کوئی وکیل بننا چاہتا تھا غرض ہر بچے کا اپنا اپنا مستقبل کا پروگرام تھا لیکن ان میں سے ایک بچے نے سب سے الگ اور عجیب نوٹس لکھا تھا جس میں اس بچے نے لکھا تھا کہ مستقبل میں وہ سیاستدان بنے گا اس نے ساتھ میں وجوہات یہ لکھی تھیں کہ وہ سیاستدان کیوں بننا چاہتا ہے؟

سیاست ایک ایسا منافع بخش کاروبار ہے کہ دولت کے ساتھ ساتھ انسان کا رعب و دبدبہ بھی قائم رہتا ہے اگر کوئی سیاستدان الیکشن جیت بھی نہیں سکتا تو

ہاتھی مرکے بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے کہ مصداق اس کی دھاک قائم رہتی ہے اور اگر خوش قسمتی سے کوئی سیاستدان اسمبلی کے ایوانوں میں پہنچ جاتا ہے تو اس پر قومی دولت لوٹنے کے کئی در کھل جاتے ہیں اور اس کے قد کاٹھ کے ساتھ قدر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے وہ قومی خزانے سے خود بھی سیر ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اعزہ و اقارب کو بھی نوازتا رہتا ہے جب تک کوئی وہ ایوان اقتدار میں رہتا ہے اس کے اللے تللے تو ہوتے ہی ہیں ساتھ ساتھ دولت و جائیداد اور بینک بیلنس میں بھی وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا ہے سیاستدان بڑا ہی نرم دل ہوتا ہے اس لئے وہ کسی سائل کو انکار نہیں کرسکتا یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ وہ سائل کا کام بھی نہیں کرتا۔ مجھے یہاں پر ایک قول یاد آ رہا ہے کہ " سیاستدان کبھی نہ نہیں کرتا اور عورت کبھی ہاں نہیں کرتی اب مجھے تو کبھی سیاستدان سے پالا پڑا ہے نہ کبھی عورت سے واسطہ ۔۔ البتہ جو تجربہ" رکھتے ہیں انہیں علم ہوگا کہ یہ مقولہ کس حد تک ٹھیک ہے۔

سیاستدانوں کی بات کریں تو لوٹوں اور گھوڑوں کا ذکر نہ آئے تو یہ زیادتی ہوگی لوٹے صرف ٹوائلٹ میں نہیں اسمبلی کے ایوانوں میں بھی ہوتے ہیں جو کبھی لڑھک کر ایک پارٹی کے پاس تو کبھی دوسری کے پاس بھاگے چلے جاتے ہیں اور جب ہارس ٹریڈنگ ہوتی ہے آپ حیران نہ ہوں گھوڑے صرف ٹانگے کے ساتھ یا پولو گراؤنڈ میں ہی نہیں اسمبلی کے دالانوں میں ٹہلتے اور بیٹھے نظر آتے ہیں، اسمبلی

میں بیٹھے ان سیاستدانوں کی کافی بولیاں لگتی ہیں یہ لوگ کروڑوں روپے میں اپنے ووٹ بیچتے ہیں اس لئے ان حالات کو دیکھتے ہوئے سیاست ایک ایسا منافع بخش بزنس ہے جس میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے کافی مواقع میسر آتے ہیں۔

کوئی بھی کاروبار کرنے کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور سیاست کا کاروبار وہی کر سکتا ہے جس کے پاس بینک بیلنس، کوٹھیاں، بنگلے، گاڑیاں اور جائیداد ہوگی کچھ لوگ سیاست کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے لیکن وہ سب ماضی کا حصہ ہیں اب تو سیاست کو ایک منافع بخش کاروبار کے طور پر اور دوسروں پر اپنی دھاک بنانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے کچھ غریب طبقہ سے بھی لوگ سیاست کا شوق رکھتے ہیں لیکن ان کی سیاست سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نعروں اور وڈیرہ شاہی کی چمچہ گیری تک ہی محدود رہتی ہے اگر پاکستان میں تبدیلی لانی ہے اور انقلاب لانا ہے تو سیاست کی تعریف کو تبدیل کرنا ہوگا اور اپنا انتخابی نظام بدلنا ہوگا لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہوں گا کہ ابھی کوئی بھی انتخابی نظام کو بدلنا تو درکنار نظام بدلنے کی بات تک نہیں کرتا، اسی لئے سیاست جو کہ کسی بھی ریاست میں ایک اہم حصہ ہوتی ہے پاکستان میں وہ "سیاہ ست" بن چکی ہے۔ ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ سیاست خدمت ہے، عبادت ہے یا پھر کاروبار؟

کراچی کو کرچی کرچی ہونے سے بچایئے

شہر قائد اک بار پھر خون میں نہلایا ہوا ہے ،فضا آہ و فغاں اورماتم میں ڈوب چکی ہے ،خون بہہ رہاہے ،آگ کے شعلے اور دھویں کے بادل دکھائی دے رہے ہیں،لوگ سہمے ہوئے ہیں،ایک چیخ وپکار اور آہ فغاں جاری ہے تڑپتے لاشے حیرت میں ڈوب کر یہ سوال کر رہے ہیں

آخرش ہمارا قصور تھاکیا

اے والی شہر اتنا تو بتا؟

روشنیوں کے شہر کی روشنیاں بجھ رہی ہیں ان روشنیوں اور قہقہوں کی جگہ موت کا وحشیانہ رقص جاری ہے ظلم وستم تواتر کے ساتھ جاری ہے ظلم کی ایک آگ ہے جس نے شہر قائد کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے ،فائرنگ کی آوازیں اور ایمبولینسز کا شور کسی میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا ہے عروس البلاد میں فضا سوگوار ہے زخمیوں کی دلدوز کراہیں سن کر انسان کھول اٹھتا ہے ،چیخ وپکاراور لاشوں سے اک خاموش صدا آتی ہے

کون ہے ہمارا قاتل ، کس نے بہایا خون

شہر کا شہر خود کو بے گناہ کہتا ہے

لاشیں گر رہی ہیں کچھ لوگ ان لاشوں پہ سیاست کرتے نظر آتے ہیں تو کچھ لوگ نے بے حسی کی چادر اوڑھ کر لبوں کو سی رکھا ہے انسانیت دم توڑ رہی ہے لیکن حضرت انسان جسے اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا تھا اس وقت حیوانوں سے بھی بدتر ہوتا جارہا ہے کراچی کے حالات کو بیان کرنے کے لئے اور شہر قائد میں بہنے والی خون کی ندیوں کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں ملک میں امن و امان کی فضا کو قائم رکھنا حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ہر کسی سے اس کی رعایا کے بارے۔بروز حشر پوچھا جائے گا۔

شہر قائد کو منی پاکستان بھی کہتے ہیں اور اسے پاکستان کی معاشی شہ رگ کا درجہ بھی حاصل ہے پاکستان کی معاشی شہ رگ کو کاٹنے کے لئے دشمن میدان میں کود چکا ہے اور مختلف حربوں سے روشنیوں کے شہر میں فسادات کو ہوا دی جارہی ہے اور میرے سادہ لوح ہم وطن دشمن کی سازشوں کو حصہ بنتے جارہے ہیں ،مجھے کراچی جانے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے جہاں تک میرا تجربہ کہتا ہے تو کراچی میں زیادہ تر فسادات لسانی بنیادوں پر ہوتے ہیں جس علاقے میں جس قوم کی اکثریت زیادہ ہوتی ہے وہ اس قوم کا علاقہ کہلاتا ہے شہر قائد میں رہنے والے ہم وطنوں سے دردمندانہ گذارش ہے کہ وہ اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے ملک دشمن عناصر کو پہچانیں کیونکہ تم سب سے پہلے پاکستانی ہو اور تمہیں پاکستان

کے لئے سوچنا چاہئے تنگ نظری اور لسانیت کے عبادے کو اتار کر اپنے پیارے وطن کے لئے سوچیں کیونکہ دشمن کو تمہارا مل جل کر رہنا اچھا نہیں لگتا اور دشمن یہ نہیں چاہتا کہ تم ترقی کرو، اس لئے وہ تمہیں آپس میں لڑا کر خون کی ندیاں بہا کر تمہیں بھی نقصان پہنچا رہا ہے اور میرے پیارے وطن کو بھی۔

میری حکومت سے گزارش ہے کہ اگر شہر قائد میں رونقوں کو بحال کرنا ہے عروس البلاد کراچی میں روشنیوں کو جلانا ہے کراچی سے ڈر اور خوف کی فضا کو ختم کرنا ہے اور روشنیوں کے شہر میں پھر مسرتوں کو واپس لوٹانا ہے تو کراچی کو اسلحے سے پاک کرنا ہوگا، بظاہر ایسا کرنا مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر پورے کراچی میں بلا تفریق ایک سرچ آپریشن کیا جائے اور ممنوعہ وغیر ممنوعہ اسلحہ کو قبضے میں لے کر کراچی کے باسیوں کو امن کی ضمانت دی جائے تو وہ دن دور نہیں جب امن و امان کی فضا کے ساتھ شہر قائد کی روشنیاں بھی جلیں گی اور کراچی میں رونقیں بھی بحال ہوں گی۔۔

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے\
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو\
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے\
خزاں کے گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

بنت حوا کی پکار۔۔ساجدہ کی زبانی

عورت کو کائنات کا رنگ کہا گیا ہے معاشرے کو سنوارنے میں عورت ایک اہم کردار ادا کرتی ہے دنیا کی کل آبادی میں نصف عورتیں ہیں ہر سال خواتین کا عالمی دن بھی منایا جاتا ہے عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادی کے لئے سیمینار بھی منعقد کئے جاتے ہیں ٹیلیویژن پر مختلف پروگراموں کے ذریعے عورت کی آزادی کے لئے آواز بھی اٹھائی جاتی ہے مختلف اداروں اور این۔جی۔اوز کی طرف سے عورت کی آزادی کا رونا بھی رویا جاتا ہے لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہیں ہوتا اس لئے آج عورت کو وہ مقام نہیں دیا جاتا جو اس کا حق بنتا ہے عورت کو وہ اہمیت نہیں مل رہی جو اسلام نے عورت کو عطا کی تھی آج بھی بنت حوا نوحہ کناں ہے اپنی بے بسی پر،اس کی چیخ و پکار اور آہ فغاں آج بھی معاشرہ سنتا ہے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے بنت حوا سر بازار بک رہی ہے اور آدم کا بیٹا اپنی حیوانی جبلت کی تسکین کے لئے اسے خرید رہا ہے آج بھی حوا کی بیٹی کی صدائیں اور کراہیں سنائی دیتی ہیں تو ہم پر ان کا اثر نہیں ہوتا

بنت حوا جب بھی بکتی ہے
پوری دنیا کو بھی دِکھتی ہے
شرفاء آنکھیں موندتے ہیں

حوا کی بیٹی جب سسکتی ہے

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟کیا آج بھی ہم حوا کی بیٹی کو پاؤں کی جوتی سمجھ بیٹھے ہیں، ہمیں اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا اپنی بہنوں، اپنی بیٹیوں اور اپنی ماؤں کی صداؤں پر لبیک کہ کر انہیں اپنا کھویا ہوا مقام دلانا ہوگا وہی مقام اور وہی اہمیت جو عورت کو اسلام میں دی گئی ہے ایک ایسی ہی دکھی بہن کی صدا اور اپیل میرے ٹیبل پہ پڑی ہے جو کچھ اس طرح سے ہے، جس میں اس نے خادم اعلیٰ اور آئی جی پنجاب سے درخواست کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مکرمی؛ میری شادی/رخصتی 2011/10/22 کو اپنے کزن نعیم حسن سے ہوئی لیکن ابھی شادی کو چند ہی روز گزرے تھے کہ میرے شوہر نعیم حسن نے میری چھوٹی بہن ناہید منشا سے ناجائز تعلقات استوار کر لئے اور مزید برآں ان ناجائز مراسم کو قائم رکھنے کیلئے میرے شوہر نے مورخہ 2011/11/30 کو ایک طلاقِ ثلاثہ لکھوایا جس میں اس نے لکھا کہ اس نے مجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا ہے اور وہ اس کے نفس پر حرام ہے لیکن میرے شوہر نے مجھے دیا گیا یہ طلاق نامی خفیہ رکھا اور باوجود اس کے کہ میں طلاق کے بعد اس پر حرام ہو چکی تھی اس نے میرے ساتھ جنسی تعلقات بدستور قائم رکھے اور میں لاعلمی میں اس کے گھر آباد رہی اس طلاق کے 16 دن بعد 2011/12/14 کو نعیم حسن نے میری

چھوٹی بہن ناہید کو اغوا کر لیا اور عین جس روز نعیم نے میری بہن ناہید کو اغوا کیا اس روز بھی میں نعیم کے گھر آباد تھی لیکن نعیم کی ناہید کو اغوا کرنے کی حرکت سے دلبرداشتہ ہو کر میں اپنے والدین کے پاس آ گئی اس کے بعد میرے غریب اور بوڑھے والدین نے معززین علاقہ کی مدد سے نعیم کے ورثا سے متعدد بار رابطہ کیا کہ وہ نہ صرف میری بہن ناہید کی بازیابی ممکن بنائیں بلکہ ساجدہ کا گھر بھی آباد کریں جس پر نعیم کے ورثا نے کہا کہ ہم ناہید اور نعیم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جبکہ ساجدہ کا گھر آباد ہونا ناممکن ہے کیوں کہ کہ نعیم ساجدہ کو 2011/11/30 کو طلاق دے چکا ہے یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مجھے اوپر تلے کئی صدمات پہنچے تھے ایک تو طلاق کا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نعیم نے مجھے 2011/11/30 کو طلاق دینے کے باوجود مجھے دھوکے میں رکھا اور اسے خفیہ رکھ کر 16 روز تک میرے ساتھ شیطانی کھیل (بظاہر ازدواجی تعلقات) کھیلتا رہا اور 2011/12/14 کو موقع ملتے ہی میری چھوٹی بہن ناہید کو اغوا کر کے لے گیا جناب خادم اعلیٰ صاحب اور آئی جی صاحب ملزم نعیم حسن نے میری زندگی کے ساتھ جو گھناؤنا کھیل کھیلا ہے اس کی نہ تو اسلام اجازت دیتا ہے اور نہ ہی تعزیراتِ پاکستان میں اس کی اجازت ہے میں نے اس تمام واقعے کی اطلاع بذریعہ درخواست تھانہ سٹی دیپالپور بھی دی لیکن میری کہیں بھی شنوائی نہیں ہوئی اور اب آپ کی انصاف پسندی کو دیکھتے ہوئے آپ سے التماس کرتی ہوں کہ آپ مجھے انصاف دلائیں اور ملزم نعیم حسن کی فی الفور

گرفتاری کو یقینی بناتے ہوئے اس کو قرار واقعی سزا دلوائیں تاکہ آئندہ نعیم جیسا کوئی اور دھوکے باز درندہ اس طرح کے قبیح جرم سے کسی کی زندگی برباد نہ کر سکے۔

میں نے جب ایک دکھی بہن کی یہ تحریر پڑھی تو سوچنے لگا کہ اس ظلم عظیم پر زمیں کیوں نہیں کانپی اس ظلم پر تو آسماں بھی رو پڑا ہوگا لیکن اس ظالم کو رحم آیا نہ وہ اللہ سے ڈرا،اور یہ بے حس معاشرہ بھی اس ظلم پر خاموش رہے گا کیونکہ ہم بے حسی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں ہم اس ظلم کے خلاف کوئی صدا بلند نہیں کریں گے کیونکہ ہم صرف اسے ایک کہانی سمجھ کر بھول جائیں گے ہم اس ظلم کے خلاف کوئی اظہار افسوس بھی نہیں کریں گے کیونکہ ظلم کی ایسی داستانیں سن سن ہمارے کان پک چکے ہیں اور اب ہم پر ان باتوں کو ایسی لرزہ خیز داستانوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن ظالم لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان سب کاموں کو اللہ دیکھ رہا ہے اور اللہ کی دی ڈھیل سے فائدہ اٹھا کر توبہ تائب ہو جائیں نہیں تو اللہ کے آگے دیر ہے اندھیر نہیں۔

بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینا ٹھیک ہے؟

پاکستان اس وقت کئی مسائل سے دوچار ہے جن میں سے ایک اہم مسئلہ توانائی کے بحران کا ہے۔لوڈشیڈنگ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے شارٹ فال روز بروز بڑھ رہا ہے جس سے عام آدمی سب سے زیادہ متاثر ہو رہا ہے۔ہنگامہ آرائیاں اور احتجاج کا سلسلہ بھی جاری ہے لیکن احتجاج کرتے وقت ہمیں اپنی املاک کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے بلکہ ایک پر امن طریقے سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروانا چاہئے اور حکومت کو بھی عوام کے پرامن احتجاج کا نوٹس لے کر ان کے مسائل کے حل کے لئے توجہ دینا چاہئے۔اس وقت صنعتی سیکٹر تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اور پاکستان کی بہت ساری انڈسٹریز نے اپنا بزنس یہاں سے وائنڈاپ کرنا شروع کر دیا ہے جو کہ حکومت کے لئے لمحہ فکریہ ہونا چاہئے۔اگر دوسری طرف دیکھیں کہ حکومت بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لئے کیا اقدامات کر رہی ہے؟تو ہمیں اس حوالے سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا کیونکہ موجودہ گورنمنٹ بجلی کے بحران پر قابوپانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہی ہے۔البتہ اپنے پسندیدہ ملک بھارت سے بجلی لینے پر غور کیا جارہا ہے حالانکہ بجلی کے بحران سے نمٹنے کے لئے ہمیں ہمارے دوست ملک چین نے بھی آفر کی تھی اس کے بعد ترکی اور ایران کی طرف سے بھی ہمیں اس طرح کی پیشکشیں ہوئی تھیں لیکن ہماری حکومت نے اس پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی

تھی ۔

اگر اپنے پڑوسی ملک بھارت کو دیکھیں تو اس نے پاکستان کو کبھی دل سے تسلیم تک نہیں کیا بلکہ پاکستان کی ہر سطح پر مخالفت کی اور برصغیر کی تقسیم کے وقت بھی اس نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے کچھ اس طرح سے تقسیم کرنے کی سازش کی تھی تاکہ پاکستان پھر سے واپس بھارت کا حصہ بن جائے لیکن اس کا یہ مذموم مقصد انشاءاللہ کبھی پورا ہوا ہے نہ ہی ہوگا البتہ ہمارے حکمرانوں کی غلطیوں سے اس نے پاکستان کو دولخت کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا، یہ وہ بدنما دھبہ ہے جسے دیکھ کر اور یاد کرکے انسان کے آنسو نہیں تھمتے، لیکن ہمارے حکمران پھر بھی بھارت کو تجارت کے لئے پسندیدہ ملک کا درجہ دیتے ہیں ،جی ہاں اس ملک کو ہم اپنا فیورٹ قرار دیتے ہیں جس کے انتہاپسند ہندوؤں کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان سے آنے والی ہوا بھی ہمارے لئے باد صموم جیسی ہے جس میں ہم سانس لینا بھی گوارا نہیں کرتے ،

حکومت کو بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لئے کچھ ضروری اقدامات کرنا ہوں گے تاکہ میرے ملک کے چمن میں بہار آجائے لیکن بھارت کی بجائے کسی دوست ملک سے بجلی لے لی جائے تو کئی مضطرب اور پریشان لوگوں کو قرار آجائے گا کیونکہ وہ لوگ جو نظریہ پاکستان کو سمجھتے ہیں یا ہمارے وہ بزرگ جنہوں نے بھارت سے صرف اس لئے ہجرت کی تھی کہ اب ہمارا رہن سہن ،ہمارا مذہب اور ہماری ثقافت

ہندوؤں سے الگ ہوگی جو کہ اسلام کے اصولوں پر مبنی ہوگی۔ اگر آج ہم نے پھر سے بھارت کے سامنے جھولی پھیلائی تو ان کا مان ٹوٹ جائے گا انہیں کافی تکلیف ہوگی اس لئے ان محب وطن لوگوں کے لئے بھارت سے بجلی نہ لی جائے، موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو بھارت پھر سے بلوچستان میں متحرک نظر آرہا ہے اور آزادی پسند تحریکوں کو ہوا دے کر پاکستان کو نقصان پہنچانے کی سازش میں مصروف ہے لیکن ہمارے حکمران خواب غفلت کی نیند میں ڈوب کر بھارت کی تعریفوں کے پل باندھنے میں مصروف ہیں اور ہمارے صدر زرداری صاحب بھارت یاترا کے لئے جارہے ہیں۔ بھارت سے بجلی نہ لی جائے موم بتی پر بھی گزارا کر لیا جائے گا "جی ہاں یہ بات ہمارے بزرگ جناب مجید نظامی صاحب نے کہی ہے جو کہ ہمارے حکمرانوں کے ساتھ پاکستان کی عوام کے لئے بھی کافی توجہ طلب اور سوچنے کی ہے کہ جس ملک کی مٹی سے محبت کرنے والے اور نظریہ پاکستان کا پرچار کرنے والے جناب مجید نظامی جیسے بزرگ ہوں تو اس ملک کے ہر فرد کو ملک دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہنا چاہئے

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

بھارت نے پاکستان کو جو مطلوب افراد کی فہرست دی ہے اس میں سرفہرست جماعت الدعوۃ کے سربراہ حافظ سعید صاحب ہیں جو اس وقت دفاع کونسل کے اہم رہنما ہیں بھارت کے کہنے پر امریکہ نے بھی پاکستان کے ایک اہم رہنما کے سر کی قیمت مقرر کردی ہے جو ہمارے حکمرانوں کے لئے بھارت کا اک نیا تحفہ ہے کیونکہ بھارت ان کا پسندیدہ ملک جو ہے اور وہ اپنے فیورٹ ملک سے کبھی خود کش دھماکوں کے تحفے وصول کرتے ہیں تو کبھی کسی جماعت کو کالعدم کروانے کے لئے اپنے پسندیدہ ملک کے احکامات کی پیروی کرکے خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

واک کرتے ہوئے اس کے موبائل کی بیل سنائی دی اس نے فون سننے کے بعد ہمیں یہ بتایا کہ ابّا جی کی کال تھی اور ہماری بات سنے بغیر یہ جا،وہ جا۔اس طرح اکثر ہوتا تھا کہ ہم کہیں کھانا کھا رہے ہوتے ،یا کسی تقریب میں ہوتے یا پھر باغ جناح میں واک کر رہے ہوتے تو جب بھی اس کے موبائل کی گھنٹی سنائی دیتی ہمیں پتا چلا جاتا کہ ابا جی کا فون ہوگا اور واقعی وہ ابا جی کی ہی کال ہوتی ،فون سننے کے بعد اگر کھانا کھا رہے ہوتے تو کھانا چھوڑ دیتے ،واک کر رہے ہوتے تو واک کو خیر باد کہہ دیتے ،اگر کسی تقریب میں ہوتے تو ان سے معذرت کرکے اٹھ کر چلے جاتے اور ابا جی کے فون پر لبیک کہتے ہوئے گھر کو روانہ ہو جاتے۔اتنی زیادہ سعادت مندی دیکھ کر مجھے ان کے والدین پر رشک آتا کہ ان کے بڑھاپے میں انہیں اللہ کی طرف سے ایسی فرمانبردار اولاد نصیب ہوئی ہے ،بڑھاپے میں نیک اور فرمانبردار اولاد کا ہونا اللہ کی طرف سے کسی خوبصورت انعام سے کم نہیں ہوتا۔کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا کہ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بچے انہیں گھر کے کسی کونے کھدرے میں ڈال کر بھول جاتے ہیں اور ان کے مرنے کی دعا کرتے ہیں ،کچھ تو ان کے منہ پر کڑوے کسیلے جملے کہہ جاتے ہیں اور بے چارے والدین اُف تک نہیں کرتے ۔یہاں اسی طرح ایک واقعہ ذہن میں آ رہا ہے کہ

ایک دفعہ کسی گھر کی منڈیر پر ایک کوا بیٹھا تھا تو بچے کی بوڑھی والدہ نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے ؟ بچے نے کہا کوّا ہے ،بوڑھی ماں نے پھر پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے ؟بیٹے نے ذرا سخت آواز میں کہا کہ یہ کوّا ہے ،بوڑھی والدہ نے پھر یہی سوال دہرایا تو بیٹے نے انتہائی گستاخانہ لہجے میں غصے سے کہا کہ آپ کو سنائی نہیں دیتا جو بار بار پوچھے جا رہی ہو،اس پر وہ بوڑھی والدہ مسکرائی اور کہا کہ جب تو چھوٹا بچہ تھا اور اسی جگہ ایک کوّا بیٹھا تھا تو نے معصومیت سے پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے ؟تو میں نے بتایا کہ یہ کوّا ہے تم نے اپنا سوال پورے چالیس بار دہرایا تھا،ہر بار تم معصومیت سے پوچھتے تھے اور ہر بار میں محبت سے بتاتی تھی اور پھولے نہیں سماتی تھی۔

آج معمول کے مطابق ہم پھر واک کر رہے تھے جب حافظ صاحب کے موبائل کی بیل بجی تو ہم نے بے ساختہ کہا کہ ابا جی کا فون آگیا ہے اب تمہیں جانا پڑے گا حافظ صاحب نے جب نمبر دیکھا تو کہا کہ واقعی ابا جی کی کال ہے اب حافظ صاحب کی بد قسمتی کہیں یا کچھ اور ۔ان کا راز فاش ہونا تھا کیونکہ اس دن حافظ صاحب کا موبائل خراب تھا اور اس کا سپیکر آن تھا جیسے ہی حافظ صاحب نے کال لیں کی اور ہیلو کہا تو آگے سے آواز آئی ، مظفر شام ہو گئی ہے تم ابھی تک نہیں پہنچے جلدی گھر پہنچو ،یہ بات کہہ کر فون بند ہو گیا حافظ صاحب نے فون بند کیا اور معمول کے مطابق کہا کہ ابا جی کا فون تھا مجھے جانا ہے ہم نے

انہیں پکڑ لیا اور بتایا کہ اب آپ کا راز فاش ہو چکا ہے کیونکہ ہم نے غلطی سے آواز سن لی ہے حافظ صاحب کافی شرمندہ ہوئے اور بتانے لگے کہ تم لوگ ایسے جان تو نہیں چھوڑتے مجبوراً ابا جی کا بہانہ لگانا پڑتا تھا کیونکہ دوپٹہ گورنمنٹ سے ڈر لگتا ہے۔اب جب کبھی بھی حافظ صاحب کے موبائیل کی بیل سنائی دیتی ہے ہم شور مچا دیتے ہیں کہ ابا جی کا فون آگیا پہلے پہلے تو حافظ صاحب بھی شرمندہ ہوتے تھے لیکن وہ بھی ہمارا شور مچانے پر مسکرانے لگتے ہیں۔

اللہ نے صنف نازک میں کافی کشش رکھی ہے اس لئے انسان اس کے پیچھے لگا رہتا ہے ہمارا ایک دوست تو اس حد تک آگے نکل گیا ہے کہ جب کسی حسینہ کو دیکھتا ہے تو زور سے سبحان اللہ کہتے ہوئے بتاتا ہے کہ قدرت کے حسین شاہکاروں کو دیکھ کر اللہ کی تعریف کرنی چاہئے وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ کسی نامحرم کو دیکھنا گناہ ہوتا ہے آج کل کے نوجوان لڑکے حسیناؤں کے پیچھے گھومتے دکھائی دیتے ہیں میں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ انسان کی کتنی مائیں ہوتی ہیں اس نے پانچ مائیں کہہ کر مجھے حیران کرتے ہوئے بتایا کہ ایک اس کی اپنی ماں ہوتی ہے ،ایک دادی ماں ہوتی ہے،ایک نانی ماں ہوتی ہے ،ایک 'ساسو' ماں ہوتی ہے اور ایک وہ بھی ہوتی ہے میں نے حیرت سے پوچھا کہ 'وہ' سے کیا مراد ہے وہ تھوڑا ہچکچایا اور کہا کہ اک وہ جس سے رات کو دو بجے بات ہو رہی ہوتی ہے اور امی

اپنی چارپائی سے چپل کھینچ کر مارتے ہوئے کہتی ہیں کہ "اس ٹائم کیری ماں نال لگا ایں" (اس وقت کس ماں سے بات کر رہے ہو)۔

شادی سے پہلے تو لڑکے کافی شرارتیں کرتے رہتے ہیں لیکن شادی کے بعد یہ بھیگی بلی بنے نظر آتے ہیں اور بیوی کی ہر بات پر لبیک کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مظبوط اور پاور فل "دوپٹہ گورنمنٹ" ہے۔ چاہے وہ دوپٹہ سر پر ڈالے، چاہے گردن میں لٹکالے لیکن شوہر کو اپنے دوپٹے سے باندھنے کا ہنر ہر بیوی کو آتا ہے۔

ملک بدنام ہوا 'وینا ملک' تیرے لئے

ملک صاحب اب آپ کو برا محسوس نہیں ہوتا اپنے آپ کو ملک کہلوانے پر؟ میں چونک کر اسے دیکھنے لگا اور اس سے استفسار کیا کہ کیوں؟ بھلا ایسی کیا بات ہو گئی کہ میں اپنا نام ہی تبدیل کر لوں، میرے دوست نے جواب دیا کہ میں یہ تو نہیں کہہ رہا تھا کہ آپ اپنا نام تبدیل کریں ،اس کی بات کاٹ کر میں نے پوچھا پھر آپ کا کیا مطلب تھا ؟تو اس پر وہ شرمندہ سا گویا ہوا کہ ملک صاحب آپ کو پتا ہے کہ میں بھی اپنا پورا نام ملک عمران اعوان لکھواتا تھا لیکن اب صرف عمران لکھواتا ہوں ،وجہ پوچھنے پر بتایا کہ مجھے میرے دوست تنگ کرتے ہیں کہ آپ کا وینا ملک سے کیا رشتہ ہے؟ وہ آپ کی کیا لگتی ہے؟

اس کی بات سن کر مجھ پر تو ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور وہ حیرت سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے میں نے اسے ازراہ مذاق کہا کہ اگر کوئی رشتہ نہیں ہے تو رشتہ بنا لیتے ہیں ویسے بھی ابھی تک اس کی شادی تو نہیں ہوئی اس پر وہ غصے سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ کو پتا ہے وینا ملک نے انڈیا میں اپنے کپڑے اتار کر فحاشی کی انتہا کر دی ہے جس کی وجہ سے پوری قوم کے سر شرم سے جھکے ہوئے ہیں اور مجھے تو ملک کہلوانا اچھا نہیں

لگتا، میں نے اسے سمجھایا کہ آپ وینا ملک کی وجہ سے ایسا نہ کرو تاریخ پر نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا کہ ملک برادری میں کیسی کیسی عظیم ہستیاں تھیں زیادہ دور نہ جاؤ، سابقہ گورنر پاکستان ملک امیر محمد خان بھی تو ہماری فیملی سے تھے ملک برادری میں کئی اور بڑے اور تعلیم یافتہ نام بھی موجود ہیں اپنے وزیر داخلہ ڈاکٹر عبدالرحمان ملک بھی ہماری ہی برادری سے ہیں جن کا نام پاکستان کے اندر بھی کافی عزت سے لیا جاتا ہے ڈاکٹر عبدالرحمان ملک صاحب ان دنوں سورۃ اخلاص سیکھ رہے ہیں شاید مستقبل قریب میں وہ بھی طالبان کے ساتھ مذاکرات کرتے نظر آئیں کیونکہ طالبان کے ساتھ ان کے بڑے دوستانہ روابط ہیں جن کی وجہ سے وہ دہشت گردی کی واردات کرنے بعد رحمان ملک صاحب کو انفارم کر دیتے ہیں اور فوری ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں۔

میں نے اپنے دوست کو کہا اگر آپ پھر بھی میری بات سے اتفاق نہیں کرتے اور وینا ملک کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ ملک نہیں لکھنا چاہتے تو ملک عمران اعوان کی بجائے صرف عمران نہ لکھیں عمران اعوان لکھا کریں اس پر وہ بڑے عجیب سے لہجے میں بولا کہ اپنے نام کے ساتھ اعوان نہ لکھنے کی بھی ایک اہم وجہ ہے میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ آج کل اعوانوں کے ستارے گردش میں ہیں میں نے پوچھا وہ کیسے ؟اس پر اس نے ڈاکٹر بابر اعوان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کا پورے ملک میں طوطی بولتا تھا لیکن آج کل وہ طوطا

فال والوں سے اپنی قسمت کے بارے معلوم کرتے دکھائی دیتے ہیں اور صدر زرداری صاحب اور پرانے رفقاء کے طرف دیکھتے ہوئے یہ کہتے نظر آتے ہیں

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں نے اپنے دوست کو کہا آپ صرف اعوانوں میں سے بابر اعوان کو نہ دیکھیں اپنی آپا ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان صاحبہ بھی تو ہیں جو پاکستان کی مشہور و معرف ہستی ہونے کے ساتھ ساتھ مس ورلڈ حسینہ کے درجے پر بھی فائز ہونے والی ہیں اس پر میرے دوست نے ایک زبردست قسم کا قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہاں پر بھی میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ میں فردوس عاشق اعوان کی طرح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان کی طرح آنسو بہا سکتا ہوں میں اپنا نام صرف عمران ہی لکھوں گا جب میری کسی بات پر وہ متفق نہیں ہوا تو تنگ آ کر کہا کہ لگتا ہے تم میں بھی عمران خان کا سونامی سرایت کر گیا ہے جس نے تیری ساری شناخت کو ختم کر دیا ہے ویسے بھی اب وینا ملک بھی سونامی کا حصہ بن گئی ہے اب تو مجھے بھی شک ہونے لگ گیا ہے کہ تیرا 'وینا ملک' کے ساتھ کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور ہے۔

جنگل کا قانون

اس کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی وہ.بزرگ روتے ہوئے مجھے اپنی بپتا سنا رہے تھے کہ کس طرح ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے گئے؟کیسے وہ دینے والوں سے مانگنے والوں کی فہرست میں آ گئے؟بزرگ،ہچکیاں لیتے ہوئے اپنے اوپر بیتے ظلم کی کتھا سنا رہے تھے ۔ویسے بھی جس معاشرے سے انصاف اٹھ جاتا ہے وہاں ظلم پروان چڑھنا شروع ہو جاتا ہے ان.بزرگ کی بھی اس طرح کی ایک کہانی ہے ظلم کی یہ کہانی ان .بزرگ کی زبانی سنیئے۔

میرا نام محمد شیر ہے میرا شمار آج سے تقریبا دو سال قبل جنڈانوالہ کے اہم اور کھاتے پیتے زمیندار افراد میں ہوتا تھا میری زمینیں سونا اگلتی تھیں اور میرے مال مویشیوں سے بہت اچھے طریقے گزر بسر ہو رہی تھی میرے رشتے کے ایک بھائی جنھیں میں ان کی عادات کی وجہ سے قطع تعلق کر چکا تھا کو پولیس نے چوری کے ایک کیس میں گرفتار کر لیا اس کے بعد مدعیوں نے تھانہ نور پور کی پولیس کی مدد سے میرے مال مویشی جن کی مالیت تقریبا سات لاکھ روپے تھی لے گئے اور ' الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق ' ان مال مویشیوں کی.برآمدگی مجھ پر ڈال کر مجھے ہی حوالات میں بند کر دیا میں قدرت کی اس ستم

ظریفی پر حیران تھا کہ آخر میرا قصور تھا کیا۔ کہ مویشی بھی میرے گئے اور میں چور بھی بن گیا یہ کیس تقریبا دو سال تک چلتا رہا جس کے بعد اہل علاقہ کی میرے حق میں مشترکہ گواہی سے مجھے بے گناہ ثابت قرار دے کر رہا کر دیا گیا لیکن ان دو سالوں میں جو حالات مجھ پر بیتے یا جو ظلم میرے بیوی بچوں نے سہے وہ میں جانتا ہوں یا میرا رب جانتا ہے اس عرصے میں معززین علاقہ کی نظروں میں گر گیا اور مجھے واقعی مجرم سمجھا جانے لگا یہ سب باتیں میں تقدیر کا لکھا سمجھ کر سہ لیتا،ان مظالم اور دکھ والم کے کڑوے گھونٹ کو میں آنکھیں موند کر پی لیتا اگر مجھے میرے مویشی واپس مل جاتے، جن لوگوں نے پولیس کی مدد سے میرے گھر سے مویشی کھولے تھے ان کے ہاتھ کافی لمبے ہونے کی وجہ سے مجھے میرا مال واپس ہوا نہ ہی مجھے انصاف ملا، لوگوں سے سنا ہے کہ قانون کے ہاتھ کافی لمبے ہوتے ہیں اور میرے ملک میں تو اب عدلیہ بھی آزاد ہے لیکن مجھے انصاف کیوں نہیں ملتا؟

وہ بزرگ آنسو پونچھتے ہوئے میری طرف امید بھری نظروں سے سوال کر رہے تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ جس ملک میں انصاف رخصت ہو جاتا ہے وہاں اس طرح کا ظلم معمول بن جاتا ہے جس معاشرے میں قانون ظالم کی پشت پناہی کرے اس بے حس معاشرے میں محمد شیر جیسے بزرگ انصاف کے لئے بھٹکتے رہتے ہیں جس علاقے میں قانون کے رکھوالے ظالم کا ہاتھ بن جائیں تو اس علاقے میں ظلم کی ایسی

داستانیں رقم ہوتی رہتی ہیں لیکن ہم بے حسوں کی طرح خاموش رہتے ہوئے حقیقت سے آنکھیں موند لیتے ہیں۔

سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے

سنا ہے شیر کا جب پیٹ بھر جائے

تو وہ حملہ نہیں کرتا

سنا ہے گھونسلے سے جب کوئی بچہ گرے

تو سارا جنگل جاگ اٹھتا ہے

ندی میں بار آ جائے ،کوئی پُل ٹوٹ جائے

تو کسی لکڑی کے تختے پر

گلہری، سانپ، چیتا اور بکری ساتھ ہوتے ہیں

سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے

خداوند، جلیل و معتبر، دانا وبینا، منصف اکبر

ہمارے ملک میں اب جنگلوں کا ہی کوئی دستور نافذ کر دے

میرے ملک میں اس وقت طبقاتی تفریق بڑھ چکی ہے امیروں کے لئے علیحدہ انصاف نگریاں تو غریبوں کے لئے الگ۔اس وقت تھانہ کلچر کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اسی وجہ سے جرائم میں کمی کی بجائے اضافہ دیکھنے میں آتا ہے اگر تھانہ کلچر کی تصحیح نہ کی گئی تو محمد شیر جیسے کئی بابے انصاف کے لئے در

بدر ہوتے رہیں گے اس ملک میں الیکشن کے وقت عوام کے مسائل کے حل کا رونا تو ہر امیدوار روتا ہے لیکن جیتنے کے بعد عوام سے ہی دور ہو کر اپنی موج مستیوں میں مشغول ہو جاتا ہے ان حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے ہمیں ایک حقیقی دستور کی ضرورت ہے جو سب کے لئے یکساں ہو، جس میں کوئی طبقاتی تفریق نہ ہو تب جا کر ہم آگے بڑھ سکتے ہیں نہیں تو حیوانوں سے بھی بدتر ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ حیوانوں کا بھی اور جنگل کا بھی ایک قانون ہوتا ہے۔

کیا "قیامت" آ گئی؟؟

سنا تھا قیامت 2012ء میں آئے گی قیامت تو نہیں آئی لیکن میری شادی ہو گئی اور میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گیا کہتے ہیں کہ روز قیامت حساب کتاب ہو گا اور انسان سے پوچھ گچھ ہو گی لیکن یہاں تو شادی کے بعد سے ہی سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی ہے شاید یہ قیامت سے پہلے کی کوئی قیامت ہے۔

انسان پیدا ہوتا ہے بچپن سے لڑکپن تک کھیل کود میں مشغول ہوتا ہے لیکن جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اس کی سوچ اور خیالات تبدیل ہو جاتے ہیں جو پہلے کھیل کود اور گیند کے پیچھے بھاگتا تھا وہ لڑکیوں کے خیالوں میں کھو کر ان کے آگے پیچھے گھومنے لگ جاتا ہے۔

قدرت نے صنف نازک میں کافی کشش رکھی ہے یہ کشش کبھی کبھار تو انسان کے لئے وبال بن جاتی ہے اور لڑکے کا سارا کیریئر تباہی کی طرف لے جاتی ہے لیکن ابن آدم پھر بھی باز نہیں آتا اور اس کے پیچھے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے لیکن کسی خوش نصیب کو جب بد قسمتی سے کوئی حوا کی بیٹی اپنی زلف میں الجھا کر پھنسا کر شادی کے بندھن میں باندھ لیتی ہے تو وہ بے چارہ ساری

عمر پچھتاتا رہتا ہے کچھ لڑکے تو اپنی محبوبہ کو پانے کے لئے صلواۃ الحاجت بھی پڑھا کرتے ہیں اور جب ان کی دعا قبول ہو جاتی ہے تو وہی آدم کے بیٹے صلواۃ التوبۃ پڑھتے نظر آتے ہیں، کہتے ہیں کہ صدقہ دینے سے ہر بلا ٹل جاتی ہے لیکن سوائے اس کے جو آپ کے نکاح میں آچکی ہے۔

کچھ لڑکوں کو تو صنف نازک کی کشش نے اور ان کے بناؤ سنگھار نے بے وقوفی کی حد تک پاگل بنا رکھا ہے ایک لڑکے کو جسے میں نے کبھی مسجد کا منہ کرتے نہیں دیکھا تھا پانچوں وقت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے دیکھا تو خوش ہونے کے ساتھ ساتھ کافی حیران بھی ہوا، بہلا پھسلا کر اس کی اس مثبت تبدیلی کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا مسجد کی گلی میں میری محبوبہ کا گھر ہے کبھی کبھار مسجد آتے ہوئے اس کا دیدار بھی ہو جاتا ہے اگر محبوبہ کا دیدار نہ بھی ہو تو مسجد میں اس کے والد کی زیارت ضرور نصیب ہوتی ہے اس طرح ایک اور لڑکے کو بھی دیکھا جو سجدوں میں اور دعا میں گریا وزاری کر رہا ہے سوچا کہ اس سے دعا کروانی چاہئے اور اس سے اس طرح گڑگڑا کر دعا مانگنے کی وجہ معلوم کرنا چاہئے اس نے یہ شعر سنا کر مجھے خاموش کر دیا

عمل سے بھی مانگا، وفا سے بھی مانگا
اسے تو میں نے اس کی ادا سے بھی مانگا
جب کچھ بن نہ پڑا تو خدا سے بھی مانگا

قسم ہے خدا کی ،خدا سے بھی مانگا

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہے اول الذکر کا تو مجھے کچھ خاص علم نہیں ، لیکن دوسری بات اکثر دیکھنے میں آتی رہتی ہے لیکن یہ عورت ہی ہے جس نے ابن آدم کو دیوانہ بنایا ہوا ہے اور آدم کا بیٹا بھی صنف نازک کے ہاتھوں بے وقوف بننے پر مسرور دکھائی دیتا ہے کیوں نہ ہو، حوا کے کہنے پر آدم نے بھی تو ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تھا جس کی پاداش میں انہیں جنت سے نکلنا پڑا، ہر انسان تقدیر پر بھروسہ رکھتا ہے اور مقدر کو مانتا ہے یہ بات بھی ابن آدم کو معلوم ہے کہ اس کے مقدر میں جو لڑکی لکھ دی گئی ہے وہ اسے ضرور ملے گی لیکن اس کے لئے کوشش بھی کرنا ہوتی ہے میرا ایک دوست کہتا ہے کہ واقعی جوڑے آسمان پر بنتے ہیں لیکن ذلیل ہمیشہ زمین پر ہی ہوتے ہیں

-

اچھا تو بات شروع کی تھی کہ ہم بھی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں اس لئے تمام قارئین سے گزارش ہے کہ وہ بندہ خاکسار کو اپنی خصوصی دعا میں یاد رکھیں ،دعا مانگنے کے لئے اس وقت کہا جاتا ہے جب انسان کسی مشکل کا شکار ہو یا پھر کسی نئی زندگی کی شروعات کر رہا ہو اور شادی کے بعد انسان اپنی نئی

زندگی شروع کرتا ہے اور میں بھی اک نئی زندگی شروع کر چکا ہوں اس لئے دعا کریں
کہ میں زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب و کامران ہوں ،اللہ آپ کو سدا شاد رکھے۔۔آمین

عالمی دہشت گرد امریکہ

امریکی خارجہ کا کہنا ہے کہ حقانی نیٹ ورک کو دہشت گرد تنظیم قرار دینے پر غور کر رہے ہیں یہ بیان جب میری نظر سے گزرا تو ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا، کہ امریکہ بہادر خود ہی مدعی اور خود ہی منصف بنا بیٹھا ہے جب جی میں آتی ہے تو کسی کو دہشت گرد قرار دیدے اور خود ہی سزا تجویز کرتے ہوئے اسے نیست و نابود کر دے، چاہے وہ عراق کی زمین ہو، یا پھر افغانستان کے چٹیل پہاڑ ہوں، یا لیبیا کی آبادیاں ہوں، ہر کہیں امریکی دہشت گردوں نے ظلم کی تاریخیں رقم کر دی ہیں اور خون کی ندیاں بہائی ہیں پھر بھی نام نہاد امن کا علمدار امریکہ اپنے آپ کو امن کا اور سلامتی کا پیرو تصور کرتا ہے امریکہ کو دنیا میں ڈھائے گئے مظالم تو نظر نہیں آتے، اسے پاکستان میں ڈرون حملوں سے ہونے والے معصوم دہشت گرد تو نظر آجاتے ہیں لیکن وہ ابو غریب جیل اور گوانتا ناموبے سے چشم پوشی کرتے ہوئے خود کو امن کا ٹھیکیدار کہتا ہے۔
امریکہ اور اس کے حواری اس وقت مسلم دنیا کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مسلم امہ پہلے بھی چپ تھی اور اب ظلم سہتے ہوئے بھی آواز بلند نہیں کر رہی، اسلام دشمن عناصر اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے مسلم دنیا کو بدنام کئے جا رہے

ہیں اور ظلم کی انتہا کیئے جا رہے ہیں لیکن امت مسلمہ نے اپنے ہونٹوں کو سیا ہوا ہے کبھی یہ اسلام دشمن عناصر ہماری مقدس کتاب قرآن مجید کو (نعوذ باللہ) جلانے کی بات کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ میرے رب نے خود لیا ہوا ہے کبھی یہ اسلام دشمن میرے پیارے آقا ﷺ کی شان میں گستاخانہ حرکت کرتے ہیں ایسی بری حرکت کرتے ہوئے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جس کی شان میں تم گستاخی کرنے کے مرتکب ہو رہے وہ تو کفار کے لئے بھی اور دشمنوں کے لئے بھی سراپاء رحمت تھے تو کبھی یہ عناصر مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لئے حجاب پر پابندی لگاتے ہیں یہ اسلام دشمن عناصر جتنا اسلام کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں اسلام اس سے زیادہ تیزی سے پھلتا اور پھیلتا جا رہا ہے اس وقت مغربی دنیا میں سب سے زیادہ اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب یہی اسلام ہے جو غیر مسلم بھی باریک بینی سے اور غور سے اسلام کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہی سچا دین ہے اور اس میں زندگی گزارنے کا مکمل فلسفہ موجود ہے۔

مسلمانوں اٹھو اور اپنے دشمن کو پہنچانو جو آپ کی صفوں میں گھس کر ہمیں انتشار کا شکار کر رہے ہیں،اگر ظلم کے خلاف مسلمانوں نے اپنی آواز کو بلند نہیں کیا تو ظالم مظالم ڈھانے میں شدت اختیار کرتا جائے گا اور تمہاری آہ و بکا میں اضافہ ہوتا جائے گا مسلم امہ کو آنکھیں کھولنا ہو گی اپنے دشمن کو

پہچانا ہو گا اپنے تابناک ماضی کو واپس لے کر آنا ہو گا اور دنیا کو بتانا ہو گا کہ جیسے ہمارے اسلاف کا رعب تھا آج ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

اچھا تو کم علمی کی وجہ سے بھٹک گیا ہوں بات شروع کی تھی امریکہ کی، کہ جسے چاہے امن کا نوبل انعام کا حق دار ٹھہرا دے تو جسے چاہے دہشت گرد قرار دیتے ہوئے خود ہی سزا تجویز کرے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے اپنے سارے ذرائع استعمال کر دے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے مغربی دنیا امریکہ کی سرپرستی میں اسلام کو دہشت گرد قرار دیتی ہے اور امریکہ بھی بدمست ہاتھی کی طرح طاقت کے نشے میں اسلام اور مسلم امہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے لیکن اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ وہ قوم ہے جو جذبہ ء شہادت سے لبریز اور موت کو عزیز رکھتی ہے یہ وہ قوم ہے جن کے اسلاف نے سمندروں میں بھی گھوڑے دوڑا دیئے تھے ،امن کا نام نہاد علمدار امریکہ کو ہوش کے ناخن لینے ہوں گے اور دہشت گردی کے سدباب کے لئے مناسب حکمت عملی اپنانا ہو گی ان مظالم کو بند کرنا ہو گا، مسلم امہ کے خون سے ابھی تک یہی صدا آ رہی ہے عالمی دہشت گرد امریکہ، دہشت گرد اسلام نہیں

شہر قائد میں امن کیسے قائم ہوگا

گزشتہ ہفتہ شہر قائد میں گزرا، کراچی کی کچھ باتیں ،کچھ یادیں ،کچھ تجربات آپ سے شیئر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ شہر قائد میں کچھ شرپسند عناصر دہشت گردانہ کاروائیاں کر رہے ہیں جس کی وجہ سے عروس البلاد کراچی کا امن تباہ ہو چکا ہے، شہر قائد میں بوری بند لاشیں ملنا ایک معمول بن چکا ہے ،ایمبولینسز کے شور کے ساتھ ساتھ یہاں آپ کو فائرنگ کی آوازیں بھی سننے کو ملتی ہیں ، کراچی میں وہاں کے مکینوں اور مظلوموں کی آہ و بکا سن کر دل خون کے آنسو روتا ہے ،عروس البلاد کراچی میں سٹریٹ کرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا دکھائی دے رہا ہے ،روشنیوں کے شہر میں لوگ ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں اس شہر میں خون انتہائی سستا ہو چکا ہے اس لئے روز خونی وارداتیں کسی معصوم کا چراغ گل کر دیتی ہیں ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ خوری اس شہر کا مقدر بن چکی ہے

پھر وہی کالا دھواں،انسانی جانوں کا زیاں

آہ و فغاں اور سسکیاں، دم توڑتی انسانیت کی ہچکیاں

خوف کا، دہشت کا، وحشت کا ساماں

پھر سے بڑھتی تلخیاں، وہ ہی زباں ، وہ ہی بیاں

اے خدائے مہرباں، الحفیظ والاماں

ساکنان شہر بے اماں، آخرش جائیں کہاں؟

شہر قائد جسے روشنیوں کا شہر کہتے ہیں، اور جسے پاکستان کی معاشی شہ رگ کا درجہ حاصل ہے اس میں امن وامان کی فضا قائم رکھنے والے پولیس اہلکار سر عام رشوت کا بیوپار کرتے نظر آتے ہیں شہر میں جا بجا وال چاکنگ اور مختلف سیاسی جماعتوں کے نعرے بھی لکھے نظر آتے ہیں منی پاکستان میں پاکستان کی ساری قومیں بسلسلہ روزگار مقیم ہیں لیکن میرے سادہ لوح ہم وطن لسانیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے دشمن بنے دکھائی دیتے ہیں

۔

اس شہر میں کچھ لوگ محبت کے پھول بکھیرتے بھی دکھائی دیئے، کچھ فرشتہ صفت انساں شہر قائد میں بھی خوشیاں بانٹتے اور دکھوں پر مرہم لگاتے نظر آئے ، یہاں پر کچھ لوگ زندگی کی حرارتوں سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیئے، روشنیوں کے شہر میں پنجاب کی نسبت لوڈشیڈنگ کا دورانیہ کم ہے لیکن پھر بھی وہاں کی روشنیاں مدھم ہوتی جارہی ہیں۔

اس شہر میں امن وامان کو قائم رکھنے کے لئے حکومت کو سنجیدگی سے سوچنا ہوگا اور کوئی مناسب حکمت عملی ترتیب دے کر شہر قائد کو دوبارہ روشن کرکے وہاں کے مکینوں کے چہروں کی رونقوں کو واپس لانا ہوگا، امن وامان کی فضا کو بحال کرکے پاکستان کی معاشی شہ رگ کو ترقی کی راہ پہ گامزن کرنا ہوگا

اس کے لئے کچھ تجاویز بھی پیش ہیں۔

عروس البلاد کراچی کو اسلحہ سے پاک کر دیا جائے اس کے لئے پورے شہر میں بلا تفریق آپریشن کر کے ممنوعہ و غیر ممنوعہ اسلحہ قبضہ میں لے کر شہریوں کو تحفظ کی ضمانت دی جائے۔

شہر قائد سے سیاسی پارٹیز کے جھنڈے بھی اتار دیئے جائیں اور پورے شہر میں وال چاکنگ ختم کر کے اشتعال آمیز نعرہ بازی لکھنے پر جرمانہ کیا جائے۔

شہر قائد میں بھتہ خوروں کے خلاف گرینڈ آپریشن کر کے وہاں کے مکینوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

شہر کے مختلف علاقوں میں قومی اور ملی یکجہتی پر حکومتی سطح پر سیمینار کروائے جائیں جس میں ہر نسل، ہر قوم اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے افراد کو اکٹھا جائے اس سے بھی تلخیاں کم ہونے میں مدد ملے گی۔

روشنیوں کے شہر میں امن وامان کی فضا کو بحال کرنے میں علمائے کرام کو ٹاسک دیئے جائیں کیونکہ کسی بھی معاشرے کو سنوارنے میں علماء کلیدی کردار

ادا کرتے ہیں۔

میری حکومت سے عاجزانہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا تجاویز پر غور کیا جائے اور مناسب حکمت عملی ترتیب دے کر شہر کی رونقوں کو بحال کیا جائے۔

خدا کرے مری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ ءزوال نہ ہو
اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔۔آمین

بہادر لڑکا

ایک چھوٹا سا ملک تھا جس کا نام "خوشحالستان" تھا، وہاں کا بادشاہ بڑا نرم دل تھا اور اپنی رعایا کا ہر طرح کا خیال رکھتا تھا اور عوام بھی بادشاہ سے خوش تھی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا فرض سمجھتی تھی اسی لئے ملک میں چہار سو خوشحالی تھی، چاروں طرف لہلاتے کھیت اور ہریالی ہی ہریالی تھی، لوگ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے، کسی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی، وہاں کے لوگ ایک خاندان کی طرح اتفاق سے رہتے تھے بادشاہ بھی اپنی رعایا کا خیال رکھنے کے لئے رعایا کے لئے محل کے دروازے کھولے رکھتا تھا۔۔۔

خوشحالستان میں ایک غریب لڑکا بھی رہتا تھا جس کا باپ چرواہا تھا، لڑکے کا نام 'شیر دل' تھا لیکن وہ فطرتاً کم گو، نرم مزاج اور بزدل واقع ہوا تھا، اس کی بزدلی کی وجہ سے لوگ اسے "شیر دل" کی بجائے بزدل پکارا کرتے تھے، جس پر وہ کڑھتا رہتا تھا لیکن پھر بھی وہ لوگوں کے کام آنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا، ایک دن اس کے محلے میں ایک بوڑھی عورت آئی، بچوں نے اسے تنگ کرنا اور ستانا شروع کر دیا، اس پر پتھر پھینکتے ہوئے اس بیچاری کے پیچھے لگ گئے، شیر دل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اس نے سہمے

ہوئے لہجے میں بچوں کو باز رہنے کو کہا تو بچے بزدل.بزدل پکارتے پھر اس بوڑھی عورت کے پیچھے لگ گئے،آخر تھک ہار کر بوڑھی عورت گری اور بے ہوش ہو گئی،شیر دل گھر سے پانی اور کھانا لے گیا،اور اس عورت کو ہوش میں لے آیا،اس کے بعد اس نے اس بوڑھی عورت کو ٹھنڈا پانی پلایا اور کھانا کھلایا،بوڑھی عورت 'شیر دل' سے بہت خوش ہوئی،آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اسے دعائیں دیں اور کہا کہ انشاءاللہ بہت جلد تمہارے دن پھر جائیں گے اور ایک طرف چل دی۔۔

اسی طرح دن گزرتے چلے گئے 'شیر دل' بھی اس بوڑھی عورت کو بھول گیا اور پھر سے اپنے کاموں میں مشغول ہوگیا۔لیکن ساتھ ساتھ وہ اور لوگوں کے کام ثواب سمجھ کرتا رہا،دن بیتتے چلے گئے"خوشحالستان"میں ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی نظر آتی تھی اور لوگ مل جل کر ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں کسی بھی طرح کی کوئی ٹینشن یا مسئلہ نہیں تھا،پھر "خوشحالستان"کو کسی دشمن کی نظر لگ گئی۔

خوشحالستان"میں لوگ غائب ہونا شروع ہوئے اور پھر کچھ عرصے بعد کہیں نہ کہیں" سے ان بندوں کی بچی کھچی نعشیں ملنا شروع ہوئیں،ایسے لگتا تھا کہ کسی "بلا"نے ان کا خون پی کر ان کے جسموں کو چبایا ہو،رعایا کے ساتھ بادشاہ بھی

پریشان ہو گیا اور مشورہ طے پایا کہ ہر محلے میں کچھ لوگ رات کو پہرہ دیا کریں گے تاکہ مزید جانی نقصان سے بچا جا سکے۔اسی طرح ایک رات کچھ لوگ پہرہ دے رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ کہ ایک بہت بڑی "بلا" جس کی شکل بہت ہیبت ناک تھی اور جس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی طرح چمک رہی تھی جس کے لمبے لمبے پنجے تھے تیزی سے آئی اور ایک پہرے دار کو اپنے پنجوں میں لپیٹ کر بجلی کی سی تیزی سے جنگل کی طرف بھاگ گئی۔لوگ اس کے پیچھے بھاگے لیکن وہ انہیں کہیں نظر نہ آئی۔

بادشاہ نے پورے ملک میں منادی کروا دی کہ جو بہادر انسان اس "خونی بلا" کو مارے گا اسے سونے جواہرات سے تول دیا جائے گا۔بادشاہ کا اعلان سن کر کئی بندے جنگل کی طرف گئے لیکن کوئی بھی واپس نہیں آیا۔بادشاہ اپنی رعایا کیلئے کافی زیادہ پریشان تھا ایک دن "شیر دل" کے باپ نے اسے کہا کہ لوگ یہ طعنہ دیتے ہیں کہ تیرا بیٹا ویسے تو نیک ہے پر بزدل ہے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو اس "خونی بَلا" کو ٹھکانے لگا کر لوگوں کے منہ بھی بند کر دے اس سے تجھے ثواب بھی ملے گا اور بادشاہ کی طرف سے انعام بھی۔"شیر دل" فطرتاً بزدل ہونے کی وجہ سے پہلے تو کافی پریشان ہوا۔لیکن جب باپ کی طرف دیکھا کہ وہ اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے تو حامی بھر لی۔شیر دل کے باپ نے اسے ایک تیر کمان اور تلوار کے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں دے کر جنگل کی طرف رخصت

کیا تو لوگ حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ۔۔ کیونکہ "شیر دل" جس کام میں ہاتھ ڈالتا تھا وہ کرکے دکھاتا تھا اور انہیں امید تھی کہ ہر بار کی طرح اس بار بھی شیر دل کامیاب ہوگا۔۔

شیر دل" اللہ کا نام لے کر جنگل میں داخل ہوا، تو اسے اک جھونپڑی نظر آئی وہ اس" طرف چل دیا، جب جھونپڑی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہی بڑھیا عورت ہے جس کی اس نے اک بار مدد کی تھی۔بڑھیا نے بھی اسے پہچان لیا، اور شیر دل سے رات کو جنگل میں آنے کی وجہ پوچھی تو شیر دل نے سارا ماجرا سنا دیا جس پر بڑھیا نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آج کی رات میرے پاس ٹھہر جاؤ کیونکہ رات کے اندھیرے میں "جنگلی بلا" اپنے شکار کی تلاش میں نکلتی ہے اور دن کو آرام کرتی ہے کیونکہ اسے دن میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا، چنانچہ "شیر دل" وہ رات ادھر ہی ٹھہر گیا۔

صبح شیر دل بڑھیا کی بتائی جگہ پر گیا تو دیکھا کہ اک بہت بڑی 'بلا' ہے جسے دیکھتے ہوئے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں لیکن شیر دل کو معلوم تھا کہ اس وقت "بلا" سو بھی رہی ہے اور اسے دن میں نظر بھی کچھ نہیں آتا، شیر دل اللہ کا نام لے کر بلا کے نزدیک پہنچا اور پہلے ہی زور دار وار سے بلا کے سر کو دھڑ سے الگ کر دیا اس وقت خونی بلا" کی ایک دردناک چیخ نکلی جو پورے"

خوشحالستان" میں سنائی دی، لوگ خوشی سے جنگل کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ بلا کا سر الگ پڑا ہے اور اس کا جسم ابھی تک تڑپ رہا ہے۔ 'سر' کے پاس شیر دل خون آلود تلوار اٹھائے کھڑا ہے لوگوں نے خوشی سے نعرے لگانا شروع کر دیئے اور "شیر دل" کو کندھوں پر اٹھا کر بادشاہ کے محل کی طرف چل دیئے، بادشاہ نے شیر دل کو ڈھیر سارے انعامات سے نوازا اور اسے اپنا وزیر بنا لیا، خوشحالستان میں ایک بار پھر خوشحالی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔۔

اللہ دیکھ رہا ہے

چاروں طرف افرا تفری پھیل چکی ہے عوام پریشان ہیں سازشی عناصر نت نئی سازشوں کے جال بن رہے ہیں،ظالم کا ظلم بڑھتا جا رہا ہے مظلوموں کی کراہوں میں شدت آتی جارہی ہے حکمران طبقہ اپنی عیاشیوں میں مصروف ہے عوام میں بھی جس کا جہاں داؤ چل رہاہے وہاں وہ بھی اپنا مطلب نکال رہے ہیں ہر طرف ایک بے چینی کی فضا ہے نت نئے بحرانوں سے انسان ٹینشن میں مبتلا ہو چکا ہے، حضرت انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا تھا اس وقت اس کی حالت ،اس کی عادات،اس کی حرکات حیوانوں سے بھی بدتر ہیں اس ظلم کی فضا میں آسماں بھی خاموش ہے اور زمین بھی چپ۔

یہ کیا ہو رہا ہے ؟پاکستان کے دارالحکومت میں بڑے بڑے گھروں ،بڑی اور لمبی گاڑیوں کے مالک ،ایوانوں میں بیٹھنے والے کیا پروگرام ترتیب دے رہے ہیں؟ عوام کی فلاح اور ملکی ترقی کا نعرہ لگانے والے عوام کو بے وقوف بنانے کے نئے نئے طریقے تیار کر رہے ہیں اور عوام بھی ان کے ہاتھوں بے وقوف بنتی چلی جاتی ہے یہ بڑے بڑے سوٹ کیسوں میں کیا کیا بھرا ہوا ہے؟؟رات کے اندھیرے میں یہ لوگ کیا کارنامے انجام دے رہے ہیں؟ میرا اللہ سب دیکھ رہا ہے اپنی رسی کو

ڈھیلا چھوڑا ہوا ہے کہ شاید یہ لوگ سدھر جائیں اور راہ راست پر آ جائیں، لیکن یہ اونچی گردن کرکے اکڑ کر چلنے والے بھول چکے ہیں۔ان مغرور لوگوں کو پتا بھی نہیں چلے گا اور ان کا صفایا ہوتا چلا جائے گا۔مارگلہ کے اونچے پہاڑوں سے کہیں ان کے لئے کوئی مصیبت نہ اتر آئے جو ان کے ارادوں کو خاک میں ملادے۔ڈر ہے کہ مارگلہ کے خوبصورت جنگل میں ہی سے شاید ان کے لئے کوئی عذاب نہ اتر آئے جو مغرور طبقہ کو نیست و نابود کر دے۔

ہم ابھی تک نہیں سنبھل رہے ہیں دوبارہ سے عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر اپنے رب کو بھول چکے ہیں قدرت کے ان حسین وادیوں میں عیاشیوں کے اڈے پروان چڑھتے جارہے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ پاکستان کے شمالی علاقوں کے حسین مناظر کو دیکھ کر اپنے کریم رب کا شکر بجالاتے، لیکن ہم ان حسین وادیوں کو دیکھ کر بہک گئے اور عیاشیوں میں کھوتے چلے گئے لیکن میرا اللہ دیکھ رہاہے اور ڈھیل دے رہا ہے کہ سنبھل جاؤ، سنبھل جاؤ اور میری طرف لوٹ آؤ۔لگتا ہے کہ ان کے کان بند ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے یہ بھول گئے ہیں کہ کیسے دریا بپھرتے ہیں کیسے یہ سیلاب کا روپ دھار کر ہر چیز کو تباہ و برباد کرکے اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں۔

یہ مسخ شدہ لاشیں کس کی ہیں؟ یہاں ڈر کی فضا کیوں قائم ہے؟ یہاں امن کب قائم

ہوگا؟ یہ ظلم کب تک ہوتا رہے گا؟ قدرت نے اس خطے کو معدنیات کی دولت سے مالا مال کیا ہے بلوچستان کے بلند و بالا پہاڑ خدا کی عظمت و بڑائی کو بیان کرتے نظر آتے ہیں لیکن یہاں کے ظالم لاشوں کے انبار لگائے ہوئے ہیں لوگ گھروں سے لاپتہ ہو رہے، ہیں پھر بھی ان لوگوں کو سمجھ نہیں آرہی ہے یہ اپنے آپ میں مگن ہو کر اپنے خالق حقیقی کو بھول چکے ہیں ،ڈر ہے کہ ان مظالم کو دیکھ کر پہاڑ بھی آپس میں ٹکرا نہ جائیں اور ظالموں کو فنا کرتے ہوئے عبرت کا نشانہ بنادیں۔

یہاں عجیب ہی رواج ہے، حوا کی بیٹی کی خواہشات کو دبا کر قرآن سے شادی کروائی جاتی ہے کبھی تو بنت حوا پر کارو کاری کا الزام لگا کر سفر آخرت پر روانہ کر دیا جاتا ہے یہاں لوگوں سے ان کا مال ومتاع طاقت کے بل بوتے پر چھین لیا جاتا ہے سندھو دریا کے باسی اس ظلم پر آسمان کی طرف نظریں اٹھائے اللہ سے التجا کرتے نظر آتے ہیں مظالم کی انتہا ہو چکی ہے یہ کبھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا آج یہاں بوری بند انسانی لاشیں ملنا معمول کی بات ہے، یہاں ظلم و بربریت کے مظاہرے جابجا دیکھنے کو ملیں گے ، مظلوم فریاد کرتے دکھائی دیتے ہیں اور ظالم کا ظلم بڑھتا ہی چلا جارہا ہے، میرا اللہ دیکھ رہا ہے بہت جلد اپنی دی ہوئی مہلت کو ختم کر دے گا اور ڈر ہے کہ کہیں خاموش کھڑا سمندر جوش مارے گا اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا ظالموں

کی سرکوبی کے لئے ہر چیز کو فنا کرتا چلا جائے گا۔

یہاں عجیب دستور ہے چند وڈیرے قوم کے فیصلے کرتے دکھائی دیتے ہیں یہاں ظالم کا انداز انوکھا ہے مظلوم ظلم سہ کر بھی آہ نہیں کرتا، یہ میرے ملک کا آبادی کے لحاظ سے بڑا صوبہ ہے لیکن یہاں بھی امراء اور وڈیروں کا راج ہے اللہ تعالیٰ سب دیکھتا ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر سلسلہ یونہی چلتا رہا تو یہاں بھی کوئی موذی وبا نہ پھیل جائے، اس سے پہلے کہ اللہ کا قہر نازل ہو، سنور جاؤ اور اپنے کریم رب کو پہچان لو۔

کچھ لوگ اپنی تدبیریں کر رہے ہیں مستقبل کے پروگرام ترتیب دے رہے ہیں اور میرا اللہ بھی تدبیریں کر رہا ہے اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

شہری بابو بمقابلہ ماڈرن پینڈو

سادہ لوح انسان کے لئے اس چالاک اور مکار دنیا میں عزت سے رہنا مشکل ہوتا جا رہا ہے اور اپنی سادہ لوحی اور سادگی کی وجہ سے ہر کہیں اسے مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے پھر بھی سادہ لوح انسان دنیا والوں کا مذاق اور شرارتیں ہنس کر سہتا ہوا ٹال دیتا ہے ،دیکھا جائے تو سادہ لوح انساں دیہاتوں میں اور کم آبادی والوں ان علاقوں میں اکثریت سے ہیں جہاں زندگی کی سہولیات اور جدید اندازِ زندگی نہ ہونے کے.برابر ہے ،سادہ انسان کو یہ دنیا بے وقوف سمجھتی ہے حالانکہ وہ پاگل نہیں ہوتا،البتہ اکثر باتیں انتہائی سادہ زباں میں کہہ دیتا ہے جس پر ماڈرن دنیا کی ہنسی نکل جاتی ہے اور اس پر طنز کے تیر.برسائے جاتے ہیں پھر بھی وہ ہنستے ہوئے سہتا ہے دراصل سادہ لوح انسانوں میں چالاکیاں نہیں ہوتیں اس لئے وہ محبت کے معاملے میں انتہائی فراخ واقع ہوئے ہیں اور دنیا میں مسکراہٹیں بکھیرتے رہتے ہیں۔

اب ان دیہاتوں میں بھی کچھ ماڈرن لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ دنیا کا ہر فیشن پہلے وہ اپناتے ہیں اس کے بعد باقی دنیا والے ان کی نقل کرتے ہیں اسی طرح ایک شہری بابو سے کسی ایسے ہی "ماڈرن پینڈو" کی ٹھن

گئی،اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ "ماڈرن "کون ہیں ؟اس بات کا فیصلہ اگلے ہفتے ہو گا جس میں ' شہری ماڈرن بابو' جدید لباس اور فیشن کے ساتھ ' پینڈو ماڈرن' کے گھر جائے گا اور پینڈو ماڈرن اس کا استقبال جدید فیشن اور عمدہ لباس پہن کر کرے گا، فیصلے کی مناسبت سے شہری بابو جدید لباس اور فیشن کے ساتھ دیہاتی کے گھر کی طرف روانہ ہوا، پینڈو کے گھر پہنچنے سے پہلے وہ شہری بابو گرا اور اس کی پینٹ گھٹنے کی جگہ پھٹ گئی وہ کافی پریشان ہوا، کہ اب کیا ہو گا؟ اسی پریشانی میں اسے ایک ترکیب سوجھی ،اس نے پھٹی ہوئی جگہ پر ایک پودے کا سبز پتا باندھ لیا اور چل دیا ،ماڈرن پینڈو بھی کسی سے کم نہیں تھا وہ بھی جدید خراش اور فیشن کے ساتھ شہری بابو کا نتظار کر رہا تھا اور گھر سے کافی پہلے ایک اونچی جگہ سے اس کی راہ تک رہا تھا کہ وہ کون سا جدید فیشن کرکے آ رہا ہے ؟تاکہ اس کے پہنچنے سے پہلے میں بھی اس کے مقابلے کا انداز اپنا لوں،جب اس کی نظر شہری ماڈرن بابو پر پڑی تو اسے اور تو کچھ نیا نظر نہیں آیا البتہ اس کے گھٹنے پر ایک بڑا سا پتا لگا ہوا ، پینڈو جلدی جلدی گھر پہنچا اور اس کے آنے سے قبل دونوں گھٹنوں پر پودے کے بڑے بڑے پتے باندھ لئے۔

دیکھا جائے تو آج کل جدید دور میں اور موبائل فونز کی بدولت سادگی اور سادہ لوحی کم ہوتی جارہی ہے لوگ چالاک ہوتے جارہے ہیں دنیا سے مسکراہٹیں غائب ہوتی جارہی ہیں دیہاتوں میں بسنے والے بھی اب ماڈرن ہوتے جارہے ہیں

اور زندگی کے نئے نئے انداز کو اپنا رہے ہیں۔
کرم دین گاؤں سے آیا،اسے چودھری مقصود عالم سے ملنا تھا جو کہ ان کے گاؤں کا اک بہت بڑا زمیندار تھا اس نے مجھے ایڈریس دکھاتے ہوئے مجھ سے چودھری کا پتہ پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے میں نے ایڈریس سمجھاتے ہوئے اسے کہا کہ یہاں سے اگلی گلی میں ان کی سرخ پتھروں کی بنی ایک خوبصورت کوٹھی ہے پہلے تو وہ ہنسنے لگا کہ صاحب آپ مذاق کرتے ہو،وہ اتنے بڑے زمیندار ہیں گاؤں میں ان کی کافی زمینیں ہیں ان کے پاس ایک بڑی سی جیپ بھی ہے بھلا وہ کونسی چھوٹی سی (کوٹھڑی) میں رہیں گے میں نے اسے سمجھایا کہ میں اس سے مذاق نہیں کر رہا،اس نے پوری بات سنی ہی نہیں اور چل دیا میں نے یہ سمجھا کہ شاید وہ سمجھ گیا لیکن تھوڑی دیر بعد پھر وہ میرے پاس آیا کہ صاحب جی،ان کا ایڈریس نہیں مل رہا ہے میں نے اس سے پوچھا کہ جو پتہ میں نے سمجھایا تھا کیا اس پر نہیں گئے؟جی گیا تھا لیکن وہاں تو بڑی بلڈنگیں تھیں کوئی "کوٹھی" نظر نہیں آئی میں اس کی بات سمجھ کر اسے چودھری کے پاس چھوڑ آیا۔
سادہ لوح ہونا اس دنیا میں جرم بنتا جا رہا ہے لوگ جدید سٹائل کو ترجیح دے کر دنیا کے ہمقدم چلنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یہاں پر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے ہم جدید اور نئے انداز اپنا کر اپنی روایات کو بھی

بھول رہے ہیں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔

مانا کہ ہمیں حالات کے ساتھ خود کو بدلنا ہے لیکن اپنا تشخص برقرار رکھتے ہوئے اپنے خوبصورت اور تابناک ماضی کو بھی فراموش نہیں کرنا ہے،آج دنیا ترقی کی نئی راہوں پر چل رہی ہے اس میں جدت تو آتی جا رہی ہے لیکن وقت کی کمی اور مصروفیت کی وجہ انسان اپنے پیارے رشتوں کوفراموش کرتا جا رہا ہے اور ایک دوسرے سے دور ہوتا جا رہا ہے،اس لئے حالات کے ساتھ چلتے ہوئے بھی اپنے عظیم رشتوں کا خیال رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو انجوائے کریں کیونکہ زندگی بے وفا ہے۔

شرم سے پانی پانی ہو جاؤ

پانی ایک لازوال نعمت ہے اس کی قدر ان ریگستانوں یں جا کر دیکھو جہاں کے باسی پانی کی ایک بوند بوند کو ترستے ہیں پانی رواں ہو تو دریا کا خوبصورت منظر بن جاتا ہے اگر پانی کہیں کھڑا ہو تو جھیل جیسی خوبصورتی میں ڈھل جاتا ہے پانی اگر بلندی سے نیچے گرے تو آبشار کا حسین اور دلکش سماں نظر آتا ہے آسماں سے برسے تو بارش کہتے ہیں اور اگر یہی پانی کسی کی آنکھوں سے ٹپکے تو آنسو بن جاتے ہیں یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ آسماں سے برسنے والے اور کسی کی آنکھوں سے ٹپکنے والے میں ضرور کوئی مماثلت ہے کیونکہ جب یہ پانی آسماں سے برستا ہے تو اس وقت طبیعت میں عجیب سی سرشاری آجاتی ہے اور الفاظ شاعرانہ روپ دھارتے ہوئے اک غزل بن جاتے ہیں انسان میں عجیب سی سرشاری پھیل جاتی ہے اور اسی طرح جب کسی کی نینوں سے آنسو گرتے ہیں تو ان آنسوؤں میں کئی پیغام پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان آنسوؤں کو شاعر مختلف انداز میں بیاں کرتے نظر آتے ہیں ویسے یہ آنسو بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو خوشی کے اور دوسرے غم کے، لیکن دونوں کا رنگ ایک جیسا ہوتا ہے۔

آنسو خوشی اور غم کے، ہوتے ہیں ایک جیسے
ان آنسوؤں کی کوئی پہنچان نہیں ہوتی

بات شروع کی تھی پانی کی اور جا پہنچی کہاں پر ،پانی جب بپھرتے ہیں اور سیلاب کا روپ اختیار کرتے ہیں تو سب چیزیں اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں،راقم کو بھی سیلاب زدہ علاقوں میں جانے کا موقع ملا وہاں اتنی زیادہ تباہی دیکھی کہ سوچ کر ابھی بھی خوف محسوس ہوتا ہے اور بے اختیار اللہ کو یاد کرنے لگ جاتا ہوں لیکن پانی کی اتنی زیادہ تباہی کے باوجود سیلاب زدہ ایریا کے باسی پھر سے اپنے رب کو بھولتے جارہے ہیں اور گناہوں کی دلدل میں پھنستے جارہے ہیں۔

ایک آدمی سیلاب زدہ علاقے سے کسی گاؤں میں گیا،اس گاؤں میں نئی نئی واٹر سپلائی کی پائپ لائن بچھی تھی وہ آدمی ساری رات گاؤں میں اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرتا رہا اور انہیں سیلاب کی تباہ کاریوں کا احوال سناتا رہا،رات گئے ان کی محفل برخاست ہوئی اور وہ آدمی سو گیا،صبح ابھی سورج بھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی ،پانی آ گیا۔۔پانی آگیا۔ وہ ہڑبڑا کر بستر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا بڑی مشکل سے لوگوں نے پکڑا اور بھاگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں سمجھا کہ سیلاب آ گیا ہے اس لئے لوگوں نے شور مچایا ہوا ہے کہ پانی آگیا۔۔پانی آگیا،گاؤں والوں نے اسے بتایا کہ ہم تو واٹر سپلائی والے پانی کی بات کر رہے تھے کہ نلکوں میں پانی

آ گیا۔

پانی نہایت اہمیت کا حامل ہے دنیا میں مستقبل میں جو جنگیں ہوں گی وہ بھی پانی پر ہوں گی ۔

دو سردار رات کو باہر سو رہے تھے اتنے میں تیز بارش شروع ہو گئی ایک سردار بولا جلدی اندر چلو،آسماں میں سوراخ ہو گیا۔اسی اثنا میں زور سے بجلی چمکی ،دوسرا سردار بولا اب سو جاؤ کیونکہ اب ویلڈنگ والے پہنچ گئے ہیں ۔

پانی کے حوالے سے پاکستان ایک خوش قسمت ملک ہے جس میں دریا بھی اور پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہے لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس پانی کو صحیح طریقے سے ہم استعمال نہیں کر رہے ہیں ہم چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ہمارا پڑوسی ملک ہمارے ہی دریاؤں پر ڈیم تعمیر کئے جا رہا ہے، ہمارے دریا خشک ہوتے جا رہے ہیں زمینیں بنجر ہوتی جا رہی ہیں اور ہم خاموشی سے اسے دیکھے جا رہے ہیں ہم پانی کی اہمیت کا اور اس کی افادیت کا اندازہ نہ کرکے ایک بھیانک غلطی کر رہے ہیں جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑے گا حکمرانوں کو پانی کی اہمیت کا اندازہ کرکے فی الفور ڈیم تعمیر کروا کر بجلی کے مسئلے پر قابو پانے کے بارے مناسب حکمت عملی اپنانا

ہو گی ،انہیں کچھ کرنا ہو گا اگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تو حکمرانوں کو شرم سے پانی پانی ہو جانا چاہیے ۔

برمی مسلماں اور میڈیا کا رمضان میں ڈرامہ

لوگ جل رہے ہیں ،خون کی ندیاں بہ رہی ہیں، لاشے تڑپ رہے ہیں، انسانیت دم توڑ رہی ہے، ظالم کا ظلم بڑھتا چلا جارہا ہے، مظلوموں کی دردناک آہیں سنائی دی رہی ہیں ،ایک چیخ و پکار مچی ہوئی ہے ،جن پہ مظالم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں یہ کون لوگ ہیں ؟کیا دنیا کو ان کی آواز نہیں سنائی دے رہی ؟کیا بہتا خون،زندہ انسانوں کا جلنا اور آگ کے شعلے نام نہاد امن کے ٹھیکیداروں کو نظر نہیں آتے ؟انسانیت کی دم توڑتی صدائیں کسی کو نہیں سنائی دیتیں؟یہ نام نہاد امن کا پرچار کرنے والے کہاں غائب ہو گئے ؟؟؟

کوئی نہیں بولے گا، کوئی نہیں آئے گا، یہ ظلم ہوتا رہے گا،لاشیں گرتی رہیں گی، خون بہتا رہے گا،زندہ انسان جلتے رہیں گے کیونکہ مظلوم برما (میانمار)کے مسلمان ہیں ، لیکن میں حیراں ہوں امت مسلمہ پر کہ اس نے بھی ہونٹ سی لئے ہیں تمام عالم اسلام نے بھی چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے ،ہر کہیں ایک سکوت طاری ہے کہیں سے کوئی صدا نہیں آتی ،جو اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرے ،انسانیت مظالم کو روک دے اور ظالم کو لگام دیدے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی

مرے درد کی دوا کرے کوئی

کوئی نہیں بول رہا، چاروں طرف خاموشی کی دبیز چادر تنی ہے، ہر کسی نے لب سی لیے ہیں کوئی صدا بلند نہیں کرے گا کیونکہ ہم بے حس ہو چکے ہیں ہم اغیار کی غلامی میں آکر اپنے اسلاف کو بھول چکے ہیں اور اپنے مذہب اسلام سے دور ہو رہے ہیں تمام مسلماں بھائی بھائی ہیں اگر دنیا کے کسی کونے میں بھی کسی مسلماں کو ذرا سی بھی تکلیف ہو تو دوسرے مسلماں بھائی کو بھی محسوس ہونی چاہئے اور اسے اس کا ازالہ کرنا چاہئے لیکن یہاں تو ہر کسی نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرنا ہے، ہم بے حسی کے انتہا کے درجے کو پہنچ چکے ہیں اگر ساتھ والے گھر میں میت بھی پڑی ہوتی ہے تو دوسرے گھر میں شادی کی خوشیاں منائی جارہی ہوتی ہیں اور ڈرم بج رہے ہوتے ہیں۔۔

مسلمانو! خود کو پہنچانو، اپنے اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کرو تو معلوم ہو گا کہ مسلماں کون تھے ہمارے اسلاف کا اک دبدبہ اور رعب تھا ایک دہشت تھی ایک نام تھا جس کا ڈنکا پوری دنیا میں بجتا تھا لیکن افسوس ۔۔ صد افسوس۔۔ آج ہم اپنا تابناک ماضی بھلا چکے ہیں، اپنے اسلاف کو بھول چکے ہیں اور دین اسلام سے دور ہو چکے ہیں، ہماری سادگی نے ہمیں اغیار کا غلام بنالیا ہے اور وہ چالاکی سے اپنے مقاصد ہم ہی سے تکمیل کرواتے جارہے ہیں

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی

کچھ میری طرح جذباتی اور سادہ لوگ یہ کہ رہے ہیں کہ اتنا ظلم ہو رہا ہے ،ہزاروں مسلماں اپنی زندگی کی باز ہار چکے ہیں لیکن ہمارا الیکٹرانک میڈیا کوئی خبر نہیں دے رہا سب پاکستانی چینل خاموش ہیں ،آخر کیا وجہ ہے ؟کوئی بندر پیدا ہوتا ہے تو ہمارے، چینل بریکنگ نیوز بنا کر بتاتے ہیں لیکن یہاں انسانوں کے ساتھ ہونے والا ظلم آخر کیوں نہیں دکھایا جاتا ،ہمارے پڑوسی ملک میں کوئی اداکار مر جاتا ہے تو اس کی ارتھی کو آگ لگانے کے سارے مناظر دکھائے جاتے ہیں اور سارے چینل میں سوگوارانہ کیفیت ہوتی ہے لیکن برما میں انسانوں کے زندہ جلنے پر بھی کوئی آواز نہیں اٹھاتا،آخر کیوں؟؟؟؟؟

یہ نہیں بولیں گے ،کوئی آواز نہیں اٹھے گی ،برما(میانمار) کے مسلمانوں کے حق میں یہ چینل کبھی نہیں بولیں گے کیونکہ دنیاکے سارے میڈیا پر تین کمپنیوں کا راج ہے جو اسلام دشمن ہیں اور یہ سب ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اب تو ان کا یہ حال ہو چکا ہے کہ غیروں کے حکم پر رمضان کے بابرکت مہینے میں بھی سحر وافطار ٹرانسمیشن ہماری فلم انڈسٹری کی بدنام اداکارائیں کریں گی اور ہم پھر بھی خاموش رہیں گے کوئی صدا بلند نہیں کریں گے کیونکہ ہم بھی ان کے رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں اگر کوئی ان کے خلاف بولے گا تو اسے "مذہبی

انتہا پسند" گردانا جائے گا، لیکن یاد رکھو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی یہ بھی ہے کہ ناچنے اور گانے والیوں کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

قارئین! یاد رکھو اگر اسلام میں خود ساختہ جدت پیش کرنے کی مذموم کوشش کی گئی اور بدنام اداکاراؤں نے اسلامی سکالر بن کر مسئلے بیان کرنا شروع کر دئے اور فتوے دینے کا کام سنبھال لیا تو کوئی بعید نہیں کہ ہماری آنے والی نسل تباہی و بربادی کا حقیقی نمونہ بن کر رہ جائے گی اور خدانخواستہ تلاوت گانوں کی آواز میں کیا کریں گے اور نماز ناچتے اور گاتے ہوئے پڑھا کریں گے، اس لئے آنکھیں کھولو اور کچھ کرنے کے لئے آگے بڑھو

کہیں ایسا نہ ہو کہ درد بنے درد لا دوا
کہیں ایسا نہ ہو تم بھی مداوا نہ کر سکو۔
اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین۔

تخت لاہور کس کا ہوگا؟؟؟

تخت لاہور کے بارے کافی عرصے سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ تخت لاہور پر بادشاہت صرف میاں.برادران کی ہے لیکن ہم ذرا کھلے ذہن کے مالک ہونے کی وجہ سے یہ سب غلط سمجھتے تھے اور شریف.برادران کو قوم کا درد رکھنے والا سمجھتے تھے جو ملک کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوتے ہوں جنھوں نے اپنے دور حکومت میں ایٹمی دھماکہ کرکے قوم کے سر فخر سے بلند کر دیئے تھے ،جنھوں نے موٹر وے جیسی عظیم شاہراہ کا تحفہ اپنے ملک کو دیا تھا،اور کئی قسم کے اہم منصوبوں پر کام کروا کر پاکستان کی خدمت کی تھی ،انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صرف تخت لاہور کے مالک ہوں انہیں تو قوم کے دل میں رہنا چاہئے تھا لیکن یہ میری خام خیالی ہی رہی، کیونکہ حقیقت میں تخت لاہور کی اہمیت کافی زیادہ ہے جس کی وجہ سے مسلم لیگ ن کی حکومت بھی لاہور کو اہم سمجھتی ہے اس حقیقت کا علم تو اس وقت ہوا جب پاکستان تحریک انصاف نے 30 اکتوبر کو عظیم الشان جلسہ کیا جو کہ تحریک انصاف کی کامیابی کی طرف پہلا اہم قدم تھا جس نے پورے پاکستان کے سیاستدانوں کو حیران کر دیا کہ جسے تانگہ پارٹی سمجھتے تھے آج وہ اقتدار کے ایوانوں میں دستک دیتی نظر آ رہی تھی اس جلسہ نے تخت لاہور میں ہلچل مچا دی اور مسلم لیگ (ن) میں ایک تھر تھلی سی مچ گئی کہ یہ کیا ہو گیا؟لوگ اس جلسہ

کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تخت لاہور صرف شریف برادران کا نہیں ہے اس وقت مسلم لیگ (ن) "گو زرداری گو" مہم بڑے زور و شور سے چلا رہی تھی اور اس کا سارا زور حکومت کے خلاف تھا ان کے وہم و گمان اور خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ پاکستان تحریک انصاف اس قدر چھا جائے گی اور تخت لاہور کی سیاست کو ہلا کر رکھ دے گی ،ایک طرف مسلم لیگ (ن) حکومت کے خلاف مہم چلانے میں مصروف تھی تو دوسری طرف تحریک انصاف کا خوف اسے لگا ہوا تھا۔

اسی خوف ،ڈر اور تخت لاہور کو بچانے کیلئے پنجاب گورنمنٹ اپنی پوری مشینری کو حرکت میں لے آئی ہے پورے لاہور میں سڑکوں کی اکھاڑ پچھاڑ ہو رہی ہے نئی سڑکیں اور اہل لاہور کیلئے نئی ایئر کنڈیشنڈ بسیں بھی آ چکی ہیں مسلم لیگ تخت لاہور پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کیلئے میداں میں کود پڑی ہے خادم اعلیٰ پنجاب بھی تخت لاہور کو بچانے کیلئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ پورے پنجاب کے نہیں بلکہ صرف لاہور کے وزیر اعلیٰ ہیں ،انہیں دوسروں شہروں کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور ان شہروں میں بھی ترقیاتی کاموں کی رفتار کو بڑھانا چاہئے۔

پاکستان تحریک انصاف کے جلسہ لاہور نے تخت لاہور کے شاہوں میں جو بے چینی کی کیفیت پیدا کر دی تھی اور اس جلسے کے بعد جو تھرتھلی لاہور کے تخت

نشئینوں میں مچی تھی اب اس میں تیزی اور شدت آتی جا رہی ہے اور دونوں جماعتوں میں راستے بڑھ رہے ہیں یہ فاصلے پہلے بھی تھے لیکن ملتان کے ضمنی انتخاب نے دونوں جماعتوں کو کافی قریب کر دیا تھا لیکن دونوں سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے تکبر کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے انہیں وہ الیکشن ہارنا پڑا، لیکن اب اس سیاسی جنگ میں کافی شدت آ گئی ہے ،اب بات صرف تخت لاہور کی نہیں ذاتیات پر اتر آئی ہے، پاکستان مسلم لیگ ن روز بروز اپنی اہمیت کھوتی جا رہی ہے اور تحریک انصاف کی مقبولیت میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔

دونوں طرف سے ایک دوسرے پر الزامات کی بارش ہو رہی ہے اور اب انتہائی افسوس کہ ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ الزامات قومی یا سیاسی نوعیت کے نہیں بلکہ ذاتی نوعیت کے ہیں

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

میں سلیم صافی صاحب کی بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ دونوں طرف کی قیادت کو ملک کے سب سے بڑے سیاستدان جناب آصف علی زرداری کے ہاتھ بیعت کر کے ان سے سیاست سیکھ لینی چاہیئے ابھی نو دس ماہ کا عرصہ باقی ہے اس کے بعد میدان میں نکلنا چاہیئے۔

پاکستان مسلم لیگ ن سیاسی شماٹ خراب پچ پر غلط انداز میں کھیل رہی ہے جس سے اسے نقصان ہو رہا ہے کیا آنے والے میں عرصے میں لاہور کے تخت نشین اپنے تخت کو بچا پائیں گے ؟؟؟

اک نظر اِدھر بھی۔۔

رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں رحمتوں کی برسات جاری ہے لیکن ساتھ ساتھ اس ماہ مقدس میں پاکستانی قوم کو شدید مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے ماہ صیام کے شروع ہوتے ہی اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا، بجلی کا شارٹ فال بڑھ گیا، لوڈشیڈنگ میں اضافہ ہوگیا اور ساتھ ساتھ گرمی نے بھی شدت دکھانا شروع کر دی، چاہئے تو یہ تھا کہ مناسب حکمت عملی اختیار کر کے رمضان میں بجلی کی لوڈشیڈنگ نہ کی جاتی لیکن دن اور رات تو کیا سحر و افطار کے وقت بھی بجلی نہیں ہوتی اور روزہ دار اندھیرے میں ہی سحر و افطار اور عبادات کر رہے ہوتے ہیں اور حکومت کو کوسنے کے ساتھ بد دعائیں بھی دے رہے ہوتے ہیں، میرا ایک دوست کہتا ہے کہ ان بد دعاؤں سے حکمرانوں کو ڈرنا چاہئے لیکن میں اس کی بات ہنس کر ٹالتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ اب ہماری بد دعا میں بھی وہ اثر نہیں رہا،ان دنوں گرمی شدت سے لوگ دم توڑ رہے ہیں لیکن حکمران طبقہ اپنی عیاشیوں میں مگن ہے۔

بتا دو ماجد آج ان عیاش حکمرانوں کو
صدائے مظلوم ہلا دے گی ان ایوانوں کو

بجلی نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے حوصلے جواب دینے لگے ہیں وہ ڈپریشن کا

شکار ہو کر نفسیاتی مریض بنتے جا رہے ہیں لیکن حکمران طبقہ کے سر پر جوں تک نہیں رینگ رہی ہے وہ اپنی خر مستیوں میں مست ہیں انہیں عوام کی کوئی فکر نہیں ہے بس انہیں اپنا اقتدار اور کرسی سے غرض ہے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ قوم کا حاکم قوم کا خادم ہوتا ہے اور انھوں نے ثابت کر کے دکھایا وہ بھیس بدل کر گلیوں میں گشت کیا کرتے اور اپنی رعایا کی خبر گیری کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی پیاسا مر جائے تو پوچھ عمرؓ سے ہوگی۔

یہاں انسانیت دم توڑ رہی ہے لاشیں گر رہی ہیں لیکن میرے ملک کے رہنما اقتدار اقتدار کا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں ،ان دنوں گرمی اپنے عروج پہ ہے بارشیں نہیں برس رہیں،ایسے لگتا ہے کہ اللہ ہم سے روٹھ چکا ہے اپنے کریم رب کو منانے کے لئے اس ماہ مقدس میں اپنے گناہوں سے گڑگڑا کر توبہ کرنی چاہیئے تاکہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو جائے ،ایک بار حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ سے جب ہمکلام ہوئے تو پوچھا کہ اے اللہ! جب تو اپنے بندوں سے ناراض ہوتا ہے تو کیسے پتا چلتا ہے ؟اللہ تعالی نے فرمایا اس کی تین نشانیاں ہیں

1۔ بارشیں بے وقت برساتا ہوں۔

2۔ دولت بخیل لوگوں کو دے دیتا ہوں۔

3۔ نا اہل لوگ قوم کے حکمران بن جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ جب تو اپنے بندوں سے راضی ہوتا ہے تو اس کی کیا نشانی ہے ،فرمایا کہ میں ان پر بارشیں برساتا ہوں ، موسیٰ علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ اگر تو اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے تو پھر کیا کرتا ہے فرمایا کہ میں مہمان بھیجتا ہوں اور اگر اور زیادہ راضی ہو جاؤں تو بیٹیاں دیتا ہوں۔

قارئین ! ماہ مقدس گزرتا جا رہا ہے اس ماہ کی مقدس ساعتوں میں اپنے گناہوں سے اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگ کر اپنے کریم رب کو منالو،تا کہ ہم پر مشکلات کا دور ختم ہو جائے ،اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو ،آفات وبلیات ٹل جائیں ، ہماری زندگی میں راحت و سکوں آ جائے اور میرا پیارا وطن ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے،یہی وہ مقدس ماہ تھا جب برصغیر کو مسلمانوں کو آزادی کی عظیم نعمت نصیب ہوئی تھی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آیا تھا،آج وہی پاکستان ہے اور وہی ماہ رمضان ہے لیکن اُس وقت ہم میں ایثار کا جذبہ موجود تھا اور آج ہم بے حسی کی حدوں کو چھو رہے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کے دکھ درد کا اور تکالیف کا احساس نہیں رہا ہے۔

آج بھی وقت ہے ہم اپنے رویوں میں مثبت تبدیلی لائیں تو یہ دنیا پھر سے جنت

بن سکتی ہے اور میرے ملک میں ہریالی آ سکتی ہے۔

اے خدا پاک وطن کو تو سلامت رکھنا

اس پہ خوشیوں کی ردا تابہ قیامت رکھنا

میرے مولا یہ دعا کرتا ہے ہر پل مرا دل

اک دوجے کے لئے دل میں محبت رکھنا

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین

خدارا! سنبھل جاؤ

پاکستان کو معرض وجود میں آئے پینسٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک پاکستانی قوم نے شعور کی منازل طے نہیں کیں،آج بھی ہم بحثیت قوم ایک نہیں ہوئے۔اس لئے آج ہم اپنے آپ کو پنجابی ، سندھی، بلوچی، کشمیری اور پٹھان کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں شاید خود کو پاکستانی کہلواتے ہوئے کوئی عار محسوس ہوتی ہے۔دنیا میں صرف وہی قومیں ترقی کے مدارج طے کرتی ہیں جن میں اتفاق،اخوت اور یگانگی وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے لیکن ہم اخلاقیات سے گرتے چلے جارہے ہیں ،ہم قانون اپنے ہاتھ میں لینا اور اسے توڑنا فخر محسوس کرتے ہیں ، جھوٹ اور دروغ گوئی کو اپنی چالاکی تصور کرتے ہیں،اس قوم کے افراد کی پستی کا اندازہ اس بات سے لگائیے،جہاں ہارن بجانا منع ہوگا یہ وہاں پر ہارن بجائیں گے ،جہاں تھوکنا منع ہوگا وہاں تھوکیں گے ،جہاں اشتہار لگانا ممنوع ہوگا یہ وہاں پر بڑے شوق سے اشتہار لگائیں گے اور بے شرمی کی انتہا دیکھئے یہ اس پر بجائے ندامت کے فخر محسوس کریں گے ۔

جب اس قوم کو کسی چیز کے خلاف احتجاج کرنا ہوتا ہے تو اپنی املاک کی توڑ پھوڑ کرتے ہیں اور خود ہی نقصان پہنچا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتے ہیں ،اس

قوم میں بے حسی انتہا کے درجے میں پائی جاتی ہے انہیں صرف ذاتی مفاد عزیز ہوتا ہے یہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو نقصان پہنچانا معمولی خیال کرتے ہیں ،اس قوم کے افراد صرف اپنے پیٹ کو بھرنے کو ترجیح دیتے ہیں چاہے سامنے کوئی ایڑیاں رگڑ کر دم توڑ رہا ہو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

پاکستانی قوم اپنی مصنوعات سے زیادہ امپورٹ کی گئی اشیا کو زیادہ اہمیت دیتی ہے شاید اسی لئے اس قوم کو امپورٹ کی گئی قیادت میسر آتی ہے جس قیادت کے کاروبار تو دوسرے ممالک میں ہیں لیکن وہ اقتدار کیلئے پاکستان آتے ہیں اور اپنا وقت پورا کرنے کے بعد واپس اپنے ممالک میں لوٹ جاتے ہیں اور ہم کسی نئے حکمران کو امپورٹ کر لیتے ہیں۔

اس ملک کو معرض وجود میں آئے پینسٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن یہ ترقی کے بجائے زوال کی طرف گامزن ہے روز بروز میرے ملک کی کرنسی ڈاؤن ہوتی چلی جارہی ہے اس ملک کے ساتھ آزاد ہونے والا ملک بھارت کہاں سے کہاں تک جا پہنچا، چین کی تو بات ہی چھوڑ دیں وہ تو اس وقت سپر پاور بن چکا ہے ہم تو اپنے ٹوٹے ہوئے حصے بنگلہ دیش سے بھی گئے گزرچکے ہیں ،بنگلہ دیش کا ذکر جب بھی آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن ہم پھر بھی سبق نہیں سیکھ رہے اس لئے آج پھر دشمن چالیں چلنے میں مصروف ہے پاکستان میں علیحدگی پسند تحریکوں کو ہوا دی

جارہی ہے لیکن ہمارے حکمران خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں، خدارا! اٹھ جاؤ اور میرے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کیلئے مناسب حکمت عملی اپنالو، یہ نہیں جاگیں گے کیونکہ اس ملک کی عوام بھی سو رہی ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو خیال جسے آپ اپنی حالت بدلنے کا

یہ خواب غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم بڑے زور شور سے آزادی کا دن مناتی ہے واقعی زندہ قومیں اپنی تاریخ کو یاد رکھتی ہیں اور اس سے سبق سیکھتی ہیں لیکن آج ہم آزادی کا دن تو یاد رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ جڑی گہری یادیں بھلائے ہوئے ہیں ہمیں سوچنا چاہئے کہ یہ ملک کس لئے حاصل کیا تھا؟اس کا مقصد کیا تھا؟ہمارے آباؤ، اجداد نے ایک آزاد اور خود مختار ملک حاصل کرنے کیلئے کیا کیا قربانیاں دیں تھی ؟کتنا خون بہا تھا؟ کتنی عزتوں و عصمتوں کو تار تار کیا گیا تھا؟ کتنی لاشیں گری تھیں ؟ کتنے مصائب جھیلے گئے ؟؟؟

افسوس ہماری قوم کے مستقبل کے معماروں کو نظریہ ، پاکستان کا بھی علم نہیں ہے وہ توآزادی کے دن بھنگڑے ڈالیں گے ، موسیقی پر رقص کریں گے ، موٹر سائیکل کے سائلنسر نکال کر ریسیں لگائیں گے اور باجے بجائیں گے، وہ کیا جانیں کہ آزادی کی یہ عظیم نعمت ہمارے بزرگوں نے کتنی قربانیوں کے بعد حاصل کی تھی؟؟

کیا آج ہم آزاد ہو کر بھی آزاد ہیں ؟ہم گوروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں ہم ہر کام کرنے سے قبل ان سے ڈکٹیشن لینا ضروری سمجھتے ہیں ،اسی لئے آج ہم ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف گامزن ہیں، ہمیں خود پر اعتماد کرنا ہوگا ،اپنے زور بازو سے اپنی قسمت کو بدلنا ہوگااور اپنے پیارے ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنا ہوگا۔

یہ 14اگست کا دن ہمیں سبق دیتا ہے کہ جیسے آج سے پینسٹھ سال قبل تم ایک متحد قوم تھے اور آج کیونکر مختلف گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہو؟؟اس دن ہمیں عہد کرنا ہو گاکہ ہم آپس کی نفرتوں کو مٹا کر محبت کے دیئے جلا کر دنیا کو یہ پیغام دیں گے کہ 'ہم کل بھی ایک تھے اور آج بھی ایک ہیں'

اس پرچم کے سائے تلے

ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں۔

ء اور نمل ڈیم 2013

قدرت نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو جہاں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے وہیں پر دلکش و حسین مناظر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ پورے ملک میں جا بجا دکھائی دے کر انسان کو مبہوت کر دیتے ہیں اور حضرت انسان قدرت کے ان حسین و دلکش مناظر کو دیکھ کر سحر گزیدہ ہو جاتا ہے اور بے اختیار اسے جنت سے تشبیہ دیتا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ان خوبصورت مناظر کو دیکھ کر ہم اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالاتے، لیکن ان دلکش نظاروں کو دیکھ کر ہم بہک جاتے ہیں اور اپنی عیاشی کا ساماں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

پاکستان کے حسین نظاروں کا ذکر کیا جائے تو ذہن شمالی علاقہ جات کی طرف نکل جاتا ہے ،انسان حسین نظاروں کے ذکر پر خیال ہی میں ملکہ ء کوہسار پر اوڑھی سفید چادر کی سیر کو نکل جاتا ہے، خوبصورت مناظر کو سوچتے ہی انسان کا ذہن کشمیر جنت نظیر کی وادیوں میں کھو جاتا ہے، کوئی تصور ہی تصوّر میں سمندر کی موجوں سے اٹکھیلیاں کرتا نظر آتا ہے، کوئی زیارت کے پر فضا مقام پر اپنے آپ کو بیٹھا محسوس کرتا ہے، کسی کی پرواز سکیسر کی بلند اور حسین وادی تک جا پہنچتی ہے، غرض میرے پاکستان میں اتنے خوبصورت ،دلکش و حسین مناظر ہیں جن

کا ذکر کرنے کے لئے کئی صفحات درکار ہیں قدرت نے انسان کو بھی خوبصورت انداز میں بنا کر اس میں احساس کا مادہ بھر دیا ہے جس کی وجہ سے اس کے تخیل کی پروازیں اسے کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان سیاحوں کے لئے اپنے حسین و دلکش مناظر کی وجہ سے جنت کی حیثیت رکھتا ہے میرے ملک میں کچھ مقامات تو ایسے ہیں جنہیں مد نظر رکھا جاتا ہے اور وہاں پر سہولیات بھی موجود ہوتی ہیں جس کی وجہ سے سیاحوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور وہ مزے سے انجوائے کرتے ہیں لیکن اس کے بر عکس کچھ ایسے تاریخی مقامات بھی ہیں جن کی مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے زبوں حالی کا شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کا رعب و دبدبہ ماند پڑتا جا رہا ہے ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے وہ ڈراؤنے کھنڈرات بنتے جا رہے ہیں، جہاں پر نشئیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہوتے ہیں ،دنیا میں وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو اپنی تہذیب، وراثت اور ثقافت کو محفوظ رکھتی ہیں اس لئے حکومت کو چاہئے کہ جہاں حسیں مناظر کی طرف توجہ دی جائے وہیں پر تاریخی مقامات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔

پاکستان میں کچھ دلکش و حسین مناظر ایسے بھی ہیں جن کی تاریخی اہمیت ہے اور خوبصورتی و دلکشی میں بھی اک منفرد مقام رکھتے ہیں لیکن حکومت کی عدم توجہ

کی وجہ اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے زبوں حالی کا شکار ہو رہے ہیں ان میں سے ایک " نمل ڈیم " بھی ہے جو کہ ضلع میانوالی سے تیس کلومیٹر دور ایک خوبصورت خطے "وادی نمل "میں واقع ہے "نمل ڈیم "کی خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے جو کہ پہاڑوں کے درمیان گھرا ہونے کے باوجود ارد گرد سبزے کی چادر اوڑھے نہایت خوبصورت دکھائی دیتا ہے جس کے ایک طرف پانی کا شور سنائی دیتا ہے تو دوسری طرف درختوں کی ہواؤں سے سروں کی آواز انسان کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔

نمل ڈیم "کی وجہ سے لاکھوں ایکڑ زرعی زمین سیراب ہورہی ہے ،اس کے سات" دروازے رکھے گئے تھے جو مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے سوائے ایک کے سب بند ہو چکے ہیں " نمل جھیل "پر واقع یہ خوبصورت تفریحی مقام سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے اپنی اہمیت کھوتا جا رہا ہے حالانکہ حکومت کو اس جھیل سے سالانہ لاکھوں روپے مختلف ٹھیکوں کی مد میں دیئے جاتے ہیں پھر بھی حکومت کی عدم دلچسپی سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے ." نمل ڈیم "کو برٹش گورنمنٹ نے 1913ء میں بنایا تھا اور اس کی مدت ایک سو سال رکھی گئی تھی جو کہ اب ختم ہونے والی ہے اس سے پہلے کہ کوئی حادثہ رونما ہو حکومت کو 2013ء سے پہلے اس پر کام شروع کروا کر اس کی مرمت و تزئین و آرائش کروا دینی چاہئے کیونکہ 2013ء میں جہاں بہت کچھ تبدیل ہونے والا ہے وہیں پر نمل ڈیم کی مدت بھی پوری ہونے

والی ہے۔

میرے دوست انجینئر عمران ملک کی اس خوبصورت وادی کے لئے اک خوبصورت اشعار پیش ہیں جس میں اس نے نہایت اچھے انداز میں وادی نمل کی خوبصورتی کو بیان کیا ہے

اے وادی نمل ! تیرے دلکش ہیں نظارے
قدرت نے تیرے خوب خدوخال سنوارے
آباد ہے تو دامنِ کوہ نمک میں
ان گنت نظارے ہیں تیری اک جھلک میں
اک سمت سکیسر ہے تیری شان بڑھائے
اک سمت تری جھیل ،تری آن بڑھائے
تری صبح جواں ہے توتری شام حسیں ہے
روشن ترادن ہے توتری رات رنگیں ہے
عمران ! دعا ہے مری اس پاک خدا سے
آباد رہے جگ میں توسب کی دعا سے

اِک طرف ڈینگی، اک طرف واپڈا

شیخ سعدیؒ بادشاہِ وقت کے دربار میں بیٹھے تھے بادشاہ اپنے جاہ جلال میں تھا ایک مچھر اس کے ناک پر بیٹھتا وہ اسے اڑا دیتا، کچھ دیر بعد وہ پھر وہیں بیٹھ جاتا بادشاہ پھر اڑاتا، آخر تنگ آکر بادشاہ نے شیخ سعدیؒ کو کہا کہ اب اس مچھر کو بنانے میں قدرت کی کونسی مصلحت پوشیدہ تھی؟ شیخ سعدیؒ مسکرائے اور بولے تاکہ آپ لوگوں کے غرور کو مچھر کے ذریعے للکارا جاسکے۔

اس وقت اک مچھر نے اہلیان لاہور کے ناک میں دم کر رکھا ہے مچھروں سے لڑنے کے لئے پوری پنجاب حکومت کی مشینری حرکت میں آچکی ہے چوراہوں پر ڈینگی سے آگہی کے متعلق پفلٹ تقسیم ہو رہے ہیں سکولز اور کالجز میں ڈینگی کے متعلق سیمینار ہو رہے ہیں، صفائی مہم شروع ہو چکی ہے، میڈیا کے ذریعے ڈینگی سے متعلق آگاہی پروگرام نشر ہو رہے ہیں ہر جگہ مچھر کا تذکرہ ہے۔

ڈینگی مچھر شاید اسی لنگڑے مچھر کی نسل سے ہے جو نمرود کی ناک میں گھس کر اس کے دماغ میں گھُس گیا تھا اور نمرود اپنے درباریوں سے خود کو جوتے لگواتا تھا جس کی وجہ سے وہ عبرت ناک موت سے دوچار ہوا، ابھی یہی مچھر پھر سے ہمارے

اوپر وبال بن کر نازل ہو چکا ہے۔
اگر بات کریں موجودہ حالات کی تو اس وقت پورے ملک میں حالات کافی خطرناک صورتحال اختیار کر چکے ہیں کراچی میں تو خون کی ندیاں بہنا تو معمول کی بات بن چکا ہے بلوچستان میں لوگوں کے لاپتہ ہونے اور لاشیں گرنے پر تاحال قابو نہیں پایا جا سکا ہے اب یہ فرقہ ورانہ فسادات کی ہوا چل پڑی ہے اللہ خیر کرے، کبھی زلزلے اور کبھی، سیلاب کے ذریعے ہمیں خبردار کیا جا رہا ہے اور ان دنوں یہ ڈینگی کی وبا پھیلتی چلی جا رہی ہے یہ کیا ہو رہا ہے؟؟؟ یہ آفات کہیں ہمارے برے اعمال کا نتیجہ تو نہیں ہے
حدیث نبوی ﷺ کے مفہوم کے مطابق " جب حکمران قومی خزانے کو ذاتی مال سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹنے لگ جائیں گے،امانتوں کو جب ہڑپ کیا جانے لگ جائے گا،مالدار لوگ زکوۃ دینا چھوڑ دیں گے ،دین کا علم جب دنیا کمانے کے لئے حاصل کیا جانے لگ جائے گا،لوگ جب بیویوں کے فرمانبردار بن جائیں گے،ماؤں کی نافرمانی کرنا معمول بن جائے گا،دوست سے اچھا سلوک جب کہ باپ کو دھکے دیئے جانے لگ جائیں گے،فاسق انسان قبیلے کا سردار بن جائے گا،جب حکومت کی باگ ڈور نکمے ہاتھوں میں آ جائے گی،ملتے وقت لوگوں کے چہروں پہ مسکراہٹ لیکن اندر میں بغض بھرا ہوا گا،جب مسجدوں میں لڑائی جھگڑے ہونے لگ جائیں گے،گانا گانے والیاں زیادہ ہو جائیں گی جب موسیقی کے آلات عام ہو جائیں گے،جب شراب پی جانے لگ جائے گی،ریشم،

پہنا جانے لگ جائے گا،امت کے پہلے لوگوں کو برا کہا جانے لگ جائے گا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ جب مندرجہ بالا علامات ظاہر ہونے لگ جائیں تو پھر انتظار کرو خوفناک موسموں کا، موسموں کی بے رحمیوں کا، زلزلوں کا، سرخ آندھیوں کا، زمیں میں دھنسائے جانے کا، اور اوپر نیچے عذابوں کے سلسلوں کا جیسا تسبیح ٹوٹنے سے دانے دھاگے سے گرتے ہیں اسی طرح عذاب آتے رہیں گے"۔

اچھا بات شروع کی تھی ڈینگی مچھر کی۔ کہ ایک مچھر نے ناک میں دم کر رکھا ہے کبھی تو اس مچھر کی وجہ سے شیطان لعین بھی پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ اس مچھر کی وجہ سے شام کو پارک ویران ہونے لگ گئے ہیں اور جو حسینائیں آدھی آستین کے کپڑے پہن کر باغوں میں واک کرنے جایا کرتی تھی اب انہوں نے بھی نقاب اوڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

پہلے زندہ دلان لاہور صرف واپڈا کے ہاتھوں پریشان تھے اب ڈینگی کی وجہ سے یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں۔

اِک طرف ڈینگی، اک طرف واپڈا
اک قمیض لان نئی دیندا
اک قمیض پان نئی دیندا

اللہ ہم سب کو ان مصائب و آلام سے نجات عطا فرمائے۔۔آمین

خط وکتابت کا زمانہ

دنیا نت نئی سائنسی ایجادات کی بدولت گلوبل ویلیج بن چکی ہے لیکن ان ایجادات کی وجہ سے انسان کو جہاں آسانیاں میسر آئیں ہیں وہیں انسان کی قدر و منزلت میں بھی کمی دیکھنے میں آئی ہے، انسانی رویے بھی تبدیل ہو گئے ہیں اور ان میں احساس ذمہ داری کے ساتھ حساسیت میں بھی کمی نظر آنے لگ گئی ہے، حضرت انساں دن بدن مصروف سے مصروف تر ہوتا جا رہا ہے اور اپنی فکر ہی میں دکھائی دیتا ہے، خود غرضی میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے اور وقت کا تو پتا ہی نہ چلتا وہ تو تیزی سے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے دوسروں کے دکھ درد بانٹنا مشکل ہوتا جا رہا ہے کچھ عرصہ قبل میں نے کہا تھا

مصروفیت اتنی بڑھ گئی ہے ماجد
لگتا ہے وقت میں برکت نہ رہی

انٹرنیٹ اور موبائل فونز کی بدولت انساں لمحہ بہ لمحہ ایک دوسرے سے باخبر رہتا ہے ،نیوز چینلز اور الیکٹرانک میڈیا کی وجہ سے وہ دنیا کے حالات سے بخوبی واقف ہوتا ہے لیکن ان سہولیات کی وجہ سے چاہتیں اور محبتیں معدوم ہوتی جا رہی ہیں مجھے یاد ہے کہ جب چند سال قبل یہ سہولیات نہیں تھیں تو

کوئی پردیس سے جب آتا تھا تو پورا گاؤں اکٹھا ہو جاتا تھا اس کا حال احوال پوچھا جاتا وہاں کے حالات کا پوچھا جاتا اور پورے ہمہ تن گوش ہو کر اس کی باتیں مزے لے لے، کر سنی جاتی لیکن ایسی محبتیں، ایسی باتیں ،ایسی چاہتیں اب کہاں۔اب تو کسی بیمار کی تیمار داری کے لئے بھی وقت نکالنا مشکل ہوتا جا رہا ہے وقت کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے اور انساں اسی تیزی سے چل رہا ہے۔

مکتوب لکھنا،اسے ڈاک خانے میں پوسٹ کرنا اور پھر اس کے جواب کا انتظار کرنا کتنا زبردست مشغلہ تھا اب ایسے مشاغل ختم ہوتے جا رہے ہیں اب ای میلز کا زمانہ ہے موبائیل فونز پر خط بھیجے جاتے ہیں جو سیکنڈوں میں پہنچ جاتے ہیں جن میسجز کا جواب بھی فوری مل جاتا ہے لیکن ان میسجز اور میلز میں وہ مزہ نہیں جو خطوط میں ہوتا تھا نصاب میں مکتوب غالب کو ہم بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے مجھے وہ دن بھی یاد ہیں، جب میرا اک دوست گاؤں سے کراچی چلا گیا تھا اور ہم دونوں میں خط و کتابت کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ رہتا اور ہر ہفتے گاؤں کے اکلوتے ڈاکخانے جا کر اپنے نام بھیجے گئے خط کا معلوم کرتا ،جس دن خط موصول ہوتا بڑی بے چینی سے گھر جا کر اسے کھول کر بار بار پڑھا جاتا اور پھر اس کا جواب لکھنے بیٹھ جایا کرتے تھے۔

خط وکتابت سے یاد آیا کہ پہلے زمانے میں جانوروں کو بھی ڈاک کے لئے استعمال

کیا جاتا تھا قاصد کے ذریعے پیغام رسانی بھی سنی ہے اور کبوتر کو بھی اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، قارئین !آپ بھی سوچ رہے ہوں گے آج میرا انداز گفتگو تبدیل کیوں ہے اور سوئی صرف خط وکتابت کے گرد کیوں گھوم رہی ہے؟وجہ یہ ہے کہ ان دنوں ایک خط کا بڑا چرچا سننے میں آ رہا ہے پہلے سائیں گیلانی کو کہا جاتا رہا کہ

لکھ دے، لکھ دے سائیں کوئی تحریر

بدل جائے جس سے ملک کی تقدیر

لیکن سائیں نے بات نہ مانی اور اپنی کرسی کو چھوڑ دیا لیکن اب اسی زمانے کو یاد کرکے آہیں بھرتے اور یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں

گذرے وہ زمانے یاد آتے ہے

بیتے وہ سہانے پل یاد آتے ہے

اب میرے بھولے راجہ صاحب بھی خط لکھنا سیکھ رہے ہیں معلوم نہیں انہیں بھی خط لکھنا آ جائے گا یا نہیں۔کیا وہ بھی جئے بھٹو کا نعرہ لگا کر کرسی کو خیر باد کہہ کر وفاداری نبھائیں گے یا پھر وہ بھی مکتوب لکھ دیں گے ویسے یہ خط کون سے طریقے سے جائے گا کوئی سپیشل نمائندہ اس خط کو لے کے جائے گا یا کبوتر کا سہارا لیا جائے گا یہ تو وقت آنے پر معلوم ہوگا ویسے اس خط کا ہر،

کسی کو شدت سے انتظار ہے۔

پاک فوج کو سلام

فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف سے ایک نوجوان لڑکے نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا سر! کیا یہ سچ ہے کہ افواج پاکستان بجٹ کا اسی فیصد (80%) لیتی ہے اور اس کا چیک اینڈ بیلنس یا آڈٹ نہیں کیا جاتا؟ میں اس کی بات سن کر مسکرایا اور اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ افواج پاکستان کا بجٹ اسّی فیصد نہیں ہوتا بلکہ چالیس فیصد (40%) سے بھی کم ہوتا ہے۔

طیب اقبال ایک نوجوان طالبعلم ہے جو افواج پاکستان کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت رکھتا ہے جس کا اظہار وہ سوشل میڈیا میں پوسٹنگ کی صورت میں کرتا رہتا ہے کچھ لوگ اس سے پاکستان آرمی کے متعلق عجیب عجیب سوالات کرتے رہتے ہیں کہ وہ پاک آرمی کو اتنا زیادہ کیوں سپورٹ کرتا ہے؟؟؟ گاہے بگاہے وہ مجھ سے رہنمائی بھی لیتا رہتا ہے اور خود بھی افواج پاکستان کے حق میں دلائل دے کر ان لوگوں کو چپ کروا دیتا ہے اپنی ملک کے ساتھ اس کی محبت اور پاک افواج کے ساتھ دلی لگاؤ کی وجہ سے مجھے بھی اس طالبعلم کی حب الوطنی پر رشک آتا ہے۔

ہماری افواج کا شمار دنیا کی بہترین افواج میں کیا جاتا ہے بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ افواج پاکستان سب سے پہلے نمبر پر ہیں دفاعی لحاظ سے بھی اور ایکشن کے رُو سے بھی۔ کیونکہ افواج پاکستان کا اک اک سپاہی جذبہ شہادت سے لبریز اور سینے پہ گولی کھانے کو فخر سمجھتا ہے ،اپنے وطن کی حفاظت کے لئے میرا اک اک سپاہی سر بکفن ہے اور ملک کی خاطر جان قربان کر دینے کو اعزاز سمجھتا ہے۔

پاکستان ایک ایٹمی ملک ہے جب پاکستان نے مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا تو اس وقت جہاں مسلم دنیا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی وہیں پر کفار کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ سر جوڑ کر تدبیر کرنے لگے کہ کسی طرح پاکستان کو تنہا کر کے اسے ایٹمی طاقت سے محروم کر دیا جائے، انہوں نے چالیں چلنا شروع کیں لیکن ان کے مقابلے میں ہماری پاک افواج تھی جو دفاعی لحاظ سے دنیا کی بہترین فوج ہے اپنے ملک کا دفاع کرنا اور اس طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کو کچلنا خوب جانتی ہے دشمن مکروفریب سے تدبیریں کرتے اور انہی کی چالیں ہمارے دفاعی ادارے ان کے اوپر پلٹ دیتے، لیکن دشمن ابھی تک باز نہیں آیا وہ روز نت نئی تدبیریں کرتا ہے لیکن اسے منہ کی کھانا پڑتی ہے کیونکہ یہاں ہر بندہ جذبہء ایمانی سے لبریز ہے۔

جب بھی میرے ملک پر دشمن نے چوروں کی طرح چھپ کر وار کیا تو بہادر فوج کے دلیر سپاہیوں نے یہ کہتے ہوئے دشمن کے وار کو سینے پہ روکا کہ

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

جہاں تک فوج میں چیک اینڈ بیلنس کی بات ہے تو میری نظر میں پاک آرمی ہی وہ واحد ادارہ ہے جو سب سے زیادہ منظم ہے اور ان کے بجٹ میں کرپشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاید کچھ سیکرٹ پروجیکٹس کی وجہ سے وہ اپنا بجٹ عوام کے سامنے نہیں لا سکتے یہاں میں افواجَ پاکستان کے ذمہ داران سے یہی گذارش کروں گا کہ میرے وطن کے، سپاہی پاکستان کے سادہ لوح عوام کے دلوں کی دھڑکن ہیں اور عوام کو ان پر اعتماد ہے ان کا یہ اعتماد اور بھرم قائم رکھتے ہوئے سرحدوں کی حفاظت پر رہنا ہے اقتدار کے ایوانوں میں نہیں آنا ہے۔

آج کچھ ملک دشمن عناصر پاک فوج کے خلاف عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات پھیلانے میں مصروف ہیں ان کا یہ پروپیگنڈہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا اور ہر سُو آواز آئے گی۔

پاک فوج کو سلام۔۔پاک فوج زندہ باد

اپنی جاں نظر کروں ،اپنی وفا پیش کروں

قوم کے مردِ مجاہد تجھے کیا پیش کروں
تو نے دشمن کو جلا ڈالا ہے شعلہ بن کے
ابھرا ہر گام پہ فتح کا نعرہ بن کے
اس شجاعت کا کیا میں تجھے صلہ پیش کروں
اپنی جاں نذر کروں، اپنی وفا پیش کروں

ہم کس طرف جا رہے ہیں؟؟؟

حق رائے آزادی ہر کسی کو حاصل ہے لیکن کوئی ایسا کام کرنا یا ایسی بات کرنا جو ملک کے لئے یا کسی بھی قومی ادارے کے لئے نقصان دہ ہو سے اجتناب برتنا چاہئے لیکن موجودہ دور میں جہاں پاکستان مختلف قسم کے چیلنجز سے نبرد آزما ہے اس ملک کے کچھ میڈیا پرسنز اپنے تئیں ملک کو بچانے کا ٹھیکہ لئے بیٹھے ہیں اور بلا سوچے سمجھے ہر کسی کو ایک ہی حساب سے ہانکے جا رہے ہیں ،ہر ادارے پر چینی نکتہ چینی جاری ہے اور تو اور کچھ نام نہاد میڈیا کے ٹھیکیداروں نے عدالت عظمیٰ کو بھی نہیں بخشا،ان لوگوں میں کچھ تو وہ لوگ بھی ہیں جو فحاشی و عریانی کو جدت سے تشبیہ دیتے ہوئے اسے عام کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر ان کے راستے میں کوئی روڑے اٹکائے تو اسے بھی آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے اسے تعصب ذدہ اور کئی طرح کے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ آج لکھنے کا موضوع کوئی اور تھا لیکن بات نکلی تو نکلتی ہی چلی گئی حق رائے آزادی ہر بندے کو حاصل ہے لیکن اب عام آدمی سے یہ حق چھینا جا رہا ہے اس لئے اب میرا جیسا عام آدمی صرف سوچ سکتا ہے بول نہیں سکتا کیونکہ ہاتھ کچھ نظر نہ آنیوالی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں اس لئے جو عام آدمی سوچتا ہے اس

عوام کی سوچ کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر قلم کے ذریعے ارباب اقتدار تک پہچانے کے لئے اخبارات کا سہارا لیا جاتا ہے کسی سوچ کو ارباب اختیار کی توجہ حاصل ہو جاتی ہے تو کوئی سوچ بھٹکتے بھٹکتے پھر سے عوام کے پاس پہنچ جاتی ہے اور عوام پھر سے سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔

عام انسان کی طرح میں بھی سوچوں کے محور میں گم تھا اور خیالی دنیا میں ملک کی بہتری کے خواب دیکھ رہا تھا کہ آنکھ لگ گئی ،آنکھ کیا بند ہوئی خواب کی وادیوں میں کھو گیا جہاں پر جو دیکھا وہ آپ قارئین کی نذر ہے۔

سوئس حکام کو خط لکھا جا چکا ہے صدر صاحب خود عدالت میں حاضر ہو کر مشروط معافی مانگ چکے ہیں بیرون ملک اثاثے پاکستان میں آ چکے ہیں جس سے پاکستان کا سارا قرض اتر گیا ہے اور ملک خوشحالی کی طرف گامزن ہو گیا ہے۔لوڈشیڈنگ اور دیگر بحران ختم ہو گئے ہیں جن وزیروں، مشیروں نے حکومت ختم ہونے کے بعد پاکستان سے باہر جانے کا سوچا ہوا تھا انھوں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا جینا مرنا پاکستان کی عوام کے ساتھ ہے ہم عوامی لوگ ہیں ،وی۔آئی۔پی ،جاگیر دارانہ نظام اور وڈیرہ شاہی کا خاتمہ ہو گیا ہے اب عام بندہ بھی صدر، وزیراعظم،وزیر اعلیٰ اور گورنرز سے ڈائریکٹ ملاقات کر سکتا ہے کیونکہ سب عہدیدار بغیر پروٹوکول کے عوامی مقامات پر نظر آتے ہیں

اور پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر کرتے ہیں ، میرے ملک میں ہر طرف ہریالی ہو چکی ہے ڈرون طیارے گرانے کے بعد ڈرون اٹیک رک چکے ہیں ، دہشت گردی قصہ پارینہ بن چکی ہے ، ٹارگٹ کلنگ کا نام ونشان تک مٹ چکا ہے ، چہار سُو امن کے پرچم لہرا رہے ہیں ، تفرقہ بازی ، لسانیت ، قومیت اور صوبائیت کا شیطان مر چکا ہے اور ہر طرف قومی پرچم لہراتے ہوئے یہی صدا آ رہی ہے

اس پرچم کے سائے تلے

ہم ایک ہیں ، ہم ایک ہیں

انہی حسین سپنوں میں کھویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی تیز گھنٹی نے خوابوں کا سلسلہ توڑ دیا دوسری طرف ڈی۔جی خان سے ایک دوست تھے جو بتا رہے تھے کہ اس سال بھی، سیلاب تباہی مچا رہا ہے ، مکان بہہ رہے ہیں لوگ مر رہے ہیں اور سیلاب کا ریلا سبھی کو بہائے لے جا رہا ہے میں پھر تصور ہی میں تباہی کا اندازہ لگانے لگا کہ گزشتہ سال جب سیلاب نے تباہی مچائی تھی تو میں ان سیلاب ذدہ علاقوں میں گیا تھا وہاں سب کچھ تباہ ہو چکا تھا اور اک بار پھر پانی تباہی مچا رہا ہے اور ہمیں خبردار کر رہا ہے کہ سنبھل جاؤ اور گناہوں سے تائب ہو کر اپنے اللہ کی طرف لوٹ آؤ ، لیکن ہم خواب غفلت میں ڈوب چکے ہیں ہم نہیں اٹھیں گے کیونکہ ہم بے حس ہو چکے ہیں ہم حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی بھول چکے ہیں جس کی وجہ سے مصائب و آلام ہم پر مسلط ہو چکے

ہیں ۔قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ کے مفہوم کے مطابق "خشکی اور تری میں جو بھی فساد ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے ۔بولنے سے پہلے تول لینا چاہیئے اور قدم اٹھانے سے پہلے دیکھ لینا چاہیئے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟؟؟

چیخوں میں مماثلت

جب کوئی درد میں ڈوبی ہوئی کوئی کراہ سنائی دیتی ہے تو انساں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ،جب بھی کوئی آہ و بکا کانوں کے پردوں سے ٹکراتی ہے تو پورے جسم میں اک درد کی لہر دوڑ جاتی ہے،جب بنت حوا کی مظلوم صدا کی گونج سنائی دیتی ہے تو پتھر دل انساں کا دل بھی پسیج جاتا ہے اور درد کی وجہ سے موم ہو جاتا ہے۔

بنت حوا کے ذکر سے یاد آیا کہ آج کل عجب رسم چل نکلی ہے ، جہیز کی لعنت معاشرے کا ناسور بن چکی ہے یہ ایسا ناسُور ہے جس کی وجہ سے کئی لڑکیوں کے خواب چکنا چور ہو چکے ہیں ، کئی بیٹیاں اس ظالم رسم کی بھینٹ چڑھ کر اپنی جوانی کی عمر کو گنوا چکی ہیں ، جہیز کی لعنت کی وجہ سے کئی دوشیزائیں پیا گھر سدھارنے کی منتظر ہیں جن کی جوانی ڈھل رہی ہے اور پریشانی کی وجہ سے وہ وقت سے پہلے بڑی عمر کی نظر آنے لگتی ہیں جب وہ آئینے میں خود کو دیکھتی ہیں تو اپنے خوابوں کا خون ہوتے دیکھ کر ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں کیونکہ وہ انتظار کرتے کرتے اپنی جوانی سے بڑھاپے کی طرف گامزن ہو چکی ہوتی ہیں ،ان میں سے کچھ حوا کی بیٹیاں تو جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتی اور حواس کھو بیٹھتی ہیں جس آئینے میں بن سنور کر خود کو دیکھ رہی ہوتی ہیں وہی شیشہ ان

کے ہاتھ سے گر کر جب ٹوٹتا ہے تو چھناکے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ شیشے کی ٹوٹنے کی آواز ہر کوئی سنتا ہے اور جو دل میں اٹھنے والی چیخیں، صدائیں اور دل کی ٹوٹنے کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی، حوا کی بیٹی کا ذکر ہو تو مجھے اکثر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یہ باتیں یاد آ جاتی ہیں "وہ بیٹیاں تم جس کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دو، وہ اُف کئے بغیر تمہاری پگڑیوں اور داڑھیوں کی لاج رکھنے کے لئے ان کے ساتھ ہو لیتی ہیں، سسرال میں جب میکے کی یاد آتی ہے تو چھپ چھپ کر رو لیتی ہیں، کبھی دھوئیں کے بہانے آنسو بہا کر جی ہلکا کر لیا، آٹا گوندھتے ہوئے آنسو بہتے ہیں وہ آٹے میں جذب ہو جاتے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ ان روٹیوں میں اس بیٹی کے آنسو بھی شامل ہیں، غیرت مندو! ان کی قدر کرو یہ آبگینے بڑے نازک ہیں"۔

بات ہو رہی تھی جہیز جیسی غلیظ لعنت کی۔کہ جس کی وجہ سے کئی گھرانے تباہ ہو چکے ہیں کتنی بیٹیوں کے خواب ملیا میٹ ہو چکے ہیں، کئی نے تو تھپک تھپک کر اپنے دلوں کو، جھوٹی تسلیاں دے کر سلا دیا ہے اور کئی حوا کی بیٹیاں ابھی بھی راہ تک رہی ہیں، جہیز جیسی لعنت کی وجہ سے نکاح مشکل ہوتا جا رہا ہے جس معاشرے میں نکاح مشکل ہو جائے وہاں "زنا" عام ہو جاتا ہے، جہاں "زنا" عام ہو جائے، وہاں پاکیزگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، فحاشی و عریانی کا وہاں بسیرا ہو جاتا ہے جہاں بے حیائی عام ہو جائے وہاں شیطانی کھیل سربازار کھیلا جاتا

ہے اور حوا کی بیٹی کی پازیب کی چھنکار میں وہاں غیرت کا جنازہ اٹھتا ہے اور انسانیت کی چیخیں دم توڑ جاتی ہے ۔جہاں شیطانی کھیل عام ہو جائے وہاں انساں کا بدترین دشمن شیطان راج کرتا ہے ۔جہاں شیطان کا راج ہو گا وہاں سکون کیونکر قائم ہو سکے گا ،وہاں تو درد میں ڈوبی انسانیت اور حیا کی دلدوز چیخیں ہی سنائی دیں گی ۔

قارئین ! ستمبر کی ستم گری تو آپ نے دیکھ لی ،کہ کس طرح آگ میں انساں جل گئے وہ مناظر دیکھنے کے لئے انساں کو کافی دل گردہ چاہئے جب لوگ کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی ان کی کربناک چیخیں آ رہی تھی وہ زندگی کو اپنے ہاتھ سے نکلتا دیکھ رہے تھے اور خود کو موت کہ منہ جاتا دیکھ رہے تھے شاید ایسی بے بسی کو میں اپنے الفاظ میں نہ ڈھال سکوں ،جب موت لمحہ بہ لمحہ ان کے نزدیک ہوتی جا رہی تھی ،جب زندگی سے ان کا فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا ،جب بے بسی سے وہ اپنے پیاروں کو موت کے گلے لگاتے دیکھ رہے تھے اس افتاد میں اک نفسا نفسی کا عالم تھا ،آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے ادھر ان کی چیخوں کی آوازیں کبھی تیز ہوتی تھیں تو کبھی معدوم ہوتی جا رہی تھی یہ کیسا ستم تھا ،یہ کیسی افتاد تھی جو ان پہ آپڑی تھی وہاں آدم کے بیٹے بھی دم توڑ رہے تھے اور حوا کی بیٹیاں بھی سسک سسک کر خود کو موت کے حوالے کر رہی تھیں ایسے دردناک مناظر ،چیخ و پکار ،آہ و بکا جن کو قلم بیاں نہیں کر سکتا ۔

ستمبر کی ستم گری جاری ہے اب بھی کئی لوگ بہہ رہے ہیں پانی تباہی مچا رہے ہیں سیلاب سب کچھ بہا کے لے کر جا رہے ہیں پھر وہی درد میں ڈوبی چیخیں ہیں، فضا میں درد میں ڈوبی کراہوں کی صدا آ رہی ہے کہ ہمیں بچا لو، ہمیں بچا لو۔ لیکن کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کر رہا، سب کچھ تباہ و برباد ہوتا جا رہا ہے اور چیخیں بلند ہو کر معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

ابھی ستمبر کے ستم جاری ہیں کہ اک بار وہ دن بھی نزدیک آ رہا ہے جب لوگ معمول کے مطابق اپنے کام سرانجام دینے لگے تھے، سکولوں کلاسز جاری تھیں بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں کہ اچانک زمین ہلی اک لرزہ طاری ہوا اور پھر وہ چھت جس کے نیچے وہ پڑھ رہے تھے وہ ان کا مدفن بن گئی، اس وقت جب وہ موت کو گلے لگا رہے تھے تو زور زور سے چیخ و پکار سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکار رہے تھے لیکن کئی گھنٹے گزرنے کے باوجود بھی کوئی نہیں آیا تو ان کی چیخ و پکار معدوم ہوتی چلی گئی اور وہ موت کے منہ میں چلے گئے، ان کی اس وقت کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ہر طرف تباہی مچ گئی تھی، زمین ہل رہی تھی لوگ جائے پناہ تلاش کر رہے تھے اک افراتفری مچی ہوئی تھی نفسا نفسی کا ماحول تھا، ڈر کی لہر ان کے وجود میں سرایت کر گئی تھی اور وہ جان بچانے کے لئے بھاگے چلے جا رہے تھے لیکن کہیں کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی

وہ مدد کے لئے پکار رہے تھے اور کچھ زخمی ہو کر درد میں ڈوب کر کراہ رہے تھے ان کی کربناک چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

حوا کی بیٹی کی جب اپنے خوابوں کا خون ہوتے دیکھ کر چیخ نکلتی ہے یا کسی کا سہاگ اجڑ جانے پر جو چیخ و پکار ہوتی ہے، کسی پر ناگہانی آفت ٹوٹتی ہے یا کوئی سیلاب جب تباہی مچاتا ہے تو اس وقت جو آہ و بکا ہوتی ہے تو ان سب چیخ و پکار میں اک چیز میں مماثلت ہوتی ہے،ان تمام چیخوں میں درد اور کرب ایک جیسا ہوتا ہے۔

سیاسی زائچہ

کہتے ہیں کہ سیاست میں سب چلتا ہے کل کے حریف آج کے دوست نظر آتے ہیں تو کبھی کل کے دوست آج کے سیاسی دشمن نظر آتے ہیں، یہ سیاسی کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں اور کھلاڑیوں کے تو کیا کہنے، وہ جب اکھاڑے میں اترتے ہیں تو اپنے سیاسی حریف کو ایسے للکارتے ہیں جیسے کسی میدان جنگ میں اپنے دشمن کو للکارا جاتا ہے،

قارئین! آپ مختلف قسم کے سروے تو پڑھتے ہی ہیں جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کی مقبولیت کا گراف کی درجہ بندی کی جاتی ہے شروع میں اس طرح کی سروے کی بہت زیادہ اہمیت تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سیاسی سروے کی اہمیت میں کمی واقع ہوئی ہے لیکن آج ہم بھی مختلف جماعتوں کی پیدائش اور ان کی موجودہ پوزیشن کے بارے آپ کو آگاہ کریں گے۔

سب سے پہلے حکومت جماعت پیپلزپارٹی کی بات کرتے ہیں اس جماعت کے رہنما زیادہ تر یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ پیپلزپارٹی اک جمہوریت پسند پارٹی ہے، ہم نے آمریت اور ضیاء کی باقیات کو دفن کر دیا ہے لیکن اگر پیپلزپارٹی کی بنیاد کی بات کی جائے تو اس کی بنیاد ذوالفقار علی بھٹو نے رکھی تھی جو کہ

ایوب کی کابینہ میں وزیر رہے تھے اور اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہوئے تھے اس سے پہلے بھٹو کو کوئی نہیں جانتا تھا، بلاشبہ بھٹو اک ذہین لیڈر کے طور پر سامنے آئے تھے ، اگر ہم یہ کہیں کہ پیپلز پارٹی نے ایوب کی کوکھ سے جنم لیا تھا تو غلط نہیں ہوگا۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی کے ڈسپلن کی بات کی جائے تو اس میں نظم وضبط کی بجائے ہلڑ بازی زیادہ ہے لیکن اس کے جیالوں میں قربانی کا جذبہ کافی زیادہ ہے اور اسی جماعت کے کارکنوں نے اور رہنماؤں نے پارٹی کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا ہے اگر ہم اسے سیاسی شہیدوں کی جماعت کہیں تو بے جا نہیں ہوگا۔ اس جماعت کی موجودہ پوزیشن کو دیکھیں تو اس کی مقبولیت کا گراف نیچے کی طرف گامزن ہے البتہ اگر یہ جنرل الیکشن سے پہلے بلدیاتی انتخابات کروا دیتے ہیں تو اس کے حق میں بہتری کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اس کے بعد اگر ہم بات کریں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی۔ جو کہ اس وقت اپوزیشن میں بیٹھی ہے ملک کی دوسری بڑی جماعت ہے اس جماعت نے بھی ایک آمر جنرل ضیاء الحق کی کوکھ سے جنم لیا تھا، ہر سیاسی پارٹی کے اندر اختلافات تو ہوتے ہی ہیں لیکن اس سیاسی جماعت میں یہ اختلافات کافی زیادہ ہیں جس کی وجہ سے کوئی بھی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے جس کی بنا پر گزشتہ کئی مہینوں میں اس کی مقبولیت کا گراف کافی نیچے آ گیا تھا، جس کی وجہ اس جماعت کے کچھ اہم فیصلے

تھے جو کہ اب دوبارہ بہتری کی طرف گامزن ہو چکا ہے، کیونکہ سیاست میں تیل اور تیل کی دھار دیکھ کر چلنا پڑتا ہے جنرل انتخابات جتنے لیٹ ہوں گے اس کے حق میں بہتر ہوں گے اور اس جماعت کے لئے بھی بلدیاتی انتخابات کافی فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس کے ہم پاکستان تحریک انصاف کی بات کرتے ہیں جس نے گزشتہ کئی ماہ سے پاکستانی سیاست میں ہلچل مچا رکھی ہے،اس ہلچل میں مسلم لیگ (ن) کافی سہم گئی تھی لیکن اب تحریک انصاف کے غبارے سے ہوا نکلنا شروع ہو گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس جماعت میں پرانے کارکنوں کو نظر انداز کرکے نئے آنے والوں کو نوازا جانے لگا تھا پاکستان تحریک انصاف میں ڈسپلن کچھ خاص نہیں ہے اور ابتدا ہی سے ہلڑ بازی کی نظر، ہونا شروع ہو گئی ہے دوسری طرف اس کی پیدائش کی بات کی جائے تو یہ وہ سیاسی جماعت ہے جس کی بنیاد عوام نے رکھی تھی لیکن شاید سہارا اسے بھی اسٹیبلیشمنٹ نے دیا تھا، موجودہ حالات میں جنرل انتخابات میں جتنی زیادہ دیر ہو گی اتنا ہی زیادہ تحریک انصاف کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

پاکستان مسلم لیگ (ق) کو دیکھیں تو اس جماعت کو بھی اک آمر جنرل مشرف نے بیساکھیاں فراہم کیں تھیں، مسلم لیگ (ق) نے بھی خوب جی بھر کر اقتدار کے مزے

لوٹے اور ابھی موجودہ گورنمنٹ میں بھی اہم اتحادی کا رول ادا کر رہی ہے، اس جماعت میں اس بات کو اہمیت حاصل ہے کہ جب تک اقتدار میں رہ سکتے ہو جی بھر کر رہو، اس جماعت کے کارکن بھی "چھڈو مٹی پاؤ" والی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، شاید اسی لئے اس کی مقبولیت کا گراف روز بروز زوال کی طرف رواں ہے، بلدیاتی انتخابات اگر جنرل الیکشن سے پہلے ہو جائیں تو اس جماعت کے حق میں تھوڑی بہتری پیدا ہو جائے گی۔

جماعت اسلامی کو دیکھیں تو اس جماعت میں مکمل نظم و ضبط نظر آتا ہے شاید اسے ابھی بھی پاکستان میں سیاست کرنا ڈھنگ سے نہیں آیا، اس کے کارکنوں میں بھی ایثار و قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے، اگلے الیکشن میں اس جماعت کے لئے کچھ قیاس آرائی کرنا قبل از وقت ہے کیونکہ اس جماعت میں انقلاب برپا کرنے کی بھی خاصیت نظر آتی ہے بعید نہیں پاکستان میں اسلامی انقلاب شاید اسی کے ہاتھوں لکھا ہو، خیر یہ تو وقت آنے پر معلوم ہوگا۔

اگر بات کریں متحدہ قومی موومنٹ کی۔ تو متحدہ پہ جتنے زیادہ الزامات لگتے نظر آ رہے ہیں بجائے اس کے کہ اس پر کچھ اثر ہوتا، یہ پہلے سے بھی بہتر انداز میں ترقی کے سفر پر گامزن ہے، متحدہ جس کی بنیاد چند لوگوں نے رکھی تھی اور جسے اسٹیبلیشمنٹ نے پروان چڑھایا۔ اس جماعت میں جو نظم وضبط ہے وہ

پاکستان کی کسی بھی سیاسی جماعت میں نہیں ہے یہی اس کی کامیابی کا راز ہے شاید آنے والے کچھ دن اس جماعت کے لئے بہتر نہیں ہوں گے، لیکن جنرل الیکشن میں یہ پہلے سے کافی بہتر انداز میں سیٹیں لے گی۔

عوامی نیشنل پارٹی جو صرف پختونوں پر ہی محدود نظر آتی ہے جو باچاخان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے شاید جنرل انتخابات میں اپنی پوزیشن کو بچا نہیں پائے گی۔

مندرجہ بالا تجزیہ راقم کے تجربے اور سوچ کی عکاسی ہے اس سے کافی لوگوں کو اختلافات بھی ہو سکتا ہے چند سیاسی جماعتیں ابھی رہ گئی ہیں جن کا ذکر پھر کسی کالم میں ہو گا۔

پاک ترک دوستی اور شانزہ کا ایثار

ترکی کا شمار پاکستان کے مخلص ترین دوستوں میں ہوتا ہے ترکی نے ہر مشکل مرحلہ میں پاکستان کی ہر ممکن مدد کی ہے، چاہے وہ پاکستان میں 2005ء کا تباہ کن زلزلہ ہو یا پھر سیلاب سے ہونے والی تباہی ہو۔ترکی کے سرمایہ کار بھی پاکستان میں سرمایہ کاری میں دلچسپی رکھتے ہیں، پاک ترک دوستی اک لازوال رشتہ ہے جو دونوں طرف موجود ہے، دونوں طرف کی عوام میں محبت، اخوت اور ایثار و قربانی کا جذبہ موجود ہے ہر کڑے وقت میں جہاں ترکی کی حکومت نے پاکستان کا ساتھ دیا ہے وہیں پر اس کی عوام نے بھی اپنے پاکستانی بھائیوں اور بہنوں کے لئے محبت و قربانی کی نئی مثالیں قائم کی ہیں، اسی طرح پاکستان بھی اپنے برادر ملک ترکی کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے، دونوں طرف کی قیادت مختلف امور اور مختلف منصوبوں پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہتے ہیں دونوں طرف سے خیر سگالی کے جذبات اور وفود کا تبادلہ بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، ہمارا دوست ملک ترکی ترقی اور کامیابی میں ہم سے آگے ہے اور پاکستانیوں کو اس سے کافی کچھ سیکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے جہاں ہر مشکل مرحلہ میں ترکی نے پاکستان کا ساتھ دیا ہے وہیں پر توانائی کے میدان میں بھی ترکی نے پاکستان کی ہر ممکنہ مدد کی ہے، توانائی کے بحران سے نمٹنے کے لئے اس نے اپنا ایک جہاز بھی

پاکستان بھجوایا تھا جو کچھ وجوہات کی بناپر واپس کر دیا گیا ہے لیکن امید ہے کہ ترکی نے اس کا برا نہیں منایا ہو گا اور دونوں طرف سے اس کی وجہ سے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

پاک ترک دوستی پر لکھنے کی اہم وجہ وہ ایک خبر ہے جو میری نظر سے گزری تو میرا سر فخر سے بلند ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اخوت و ایثار میں بچے بھی ایسے جذبات رکھتے ہیں یقینا یہ ان کی والدین کی طرف سے بہترین تربیت کا نتیجہ ہے خبر کے مطابق اک دس سالہ بچی جس کا نام شانزہ شعیب ہے جو جماعت پنجم کی ذہین طالبہ ہے اور ہر سال جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرتی ہے اس نے اپنا جیب خرچ، عیدی اور سالگرہ پر جمع ہونے والے تقریبا نوہزار (9000) روپے ایک تقریب میں گورنر پنجاب سردار لطیف کھوسہ کی موجودگی میں ترکی کے سفیر مصطفیٰ بابر کو پیش کیے۔شانزہ کا کہنا تھا کہ اس نے ٹی۔وی پر دیکھا کہ اسلامی ملک ترکی میں زلزلہ آیا جس سے سینکڑوں لوگ مر گئے ہیں اور بہت سارے مکانات تباہ ہو گئے ہیں تو مجھے بہت افسوس ہوا، میں نے روتے ہوئے اللہ سے دعا مانگی کہ اللہ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے،اس کا مزید کہنا تھا کہ میں نے ایک میگزین (ماہنامہ پھول) میں پڑھا تھا کہ پچھلے سال جب میرے ملک میں سیلاب آیا تھا اور جس سے پاکستان میں کافی تباہی مچی تھی تو ترکی سے تعلق رکھنے والی ایک بہن ماروی تکینے' نے اپنا ایک سال کا جیب خرچ اور گڑیا'

پاکستان بھجوائی تھی ، میں ترک بہن ماروی تکینے کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ ترکی کے لوگ اور پاکستانی ایک ہیں ، ہم آئندہ بھی ایک دوسرے کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور ہماری دوستی اور محبت بڑھتی رہے گی۔

یہاں پر اک عجیب اتفاق دیکھنے میں آیا کہ ترکی کا قومی دن بھی انتیس اکتوبر ہے اور شانزہ کی تاریخ پیدائش بھی اسی تاریخ کی ہے۔شانزہ شعیب کی خبر پڑھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ پاکستان میں ایسے بچے موجود ہیں جو محبت،اخوت اور ایثار وقربانی کی نئی مثالیں رقم کر رہے ہیں ،'ماروی تکینے' اور' شانزہ شعیب'کے جذبے کو دیکھ کر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ مستقبل میں پاکستان اور ترکی کے تعلقات اس سے بھی بہتر ہوں گے اور ان معصوم کلیوں کے بارے یہی کہوں گا کہ

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

پاکستان کے ننھے معماروں کو شانزہ کی قربانی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے،ترکی کے سفیر مصطفیٰ بابر نے ایک تعریفی خط میں شانزہ کے جذبے کو سراہتے ہوئے لکھا کہ ان کی رقم متاثرہ افراد کی بحالی کیلئے قائم وزیر اعظم طیب اردگان کے خصوصی فنڈ میں جمع کروا دی گئی ہے۔

پاک ترک دوستی اک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے جس سے دونوں ممالک کے تعلقات بھی مضبوط ہوں گے۔دونوں ممالک کی عوام کو بھی ایک دوسرے کے قریب آنے کا اور ایک دوسرے کے دکھ درد پر مرہم رکھنے کا موقع ملے گا کیونکہ دونوں طرف سے یہی صدا گونج رہی ہے۔

پاک ترک دوستی۔۔زندہ باد

ایک شام۔۔۔گُلِ نوخیز کے ساتھ

اپنے آفس میں کام میں مصروف تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ،دوسری طرف فرخ شہباز وڑائچ تھا جو کہ رہا تھا کہ ملک صاحب ! جلدی سے سب کام چھوڑ کر اس ایڈریس پر پہنچیں جو میں آپ کو میسیج کر رہا ہوں ایک خوبصورت شخصیت سے ملاقات کرنی ہے ،میں نے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ گُلِ نوخیز سے ملنا ہے ،سب کاموں کو چھوڑ کر فائلوں کو ایک طرف رکھ کر آفس سے نکلنے کی تیاری ہونے لگی کیونکہ جب کسی حسینہ کا ذکر ہو اور اس سے ملاقات بھی ہونی ہو تو کاموں کو خیر باد کہہ دینا پرانی عادت ہے اسی عادت سے مجبور و لاچار ہو کر صنف نازک کی کشش میں اس کے سراپے میں کھو کر بال بنا کر ،فینسی چشمہ لگا کر اور پرفیوم کی آدھی بوتل سے نہانے کے بعد اس ایڈریس پر چل دیے ،جہاں اس حسین و مہ جبیں سے ملاقات ہونا تھی۔پورے راستے میں اسی پری چہرہ کے بارے سوچتے ہوئے کہ وہ ایسی دلنشیں ہو گی ،اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں ہوں گی ،اس کے ہنسنے پر اس کے رخسار 'گُل' کی طرح کھلتے ہوں گے ،اور وہ نام ہی طرح 'نوخیز' ہو گی ،غرض انہی حسیں خیالوں میں کھویا اس آفس پہنچ گیا جہاں بقول فرخ شہباز 'خوبصورت شخصیت' سے ملاقات ہونا تھی۔

ٹشو پیپر سے منہ صاف کر کے ،ہیئر سٹائل درست کر کے خود پر طائرانہ نگاہ ڈال

کر آہستہ سے دروازے پر دستک دی تو آگے سے اک مترنم سی آواز گونجی کہ آ جائیں دل تھام کر اندر داخل ہوئے ۔تو ایک حسین و جمیل چہرے کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا لیکن، ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں "کے مصداق گُلِ نوخیز کا دیدار ابھی باقی تھا کیونکہ یہ ان کی سیکرٹری ٹائپ کوئی شے تھی ۔یہاں اک بار پھر خیالوں کی یلغار نے آ گھیرا کہ اگر سیکرٹری ایسی ہے تو گُلِ نوخیز خود کیسی ہوگی ؟؟؟پھر اک بار اس کی مترنم آواز آئی تو میں خیالی دنیا سے لوٹ آیا اور اس سے گُلِ نوخیز کے بارے استفسار کیا۔اس نے اک ادا سے اندر کی جانب اشارہ کیا دل پہ ہاتھ رکھ کر جب اندر داخل ہوئے تو حیراں رہ گئے۔

اک محفلِ یاراں جمی ہوئی تھی جس میں سر فہرست ہمارے محترم دوست جناب حافظ مظفر محسن صاحب اپنی ناجائز تجاوزات (ان کے بڑھے ہوئے پیٹ کو ناجائز تجاوزات کہتے ہیں)کے ساتھ موجود تھے ،ان کی بغل میں ایک معصوم صورت مگر شرارتی کمزور سا ایک سو چار کلو گرام کا فرح شہباز بھی تھا ،اک طرف مسکراتے چہرے کے ساتھ ہمارے دوست وسیم عباس تشریف فرما تھے ،سید بدر سعید بھی وہاں کسی کے تعاقب میں پہنچے ہوئے تھے اک اور اجنبی شخص بھی تھے ،جنہیں میں نہیں جانتا تھا سب سے ہاتھ ملانے کے بعد جب یہ پوچھا کہ گُلِ نوخیز کب آئے گی ؟وہ کہاں ہے ؟تو سب دوست قہقہے لگانے لگے ،میں سمجھا کہ شاید مجھے گُلِ نوخیز کے

دھوکے میں یہاں بلا کر یہ لوگ انجوائے کر رہے ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہے ابھی اسی مخمصے میں ہی تھا کہ وہ اجنبی بول پڑا کہ آپ کے ذہن میں گُلِ نوخیز کا کیا خاکہ ہے ؟؟ تو مجھے حقیقت بتانا پڑی کہ اک پری چہرہ ہوگا، نوخیز سی کلی کی طرح ہو گی جب کسی بات پر ہنسے گی تو اس کے منہ سے "گُل" جھڑیں گے لیکن یہاں پہنچ کر سخت مایوس ہوا ہوں آخر ڈرامہ کیا ہے ؟؟؟ اک بار پھر وہی ہنسی کا دور شور ہوا اور وہ اجنبی مجھ سے گلے لگ کر بولا مجھ سے ملئے میں ہوں "گلُ نوخیز اختر"۔

یہ سن کر میرے اوساں خطا ہو گئے ، پیروں کے نیچے سے زمیں نکل گئی ،آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا اور زور دار چیخ ماری جس سے شاید بے ہوش ہی ہو گیا، شاید وہ بے ہوشی ہی کی کیفیت تھی جب مجھے گل نوخیز اختر کے بارے بتایا جاتا رہا کہ یہ دور حاضر کے معروف مزاح نگار ہیں ۔

سب دوست ہنس رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے کیونکہ اس شام ہر بات پر گل نوخیز اختر لطائف پہ لطائف سنائے جا رہے تھے وہ لطائف کچھ وجوہات کی بنا پر یہاں نہیں لکھ سکتا کیونکہ پھر یہ تحریر کہیں پر شائع نہیں ہو سکے گی کیونکہ گل نوخیز اختر کے منہ سے ہر وقت گُل "ہی جھڑتے رہتے ہیں ۔"

میرے بلوچستان کو تنہا نہ چھوڑیں

بلوچستان کا مسئلہ سنگین صورتحال اختیار کرتا جا رہا ہے،دہشت گردی کی لہر نے پورے صوبے کو لپیٹ میں لے رکھا ہے ۔لوگوں کا لاپتہ ہونا اور پھر بازیاب نہ ہونا اک معمول بن چکا ہے ۔انسانی جانوں کی قدر و قیمت کھو چکی ہے ۔لوگ مر رہے ہیں ۔لاشے تڑپ رہے ہیں،انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا وہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو چکا ہے ۔میرے ملک کے سیاستدان ان زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے ان لاشوں پر سیاست کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔اس بدامنی میں امن کی فضا قائم رکھنا اور امن و امان بحال کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن حکومت اس اہم معاملے پر یکسر غافل نظر آ رہی ہے تبھی تو ظلم بڑھتا جا رہا ہے ۔لوگ لاپتہ ہو رہے ہیں اور خون بہ رہا ہے بلوچستان میں گھمبیر صورتحال ہو چکی ہے ہم لکھاری یہاں پر بیٹھ کر تبصرے کرتے رہتے ہیں اور حکمران اقتدار کے ایوانوں میں مزے سے قیاس آرائیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن حقائق کچھ اور ہیں ہمیں ان حقائق کو مد نظر رکھ کر ان کا ادراک کرنا ہوگا اور اپنے بلوچ بھائیوں کے دکھوں کا مداوا کرنا ہوگا۔ان کے زخموں پر مرہم رکھنا ہوگا نہیں تو

کہیں ایسا نہ ہو کہ درد بنے درد لادوا
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

یہاں پر چند سوال جنم لیتے ہیں کیا بلوچوں کے حقوق کو ابھی بھی نظر انداز کیا جا رہا ہے یا پھر حقائق کچھ اور ہیں؟؟ کیا بلوچستان میں آزادی پسند تحریکوں کے تانے بانے کہاں جا کر مل رہے ہیں؟؟ ان کی ڈوریں کون سی قوتیں ہلا رہی ہیں؟ بلوچستان کی ترقی اور امن کس کے لئے سب سے زیادہ خطرہ ہے؟؟ کونسی طاقتیں اس امن کے درپے ہیں؟؟؟ کیا بلوچستان کے حالات 1971ء جیسی صورتحال اختیار کر چکے ہیں؟

مندرجہ بالا سوالات اور اس طرح کے کئی سوالات کے جوابات توجہ طلب ہیں ہم جانتے ہوئے بھی ان سوالات کے جوابات سے چشم پوشی اختیار کر رہے ہیں اگر بلوچستان میں امن و امان کی فضا کو بحال کروانا ہے تو سب سے پہلے بلوچوں سے ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کرنا ہوگا انہیں ان کے حقوق دینا ہوں گے محب وطن بلوچ رہنماؤں سے مذاکرات کی راہ ہموار کرنا ہو گی انہیں منانا ہو گا، بلوچ قوم ایک غیور اور محب وطن قوم ہیں بجائے اس کے کہ ہم ان کے زخموں پر مرہم رکھتے ۔۔اسے کریدنے میں لگے ہوئے ہیں جس سے ہمارا دشمن فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہمارے ناراض بلوچوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کے دل میں پاکستان کی نفرت کے بیج بو رہا ہے۔افسوس صد افسوس سوائے عدلیہ کے اس وقت کوئی بھی بلوچوں کی دادرسی کے لئے خاطر خواہ اقدام نہیں کر رہا، جس سے دوریاں بڑھ رہی ہیں

فاصلوں میں اضافہ ہو رہا ہے، موجودہ حالات میں تمام سیاستدانوں اور محب وطن، پاکستانیوں کو اپنے بلوچ بھائیوں کے دکھوں کو جان کر ان کی دلجوئی کرنا ہے اور ان بڑھے ہوئے فاصلوں کو مٹانا ہے جو ہمارے اور بلوچستان میں بسنے والوں کے درمیان پیدا ہو چکے ہیں، کوئی ایسا غیر جانبدار کمیشن بننا چاہئے جو بلوچستان کے حالات کو ایک مکمل حکمت عملی اور ترتیب سے سامنے رکھے اور بلوچستان کی بہتری کے لئے تجاویز کے ساتھ خاطر خواہ اقدامات کرے۔

آج ملک دشمن عناصر قوتیں بلوچستان میں سرگرم ہو چکی ہیں، پھر سے ایسی سچویشن بنائی جا رہی ہے جو 1971ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تھی، اگر ہم آج نہ سنبھلے اور مینگل کے چھ نکات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تو دشمن کو وار کرنے کا موقع مل جائے گا، ہمارا دشمن تاک میں ہے جس نے پاکستان بنتے وقت میرے ملک کی تقسیم میں بھی ہاتھ دکھایا تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کچھ عرصے بعد اس دنیا کے نقشے میں موجود نہ رہے لیکن میرا ملک قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور انشاءاللہ تا قیامت قائم رہے گا اس کا سبز ہلالی پرچم پوری آب و تاب کے ساتھ لہراتا رہے گا۔

بلوچستان کی موجودہ صورتحال کے مطابق ملک دشمن عناصر صوبائیت کو ہوا دے کر آزادی پسند تحریکوں کو تھپکی لگا کر میرے ملک میں دہشت گردی کو فروغ دے رہے

ہیں اور میرے بلوچستان کے پہاڑوں اور ٹیلوں سے یہ صدا بھی سنا دے رہی ہے

(بلوچی میں)

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

مئے ترس ءَ زمین لرزیت مئے بیم ءَ کلات جکسنت

ماکو ہیں مزار چُکمیں ماگلڑیں شیرانی

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

ماکوہگیں پسانی ، ماجا مگیں ماسانی ماہنجگیں براتانی ، مالجیں گہارانی

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

ماناں لئے ءُ داد بکشیں ، ماسر دیئے ءُ نام کشیں ماہونی میار جلیں ، مادیما روں بیرانی

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

ماں گیرت ءِ شیر متنگک ماساہگ ءَ 3/4 زہمانی ہون پٹ ایت چہ مئے چماں ماکو مہ شہیدانی

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

ھون زرور کار ءَ کئیت یک روچے مئے قومءِ تاوان نہ بنت،ہچبر نازیک مئے ماسانی

چُکمیں بلوچانی ماچُکمیں بلوچانی

ماپشتیں یتیمانی لاچاری گریبانی زلم ءِ ھسار ءَ پروشیں مدور نئیت پدا زلمانی

چکمیں بلوچانی ما چکمیں بلوچانی

چگاسیں ہزار رندیَ تیرا وتی دلبندیَ قول انت تئ پر زندیَ گوں گونڈلاں تیرانی

چکمیں بلوچانی ما چکمیں بلوچانی

چم روک انت بلوچستان نامداریں بلوچانی درگاہ انت شہیدانی، شہموکیں سگارانی

چکمیں بلوچانی ما چکمیں بلوچانی

اٹھو ورگنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔۔آمین

حقیقت کیا ہے؟؟؟

وقت کے ساتھ ساتھ حالات بدل جاتے ہیں کبھی وقت کے امیر کی دیکھتے ہی دیکھتے بلڈنگ زمیں بوس ہو جاتی ہے تو کبھی غرور و تکبر سے چلنے والا دوسروں کی اک نظر کرم کا محتاج دکھائی دیتا ہے یہ دنیا کا اصول اور مکافات عمل ہے کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے ۔وقت کے ساتھ ساتھ انسانی رویوں میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے ۔جسمانی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انساں کا ذہن،اس کا رویہ اور حالات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں کبھی کسی کے حالات اچھے ہوتے ہیں اور اس کے ستارے گردش میں آ جاتے ہیں تو کبھی کوئی گردش حالات سے نکل کر کامیابی وترقی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے ۔

ایک وہ زمانہ تھاجب مسلمانوں کا عروج تھا،امت مسلمہ کا پوری دنیا میں رعب و دبدبہ تھااسلام کا جھنڈا پورے عالم میں اک آب وتاب کے ساتھ لہرا رہا تھا،تواس وقت جہاں لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے وہیں پر مدارس اور مساجد بھی مسلمانوں سے بھری ہوئی تھیں ،مسلمان اسلام کی تعلیمات سے مستفید ہو رہے تھے ، علمائے کرام کو معاشرے میں اہم مقام حاصل تھاعلم کے پیاسے اپنی تشنگی بجھانے کے لئے دور دراز کے سفر کرتے اور علوم سیکھا کرتے تھے اس وقت علمائے کرام میں بھی کوئی اختلافات نہیں تھے،کوئی ایک دوسرے کو

مشرک، گستاخ یا کافر کا لقب نہیں دیتا تھا کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو اجماع کے ذریعے متفق ہو کر اس مسئلے کا حل نکال کر متفقہ طور پر فتویٰ جاری کر دیا جاتا، لیکن پھر حالات نے پلٹا کھایا، مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ لیا،امت مسلمہ کا رعب ختم ہوتا چلا گیا ان کی حکومت بھی گئی، وہ ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے گئے، ہر کسی نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنا لی اور وہ زوال پذیر ہوتے چلے گئے، حالات کی تبدیلی اور زوال پذیری کی اہم وجہ اسلام سے دوری تھی جب مسلمان اسلام سے دور ہوئے تو ان کا تنزلی کا سفر شروع ہوا اور آج پوری دنیا میں مسلماں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔

موجودہ حالات میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والا نام نہاد امن کے ٹھیکیداروں کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے،اگر میں اپنے ملک پاکستان کی بات کروں جسے حاصل کرنے کا مقصد ایک اسلامی تجرگاہ بنانا تھا،آج اسی ملک میں دہشت گرد کی جو تعریف کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ دہشت گرد وہ ہوتا ہے جس کی داڑھی سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو، جس کے ماتھے پر کثرت سے سجدے کرنے کی وجہ سے محراب بن گیا ہو،اور جس کا رہن سہن سادگی سے معمور ہو۔اغیار کا اسلام کے خلاف پروپیگنڈا انتہائی کامیابی سے جاری ہے اور ہم الجھے ہوئے ہیں بلکہ فتنوں میں تقسیم ہو چکے ہیں آج ہم نے بھلا دیا ہے کہ فرمان باری تعالیٰ کے مطابق ہمیں کیا حکم دیا گیا تھا"اللہ کی رسی کو

مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقوں میں نہ پڑو"آج ہم پھر ایک دوسرے کو مشرک، گستاخ اور کافر کے القابات سے نواز رہے ہیں وقت کے ساتھ حالات بھی بدل رہے ہیں اور مسلماں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے جا رہے ہیں ،اور یہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ حکم ربی ہے کہ جب تم اللہ کی تعلیمات کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں قربانی نہیں دوگے تو تمہیں ایک دوسرے پر اور دوسروں کو تمہارے اوپر مسلط کر دیا جائے گا، ہمیں سمجھنا اور سنبھلنا ہوگا کیونکہ دشمن انتہائی شاطر ہے اور نت نئے حربوں سے امت مسلمہ پر حملے کرنے میں مصروف ہے

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

دوڑو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا

موجودہ دور میں علمائے کرام کی عزت ختم ہوتی جارہی ہے وہ اس لئے کہ علمائے کرام نے اپنا امیج خراب کر دیا ہے ،ان کے فتوے بک رہے ہیں ، منبر رسول پر وہ نفرتوں کا کاروبار کرتے نظر آ رہے ہیں اور اغیار کے مقاصد خود بخود پورے ہو رہے ہیں آج دور جدید میں جہاں دنیا نے کافی ترقی کی ہے اور ٹیکنالوجی کی بدولت دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے ،میڈیا نے پورے معاشرے کے ذہنوں کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے دور حاضر میں ایک ٹی وی اینکر ایک کامل پیر اور مفتی کا کردار ادا کرتا دکھائی دے رہا ہے جس کے Fans مریدوں کی تعداد ان کے کی شکل میں ہزاروں میں ہے، یہ جدید مفتی کرام اسلام کی وہ تشریح کر رہے ہیں اور

ایسے فتوے جاری کر رہے ہیں جو ان کے آقا انہیں کہتے ہیں۔

خدارا! سنبھل جائیں اور ہوش کے ناخن لیں کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں اور ہماری منزل کہاں ہے؟؟ کہیں ہم منزل سے بھٹک تو نہیں گئے؟؟ سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ حقیقت کیا ہے؟؟؟

ڈبل ایکسیڈنٹ

(مزاح پر لکھنے کی ایک کوشش کی ہے)

میں اپنے آفس میں بیٹھا کام میں مشغول تھا ،اچانک ایک آدمی دفتر میں زخموں سے چور، سفید پٹیوں میں ملبوس لڑکھڑاتا ہوا دروازہ ناک کئے بغیر اندر داخل ہوا،اس نے یک ٹک مجھے گھورنا شروع کر دیا میں ابھی اسی صورتحال کے بارے سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اسپرنگ کی طرح اچھلا اور نعرہ لگاتے ہوئے مجھ سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کہ ارے ! ۔تُو تو" بابو" بن گیا،زور سے اس نے میری ٹائی کو پکڑا اور اپنی طرف کھینچتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا کہ مجھے پہچانا؟؟؟میں اس افتاد پر بوکھلایا ہوا تھا ابھی کوئی جواب ہی نہیں دیا تھا کہ وہ خود ہی بول پڑا کہ اب تم کیا پہچانو گے تم تو' صاحب 'بن گئے ہو۔

اس نے اپنے منہ سے پان کی پچکاری میرے آفس کی چمکتی دیوار پر پھینکی میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مزے سے میرے سامنے والی کرسی پر قبضہ جما کر بیٹھ چکا تھا اور اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہنس رہا تھا، میں کبھی دفتر کی اس دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر اس نے پان کی پچکاری

پھینکی تھی تو کبھی اس ناہنجار کو غصے سے تک رہا تھا لیکن وہ بدستور اپنے پیلے دانتوں کی نمائش میں مصروف تھا میں نے اپنی ٹائی کی ناٹ کو درست کیا اور گلہ کھنکار کر اس سے پوچھا۔کون ہو تم اور یہ کیا حرکتیں کر رہے ہو؟؟؟وہ بدستور مسکراتے ہوئے گویا ہوا !
میں تیرا بچپن کا دوست ہوں۔

او بھئی !اپنا راستہ لو اور نکلو یہاں سے ،یہ‌ل‌نے لہجہ ذرا سخت کیا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے اور کہا یار میں تیرا بچپن کا دوست اور پڑوسی ارشد ہوں۔

کون ارشد؟

ارشد عرف ارشی دھبو۔۔

اوہ۔ارشی !!!!یہ کیا حالت بنا رکھی ہے ؟؟میں نے تو آپ کو پہچانا بھی نہیں تھا یہ تو زخمی کیسے ہوا؟اور آجکل کیا کرتے ہو ؟؟؟

میرے سوالات کے جواب میں پہلے تو وہ دانتوں کی نمائش کرتا رہا،پھر یہ کہہ کر کہ پہلے چائے بسکٹ منگواؤ اس کے بعد آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا،چارو ناچار اس بن بلائے مہمان کے لئے چائے اور بسکٹ سے تواضع کرنا پڑی۔

بابو صاحب ! میں ان دنوں کمال کرتا ہوں۔

کمال؟؟؟

جی بابو جی ! اس دور میں جو کچھ نہیں کرتے وہ کمال کرتے ہیں۔

مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا کہ صورت سے تو اجڈ اور جاہل نظر آتے ہو لیکن باتیں تم بھی کمال کرتے ہو، یہ بتاؤ کہ زخمی کیسے ہوئے ہو؟؟؟

تکلیف سے کراہتے ہوئے اس نے جواب دیا کہ" ڈبل ایکسیڈنٹ "ہو گیا تھا۔

ڈبل ایکسیڈنٹ ؟؟؟؟ یہ کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوا؟

جی صاحب جی ! ڈبل ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ ایسے کہ میں بائیک پر کانوں میں مائیک لگا کر عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی کا ایک دردناک گانا سنتے ہوئے جا رہا تھا کہ راستے میں سڑک کے کنارے ایک پری چہرہ کو دیکھا،اس حسین و جمیل چہرہ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا اچانک اس نے اپنی خوبصورت بڑی آنکھوں سے جب میری طرف دیکھا، نظروں سے نظریں ٹکرائیں تو دل مچل اٹھا،دونوں ہاتھوں سے دل کو تھاما تو یہ بھول گیا کہ میں اس وقت بائیک چلا رہا ہوں ،ہاتھ جو چھوڑے تو بائیک ایک چمکتی دمکتی کار سے ٹکرائی ،زور سے دو طرح کی آوازیں آئیں ایک تو موٹر سائیکل ٹکرانے کی' ٹھاہ' کی آواز اور دوسری تکلیف سے میری 'آہ' کی آواز۔ان آوازوں میں دل کی آواز بھی خاموش ہو گئی اور عیسیٰ خیلوی کا گانا بھی ۔پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا لیکن آج بھی ہیں اس خوبصورت دلنشین چہرے کو ڈھونڈ رہا ہوں کہ جس کی وجہ سے میں اس حال میں پہنچا ہوں۔

اس نے ایک لمبا سانس لیا اور پانی کا گلاس پینے کے بعد امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ صاحب جی! میرا ایک کام تو کر دو، آپ اخبار میں لکھتے ہو میرے بارے بھی لکھ دو شاید وہ حسینہ اخبار پڑھ کر مجھ سے رابطہ کر لے اور میری، تلاش کا یہ ناکام سفر تکمیل کو پہنچ جائے۔

ہمیں قائد کا پاکستان چاہیئے

ایم کیو ایم 8 نومبر کو ایک ریفرنڈم کروا رہی ہے کہ عوام قائد اعظم کا پاکستان چاہتے ہیں یا طالبان کا پاکستان؟ سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ قائد پاکستان کو کس طرح دیکھنا چاہتے تھے۔ میرے قائد معاملہ فہم اور اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنے والے انساں تھے اگر انہیں پاکستان کے لئے مزید کچھ وقت مل جاتا تو آج شہر قائد میں خون اتنا سستا نہ ہوتا، بلوچستان میں لوگ لاپتہ نہ ہوتے، سندھ میں وڈیروں سے چھٹکارا مل چکا ہوتا، خیبر پختونخواہ میں امن و امان قائم ہو چکا ہوتا، شمالی علاقہ جات میں خون کی ہولی نہ کھیلی جارہی ہوتی اور میرا کشمیر آج آزاد ہو چکا ہوتا۔ ان کی زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا اور آنے والے حکمرانوں نے پاکستان کو لوٹنے کی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کچھ دانشور کہتے ہیں کہ قائد اعظم سیکولر تھے، وہ مذہبی انساں نہیں تھے بلکہ وہ پاکستان کو بھی سیکولر بنانا چاہتے تھے مجھے ان دانشوروں سے اختلاف ہے بلکہ ان کی خدمت میں یہی عرض کروں گا کہ انہیں قائد اعظم کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیئے، 2 نومبر 1940ء کو علی گڑھ کی مسلم یونیورسٹی میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا "اسلام انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آ جائیں ان کے ساتھ فیاضی کو روا رکھتا ہے"۔ میں اس

بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ قائدِ اعظم سیکولر تھے یا نہیں، بلکہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان کو کس طرح دیکھنا چاہتے تھے۔کیا وہ واقعی پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتے تھے ؟تو اس کا جواب انکار میں ہوگا، 13 جولائی 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور یں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے واضح الفاظ یں انہوں نے کہا "اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

دوسری طرف ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ طالبان کون ہیں ؟کہاں سے آئے ہیں ؟کس کی ایجاد ہیں ؟اور کیا چاہتے ہیں ؟جب سوویت یونین کا طوطی پوری دنیا میں بولتا تھا وہ بدمست ہاتھی کی طرح طاقت کے نشے میں مدہوش جب نہتے افغانوں پر برسا، تو افغانستان کے باسیوں نے امریکہ اور پاکستان کی مدد سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں بھاگنے پر ہی نہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔اس وقت افغانستان میں جو حکومت بنی وہ انہی افغانوں کی حکومت تھی جنہیں دنیا طالبان کے نام سے جانتی ہے طالبان کی نشوونما میں امریکہ کا ہاتھ تھا۔

بنیادی طور پر طالبان دو اہم گروپس میں ہیں جنہیں ہم تحریک طالبان

افغانستان اور تحریک طالبان پاکستان کے نام سے جانتے ہیں، تحریک طالبان افغانستان کا پاکستانی طالبان کے ساتھ کوئی لنک نہیں ہے دونوں علیحدہ تحریکیں ہیں، دونوں میں ایک چیز کی مماثلت ہے کہ دونوں کی پرورش نام نہاد امن کے ٹھیکیدار امریکہ نے کی تھی لیکن دونوں جماعتوں کا منشور بھی ایک دوسرے کے متضاد ہے اگر میں یہ کہوں کہ تحریک طالبان افغانستان ایک مذہبی انتہا پسند لوگوں پر مشتمل ہے تو تحریک طالبان پاکستان ایک دہشت گردوں کا ٹولہ ہے اور اس ٹولے میں 35 سے زائد گروہ شامل ہیں جن میں کوئی گروپ بھی ایک دوسرے کی اجارہ داری قبول کرنے پر تیار نہیں، اور ان سبھی گروپس کو سی۔آئی۔اے، را، بلیک واٹر، خاد، ڈائن کارپ اور موساد کی بالواسطہ معاونت بھی حاصل ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم طالبان کا یا امریکہ کا پاکستان نہیں چاہتے جو دہشت گردی کو فروغ دے، بلکہ ہمیں قائد کا پاکستان چاہئے جس میں ہم اپنی زندگیاں اسلام کے اصولوں پر آزادانہ طور پر گزار سکیں، ہمیں ایک ایسا ملک چاہئے جس میں بھتہ خوری، ٹارگنگ کلنگ، وڈیرہ شاہی، ظلم و بربریت، اور ناانصافی کا راج نہ ہو بلکہ امن و امان کی فضا قائم ہو

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

فلسطین میں بہتا خون اور امت مسلمہ کی خاموشی

سنا ہے بہت سستا ہے خون وہاں
اک بستی کہ جسے فلسطین کہتے ہیں

خون کی بہتی ندیاں، اشرف المخلوقات کے تڑپتے لاشے، چہار سُو پھیلی ناگوار سی بارود کی بُو، چیخ وپکار، آہ وبکا، دھویں کے چھائے بادل، جلتی ہوئی گاڑیاں واملاک، سہمے ہوئے لوگ، گولیوں کی تڑتڑ، میزائیلوں کی کان پھاڑ دینے والی آوازیں ہر طرف پھیلی تباہی جس میں معصوم کلیاں بھی مسلی جا رہی ہیں، حوا کی بیٹیاں بھی دم توڑ رہی ہیں اور ابن آدم بھی اپنی جانیں قربان کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔اسرائیل کے فلسطین پر ڈھائے جانے والے مظالم کو قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔انساں کو اللہ نے کمزور بنایا ہے ان مظالم کو سن کر دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن بحثیت لکھاری اپنے قلم کے حق ادا کرنے کے لئے اور اپنے فلسطینی بھائیوں سے اظہار یک جہتی کے لئے کم سے کم کچھ لکھ لینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

نیل تا فرات اسرائیل کا یہودی خواب چکنا چور ہو چکا ہے، صیہونی اب بوکھلا چکے ہیں اور نہتے فلسطینیوں پر حملے کر رہے ہیں اسرائیل کے حملوں سے واضح ہو رہا ہے شاید وہ اپنے خواب کی تکمیل کے لئے اب آخری جتن کر رہا ہے، غاصب

اسرائیل کا یہ خواب شاید کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو لیکن اس کا یہ پروپیگنڈہ تیزی سے جاری ہے جس میں اس کا سب سے اہم رول میڈیا ادا کر رہا ہے کیونکہ دورِ جدید میں میڈیا ایک ایسا اہم ہتھیار ہے جس کی مدد سے انسانوں کے ذہنوں کو تبدیل کیا جا رہا ہے اور اس وقت پوری دنیا کے میڈیا پر صرف تین کمپنیاں راج کر رہی ہیں، مستقبل میں جو بھی جنگ لڑی جائے گی وہ لوگوں کے شعور اور ذہنوں سے لڑی جائے گی جس میں میڈیا اہم رول ادا کرے گا،میڈیا کے حوالے سے پھر کسی کالم میں تفصیل سے ذکر کروں گا

اسرائیل کی فلسطینیوں پر یہ یلغار تیسری عالمی جنگ کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے جس میں، بھاری اور ایٹمی ہتھیاروں کی مدد سے دنیا تباہ و برباد ہو سکتی ہے اور یہاں پر یہ سوال بھی ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا تیسری عالمی جنگ سے دنیا مکمل طور پر تباہ ہو جائے گی اور 21 دسمبر کو قیامت کا دن ہو گا؟؟؟

ایک قدیم تہذیب 'مایا' کا دعویٰ ہے کہ اکیس دسمبر کو کائنات کی بساط لپیٹ دی جائے گی یہ پیش گوئی ان کے بزرگوں نے ہزاروں سال قبل کی تھی،مایا تہذیب کا کیلنڈر تین ہزار ایک سو چودہ سال قبلِ مسیح میں شروع ہوا تھا،اس کیلنڈر میں تین سو چورانوے سال کا ایک دور 'بکٹون' کہلاتا ہے،اکیس دسمبر دو ہزار بارہ میں اس کیلنڈر کا تیرہواں 'بکٹون' دور ختم ہو جائے گا جسے اختتام کائنات بھی کہا جاتا ہے لیکن بحثیت مسلمان ہم ان باتوں کی نفی کرتے ہیں

کیونکہ قیامت کا برپا ہونے میں کچھ وقت ابھی باقی ہے لیکن قرآن مجید کے مطابق قیامت قریب ہے۔

اسرائیلی درندگی جاری ہے غزہ پر میزائیل داغے جارہے ہیں ہماری فلسطینی بہنیں اور مائیں ہماری راہ تک رہی ہیں اور ہمیں بلا رہی ہیں کہ محمد بن قاسم کہاں گیا جو ایک خاتون کی پکار پر راجہ داہر کو نیست و نابود کر گیا تھا، آج مسجد اقصیٰ پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی منتظر ہے جو اسے صیہونیوں کے قبضے سے آزاد کروائے ،آج فلسطین کے لوگوں کی امید بھری نگاہیں امت مسلمہ کی طرف دیکھ رہی ہیں لیکن افسوس صد افسوس کوئی نہیں بولے گا، کوئی مدد کو نہیں آئے گا کیونکہ یہ قوم سو چکی ہے اور خواب غفلت میں ہے تمہیں خود ہی کچھ کرنا ہوگا باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے خود کو ہی قربان کرنا ہوگا، کیونکہ امت مسلمہ کے احساسات دم توڑ چکے ہیں وہ یہ بھول چکی ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اگر ایک مسلمان کو تکلیف پہنچے گی تو پوری امت کو تکلیف ہونی چاہئے تھی لیکن

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

شاید اسی لئے مسلم امہ کا خون سستا ہو چکا ہے ،جب چاہے بہا دیا جائے چاہے

وہ عراق کے مسلمان ہوں، چاہے وہ کشمیر میں بستے ہوں، چاہے وہ بوسنیا، چیچنیا افغانستان، پاکستان ،شام اور فلسطین کے باسی ہوں، مسلم امہ کو بیدار ہونا ہوگا۔اپنی، آنکھیں کھولنا ہوں گی اور اپنے دشمن کو پہچاننا ہوگا اگر ہم خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو دشمن وار کرتا جائے گا، مسلمانوں کا خون بہتا جائے گا، ہم ذلیل و رسوا ہوتے جائیں گے پھر ایسا ہوگا

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

اس سے پہلے کہ یہ نوبت آئے ہمیں متحد ہو کر آپس کی نفرتوں کو مٹا کر کفار کی چالیں انہی پر الٹانی ہوں گی اور دنیا کو باور کرانا ہوگا کہ ہم کل بھی ایک تھے اور آج بھی ایک ہیں۔

شہر قائد میں تین دن

یہاں عجیب صورتحال ہے ڈر، خوف کی فضا اور لوگ سہمے ہوئے ہیں ہر بندہ بے یقینی کا شکار دکھائی دیتا ہے روشنیوں کے شہر کی روشنیاں مدھم پڑ چکی ہیں ، سٹریٹ کرائم بڑھتے جا رہے ہیں۔انسان جسے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ عہدے پر فائز کیا گیا تھا آج حیوانوں سے بھی بدتر نظر آ رہا ہے اور انسانوں پر ہی ظلم و ستم ڈھاتا نظر آتا ہے۔انسانی جانوں کا زیاں معمول بن چکا ہے۔انسانوں کا خون سر بازار بہتا دکھائی دے رہا ہے۔اک سراسیمگی سی پھیلی ہوئی ہے انسانیت دم توڑتی جا رہی ہے۔تڑپتے لاشے بکھرے پڑے ہیں، ظلم کی داستانیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔انتظامیہ مکمل طور پر بے بس نظر آتی ہے۔زخمیوں کی کراہیں،آہ و بکا اور مظلوموں کی یہ صدا سنائی دے رہی ہے

میں کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں\
سارے شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

میرے لئے عروس البلاد کراچی کی مشہور سوغات ضرور لانا ، یہ بات میرے دوست نے مجھے سی۔آف کرتے وقت کہی تھی، میرے دوست شہر قائد بدل چکا ہے، وہاں ظلم کا راج ہوتا ہے، مظلوموں کی کراہیں ہوتی ہیں، سسکیاں اور آہ و بکا ہوتی ہیں، وہ

قہقہے اور رونقیں ختم ہو چکی ہیں، وہ دوستوں کی محفلیں اجڑ چکی ہیں، وہاں کے باسیوں کے لبوں پر رقص کرنے والی مسکراہٹ دم توڑ چکی ہے وہاں کی سوغاتیں بھی تبدیل ہو چکی ہیں، میرے دوست ! میں روشنیوں کے شہر سے تمہارے لئے کچھ نہیں لا سکوں گا کیونکہ وہاں کی مشہور دو چیزیں ہیں، ایک بندوق کی گولی اور دوسری وہ بوری جس میں انسان کو مار کر بند کر کے کسی ویرانے میں پھینک دیا جاتا ہے۔
قائد کے شہر میں پولیس سر عام بکتی دکھائی دیتی ہے، قانون کی دھجیاں دن دیہاڑے اڑتی نظر آتی ہیں، بھتہ خور سر بازار بھتہ لیتے ہیں اور کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا، وحشت اور دہشت کا سماں ہے، ٹارگٹ کلر شہر میں دندناتے پھرتے ہیں، مختلف اقوام کی مختلف علاقوں میں اجارہ داری قائم ہے جہاں ان کے دفاتر نفرتوں کے شمشان گھاٹ کا کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں، مختلف ایریاز میں مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی طرف سے کی جانے وال چاکنگ مزید انتشار کا باعث بنتی ہے، دشمن مختلف جماعتوں کی صفوں میں گھس چکا ہے جو ان جماعتوں کی آڑ میں کبھی لسانی فسادات کرواتا ہے تو کبھی فرقہ بازی کے ذریعے لوگوں میں نفرت بانٹی جاتی ہے۔
شہر قائد کو میرے پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، ملک

دشمن عناصر یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔اس لئے وہ پاکستان کی معاشی شہ رگ پر آئے روز فسادات کرواتا رہتا ہے اور معصوموں کے خون سے ہولی کھیلتا رہتا ہے وہ پاکستان کے معاشی حب کو کمزور کرکے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے انشاءاللہ دشمن کا یہ خواب کبھی شرمندہء تعبیر نہیں ہوگا۔

اب تو یہ خیال ایک خواب سا لگتا ہے کہ کیا عروس البلاد کراچی کی روشنیاں دوبارہ جل سکیں گی؟کیا یہاں پھر سے امن وامان کی فضا قائم ہوسکے گی؟کیا یہاں کی رونقیں بحال ہوپائیں گی اور قہقہوں کی گونج پھر سے سنائی دے پائے گی؟کیا یہاں سے دہشت کی فضا اور وحشت کے سماں کو ختم کیا جاسکے گا؟ان سب سوالات کا جواب ہاں میں ہو سکتا ہے اگر ایم کیو ایم کے اس بل کو مکمل طور پر لاگو کردیا جائے جس میں ان کا مطالبہ تھا کہ ملک کو اسلحہ سے پاک کردیا جائے۔میری بھی ناقص رائے یہی ہے کہ شہر قائد سے ممنوعہ و غیر ممنوعہ اسلحہ ختم کردیا جائے۔اس کے لئے سبھی سیاسی جماعتوں کو پہل کرنی ہوگی ایک مناسب حکمت عملی اپناکر عروس البلاد کو اسلحے سے پاک کرنا ہوگا اگر اس پر عمل درآمد نہ کیا گیا،اگر شہر میں ظلم وستم کو بند نہیں کیا گیا تو میں دیکھ رہا ہوں سمندر کی ان لہروں کو،جو مسلسل وارننگ کے طور پر ہمیں بتا رہی ہیں کہ سنبھل جاؤ،سنبھل جاؤ۔اگر ہم نہیں سنبھلے تو کوئی بعید نہیں کہ بپھرتے سمندر کی لہریں ہوں گی جو شہر کے ظالموں کو بہاکے لے جائیں گی اور

ساتھ مظلوم بھی ان لہروں کی زد میں آ جائیں گے اس لئے اب بھی وقت ہے
کہیں ایسا نہ ہو کہ درد بنے دردِ لا دوا
کہیں ایسا نہ ہو تم بھی مداوا نہ کر سکو۔۔۔

حوا کی بیٹی کی صدا۔۔ ذرا غور سے سنو

ہم صحافیوں کا یہ المیہ ہے کہ اگر کوئی سیاستدان اچھا کام کرے تو اس کی توصیف میں کچھ لکھ دیں تو لوگ ہمیں برا سمجھتے ہیں ،اور اگر کسی کی مخالفت میں لکھ دیا جائے تو بھی لوگ برے الفاظ میں یاد کرتے ہوئے نہایت غلط الفاظ استعمال کرتے ہیں ، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہماری حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں ،اور کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں اپنا مسیحا جان کر اپنے مسائل اس امید کے ساتھ ہم سے شیئر کرتے ہیں کہ ہم ان کے مسائل چٹکیوں میں حل کر دیں گے ،ایک ایسا ہی ایک خط مجھے گزشتہ دنوں موصول ہوا، جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور سوچنے پر مجبور کر دیا کہ دنیا ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے کہاں تک جا پہنچی ہے لیکن ہماری سوچ کا محور ابھی تک وہیں ہے اور دور جہالت کی طرح ہماری سوچ بھی محدود ہو چکی ہے تفصیل میں جانے سے قبل میں وہ خط من و عن قارئین سے شیئر کرنا چاہوں گا۔

'میرا نام "حیا" ہے میرا تعلق ایک متوسط گھرانے سے ہے.بڑی مشکلوں سے میں نے بی۔کام تک تعلیم حاصل کی ،حالات ایسے نہیں تھے کہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ پاتی ،اس لئے جاب کی تلاش شروع کر دی ، مختلف کمپنیز میں درخواستیں دیں

جہاں بھی انٹرویو دینے کے لئے جاتی ،انٹرویو سے قبل مرد حضرات نظروں ہی نظروں میں میرا ایکسرے کچھ اس انداز سے کرتے جیسے قربانی سے پہلے قصاب کسی جانور کو دیکھتا ہے جس سے شرمندگی سے میرا سر جھک جاتااور سوچتی کہ کیا ہم حوا کی بیٹیاں مردوں کی جذباتی تسکین کے لئے ہی پیدا ہوئی ہیں ؟کیا ہمارا حق کے لئے جدوجہد کرنا ٹھیک نہیں ہے ؟کیا ہم گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر بھوک سے ایڑیاں رگڑ کر مر جائیں ؟میرا سب سے بڑا قصور میری غربت تھی،دوسرا قصور میرا یہ تھا کہ میں حوا کی بیٹی تھی،سنا تھا کہ بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں اور یہ بھی سنا تھا کہ وجودِزن سے ہے کائنات میں رنگ۔لیکن در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم آج بھی دور جہالت میں جی رہے ہیں اور آسماں ہماری کسمپرسی دیکھ کر بھی نہیں گرتا ،زمیں ہم پر ہونے والے سلوک پر بھی نہیں کانپتی،آدم کے بیٹے بھیڑیوں کے روپ میں ہمیں نوچنے کے لئے بے تاب ہیں کیا ہم عصمتوں کی حفاظت کے لئے کسی کنویں میں کود کر جان دے دیں یا پھر شرافت کا لبادہ اوڑھے ان مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر اپنا استحصال کرواتے رہیں مجھے بتائیں میں کیا کروں ؟؟؟

تلخ حقائق اور تجربوں پر مبنی یہ خط پڑھ کر سوچنے لگا کہ آخر کیا وجہ ہوئی کہ ہم پست ہو گئے ہماری ذہنیت مفلوج ہو کر حرص وہوس میں مصروف ہو گئی،ہم بھول گئے کہ اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے ؟وہ تو دور جاہلیت تھا جس میں

بچی کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا لیکن آج یہ خط پڑھتے ہوئے یہ شعر بار بار ذہن میں گردش کر رہا تھا

ہم کیسے دور جہالت میں جی رہے ہیں جہاں میں

آدم کا بیٹا خوش ہوتا ہے بنت حوا کو بے نقاب دیکھ کر

عورت جس میں محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے کبھی عورت ماں کے عظیم روپ میں نظر آتی ہے، تو کبھی بیوی جیسے خوبصورت رشتے میں محبت کی تصویر بنی نظر آتی ہے اور کبھی یہ بہن جیسے خوبصورت رشتے میں محبت کی مالا دکھائی دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اک عورت کے اندر اپنی محبت میں سے کچھ محبت ڈال دی ہے جس کی وجہ سے یہ محبت کا عظیم پیکر دکھائی دیتی ہے، عورت جو خودداری اور حیا کا مجسمہ تھی آج کے دور جدید میں بس اک کھلونا بن کر رہ گئی ہے جسے اپنی مرضی اور تسکین کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، عورت جو کہ اک گھنا سایہ دار درخت کی مانند ہوتی ہے آج خود کو بھوکی نگاہوں سے بچاتی نظر آتی ہے، عورت جو کہ ایک خوبصورت چمن کی طرح رشتوں میں خوشبو بکھیرتی ہے آج وہی عورت ہوس ناک نگاہوں کے طواف سے خود کو محفوظ رکھنے کی تگ و دو میں لگی ہوئی ہے۔

حقوق نسواں کے لئے کام کرنے والے اداروں اور این۔جی۔اوز کو عورت کے حقوق

کے لئے خصوصی حکمت عملی ترتیب دے کر عملی اقدام کرنے ہوں گے تاکہ حوّا کی بیٹی کو اپنا کھویا ہوا وقار واپس مل سکے اور وہ عزت سے جی سکے کیونکہ اسلام نے عورت کو ایک مقام دیا ہے اگر مسلم خواتین کو اپنا وقار و مرتبہ لینا ہے تو اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہوں تاکہ دنیا میں بھی عزت سے زندگی بسر کر سکیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکیں۔

عمل کی قوت

جو قومیں قوت عمل پہ یقین رکھتی ہیں ، حالات کے دھارے کو دیکھتے ہوئے صحیح اور بروقت فیصلے کرتی ہیں وہ کبھی انتشار کا شکار نہیں ہوتیں اور کامیابی ہمیشہ ایسی اقوام کہ قدم چومتی ہے جو محنت کو اپنا شعار بنالیتی ہیں ، جس قوم کا رہنما اگر ایسے اوصاف کا حامل ہو تو وہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتی ،ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے وہ قابل فخر قوم کہلاتی ہے،اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دیکھا جائے تو صوبہ بلوچستان میں بدامنی عروج پر ہے قتل و غارت معمول بن چکی ہے،اور اب تو رئیسانی صاحب بھی گئے دنوں کو یاد کرکے ٹھنڈی آہیں بھرتے دکھائی دے رہے ہیں ،اسی طرح صوبہ سندھ میں بھی ٹارگٹ کلر دندناتے پھر رہے ہیں موت کے ہرکارے سر بازار موت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں اور حالات کے ہاتھوں شاہ صاحب مکمل بے بس دکھائی دے رہے ہیں، خیبر پختونخواہ میں بھی دہشت گردی زوروں پر ہے ،اے این پی بھی باچا خان کا نعرہ لگا کر اقتدار کے مزے لوٹتے ہوئے دہشت گردی پر مکمل قابو پانے میں ناکام نظر آتی ہے ، گلگت بلتستان اور فاٹا میں تو حکومتی رٹ کی بات ہی نہ کریں ۔اسی طرح اگر پنجاب کی صورتحال کو دیکھا جائے تو قدرے بہتر نظر آتی ہے،دہشت گردی بھی کنٹرول میں ہے،فرقہ ورانہ فسادات کو ختم کرکے ہم آہنگی کی فضا بھی قائم کی جارہی ہے ،شہباز شریف صاحب

ایک درد دل رکھنے والے انسان ہیں جو قوت عمل کے ساتھ ساتھ قوت فیصلہ کا بھی بروقت استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے آبادی کے لحاظ سے سب بڑا صوبہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے وزیر اعلیٰ جو خود کو خادم اعلیٰ سمجھتے ہیں حقیقتاً ثابت کرکے دکھا رہے ہیں کہ وہ رعایا کی بہتری اور فلاح کے لئے کسی بھی کام سے دریغ نہیں کرتے،انھوں نے پورے صوبے میں ترقیاتی کاموں کے جال بچھائے ہوئے ہیں کچھ لوگ ان کے میٹرو بس منصوبے پر تنقید کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ شہباز شریف خادم اعلیٰ پنجاب ہیں یا پھر صرف خادم لاہور۔انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایک عظیم پروجیکٹ ہے جس پر دن رات تیزی سے ترقیاتی کام ہو رہا ہے اس سے صرف اہل لاہور ہی نہیں پورا پنجاب مستفید ہوگا کیونکہ یہ پنجاب کا دارلحکومت ہے اور پنجاب میں بسنے والے اپنے کام سے یہاں آتے ہیں اس منصوبے کی تکمیل کے بعد وہ ٹریفک جام کا رونا نہیں روئیں گے اور یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ عظیم منصوبہ تیزی سے تکمیل کی جانب بڑھ رہا ہے جس تیزی اس کی تکمیل ہو رہی ہے تاریخ میں اس سے پہلے گورنمنٹ کوئی ایسا پروجیکٹ اتنی تیزی سے تکمیل نہیں ہوا یہ یقیناً وزیر اعلیٰ اور اس کی ٹیم کی شبانہ روز کاوشوں کا کارنامہ ہے،اس منصوبے پر تنقید کرنے والے جب اس سے مستفید ہوں گے تو پھر اسی طرح مسلم لیگ (ن) کو یاد کریں گے جیسے موٹر وے پر سفر کرتے ہوئے یاد کرتے ہیں۔جو یہ کہتے ہیں کہ تخت لاہور کو بچانے کے لئے صرف لاہور میں ہی ترقیاتی کام کروائے جارہے ہیں ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے،جس

شعبے میں بھی دیکھ لیں آپ کو پورے صوبے میں کام ہوتا دکھائی دے گا،آپ کھیلوں کے میدان کو ہی دیکھ لیں تو نظر آئے گا کہ دیہاتوں کے یونین کونسلوں کو بھی برابر نمائندگی دی گئی،اسی طرح محکمہ صحت میں پسماندہ علاقوں میں بھی ترقیاتی کام کروائے گئے اور جہاں تک تعلیم کے شعبے کی بات ہے تو یہی کہوں گا کہ پنجاب گورنمنٹ نے اس میں انقلاب برپا کر دیا ہے،صوبے کے تمام ہائی سکولز میں جدید کیمپیوٹر لیب مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ دانش سکولز کا قیام تعلیمی میدان میں اہم اقدام ہے لیکن یہاں پر ایک مسئلہ بھی درپیش ہے کہ جن دیہاتوں میں کمپیوٹر لیبز مہیا کی گئی ہیں وہاں بجلی کی عدم دستیابی یا لوڈ کا پورا نہ ہونے کی وجہ سے کارآمد نہیں ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ وفاق میں جاتے ہی آپ ان مسائل کو بھی حل کر دیں گے اور وہ دن اب دور نہیں رہا۔

ڈینگی کے مسئلے پر قابو پانا اور سیلاب زدگان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دن رات ایک کرکے ان کے زخموں پر مرہم لگانا اور خود کو ثابت کرکے دکھانا کہ قوم کا حاکم دراصل قوم کا خادم ہوتا ہے۔

دوسروں صوبوں سے سب سے زیادہ ترقیاتی کام اور کرپشن کا نہ ہونا ایک اعلیٰ تنظیمی ٹیم" کی نشانی ہوتی ہے" یہ میری رائے نہیں ہے یہ عالمی معتبر اداروں

کی رائے ہے۔

اپنے تو اپنے بیگانے بھی تیرے کاموں کی تعریف کرتے ہیں اور پنجاب کے تو ہر کونے سے یہی آواز آرہی ہے "شہباز شریف قدم بڑھاؤ۔۔" ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

گاؤں کی سوغات۔۔۔ڈیجیٹل سموسہ اور دیہاڑی کباب

صاحب جی ! یہ ڈیجیٹل سموسہ کیسے ہوتا ہے ؟ڈرائیونگ کرتے ہوئے عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی کے درد بھرے گانے سنتے ہوئے جب عارفی جڑا جو کہ گاؤں سے نیا نیا آیا تھا۔نے سنجیدگی سے کہا تو میں درد بھری آواز کو بھول کر زور سے قہقہے لگانے لگا تو وہ حیرانگی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ،صاحب جی ! میں نے خود لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ڈیجیٹل سموسہ دستیاب ہے۔

میں نے اسے ہنستے ہوئے کہا کہ ڈیجیٹل نہیں ویجیٹیبل سموسہ ہوتا ہے ،ہم گاؤ ں سے آنے والے بھی انتہائی سادہ ہوتے ہیں کافی عرصہ قبل جب میں بھی گاؤ ں سے شہر میں آیا تھا تو عجیب سی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں ،ہر جگہ مذاق کا نشانہ بنتا تھا پہلے دن ایک جگہ انٹرویو دینے گیا تو اس نے پہلے تو میرا نظروں ہی نظروں میں پورا ایکسرے کیا اور پھر کہا کہ کل سے یہ تہبند باندھ کر نہیں آنا ،میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا کہ توبہ توبہ میں یہ نوکری نہیں کر سکتا ،اس نے پوچھا کہ کیوں ؟تو اسے صاف گوئی سے بتا دیا کہ ننگا ہو کر میں دفتر نہیں آ سکتا۔اس پر وہ زور سے ہنسا اور کہا کہ میں نے تہبند اتار پھینکنے کو اور پینٹ شرٹ پہننے کو کہا تھا۔خیر ہم بھی شہر میں ملازم ہو

گئے اور پینٹ شرٹس بھی خرید لیں وہ تو صبح جب پہننے کی باری آئی تو کیا ہوا، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔

پھر تو ہم بھی شہری بابو بن گئے لیکن ٹائی باندھنا آج تک نہیں آیا کہ کیسے اس کی 'ناٹ' بناتے ہیں پہلے پہلے تو ایک گرہ لگا کر دفتر پہنچ جایا کرتے، جہاں پہلے تو خوب مذاق کا نشانہ بنتے پھر دوست صحیح طریقے سے باندھ دیتے۔

گزشتہ دنوں عارفی جٹڑے کو میں نے کسی کام سے اندرون شہر بھیجا اور کہا کہ واپسی پہ آپ کو شام ہو جائے گی تو بھاٹی گیٹ کے شامی کباب ضرور لیتے آنا، وہ کام سے جلد فارغ ہو گیا، دوپہر میں کباب والے کے پاس جا کر کہتا ہے کہ دیہاڑی کباب تو پیک کر دو۔

دیہاتوں اور گاؤں کی زندگی جتنی سادہ ہوتی ہے اتنی ہی پر کیف ہوتی ہے اب تو ان دیہاتوں میں بھی کچھ ماڈرن لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ دنیا کا ہر فیشن پہلے وہ اپناتے ہیں اس کے بعد باقی دنیا والے ان کی نقل کرتے ہیں اسی طرح ایک شہری بابو سے کسی ایسے ہی "ماڈرن پینڈو" کی ٹھن گئی، اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ ماڈرن "کون ہیں؟ اس بات کا فیصلہ اگلے ہفتے ہو گا جس میں ' شہری ماڈرن بابو' جدید لباس اور فیشن کے ساتھ ' پینڈو ماڈرن' کے گھر

جائے گا اور پینڈو ماڈرن اس کا استقبال جدید فیشن اور عمدہ لباس پہن کر کرے گا، فیصلے کی مناسبت سے شہری بابو جدید لباس اور فیشن کے ساتھ دیہاتی کے گھر کی طرف روانہ ہوا، پینڈو کے گھر پہنچنے سے پہلے وہ شہری بابو گرا اور اس کی پینٹ گھٹنے کی جگہ پھٹ گئی وہ کافی پریشان ہوا، کہ اب کیا ہوگا؟ اسی پریشانی میں اسے ایک ترکیب سوجھی ،اس نے پھٹی ہوئی جگہ پر ایک پودے کا سبز پتا باندھ لیا اور چل دیا ،ماڈرن پینڈو بھی کسی سے کم نہیں تھا وہ بھی جدید خراش اور فیشن کے ساتھ شہری بابو کا نتظار کر رہا تھا اور گھر سے کافی پہلے ایک اونچی جگہ سے اس کی راہ تک رہا تھا کہ وہ کون سا جدید فیشن کرکے آرہا ہے ؟تاکہ اس کے پہنچنے سے پہلے میں بھی اس کے مقابلے کا اندازا اپنا لوں،جب اس کی نظر شہری ماڈرن بابو پر پڑی تو اسے اور تو کچھ نیا نظر نہیں آیا البتہ اس کے گھٹنے پر ایک بڑا سا پتا لگا ہوا تھا، پینڈو جلدی جلدی گھر پہنچا اور اس کے آنے سے قبل دونوں گھٹنوں پر پودے کے بڑے بڑے پتے باندھ لئے۔

آج زندہ دلان لاہور میں مصروف زندگی گزارتے ہوئے جب گاؤ ں کی سادہ زندگی یاد آتی ہے، تو گزرا ہوا حسیں ماضی، بچپن کی شرارتیں،اور سادگی بھری باتیں ،لوگوں کا ایک دوسرے سے محبت سے ملنا،ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا کتنا اچھا تھا، کتنا مزہ تھا لیکن سچ کہتے ہیں گیا وقت لوٹ کر نہیں آتا

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہر پل کو خوشی سے گزاریں زندگی میں خوش رہیں اور،
دوسروں میں مسکراہٹیں بانٹیں تو آپ کا ہر لمحہ یادگار بن سکتا ہے اور اچھی یادیں انسان
کے بیش بہا خزانے کی مانند ہوتی ہیں۔

تحریک سرائیکستان کا غیر فطری پھیلاؤ

ان دنوں میرے پیارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نئے صوبوں کی بحث چھڑی ہوئی ہے ایوان کے اندر بھی نئے صوبوں پر باتیں کی جارہی ہے اور اسمبلی میں بھی ہنگامہ آرائیاں اور مباحثے جاری ہیں جہاں کہیں چار بندے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کا موضوع بھی نئے صوبے ہی ہوتا ہے اللہ بھلا کرے میڈیا کا کہ اس نے عام آدمی کو بھی اتنا شعور دے دیا ہے کہ وہ ملکی حالات سے باخبر رہے اور ان پر بات بھی کرسکے تو ان دنوں ہر طرف نئے صوبوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں کوئی اس کے حق میں بات کر رہا ہے تو کوئی مخالفت میں اپنے دلائل پیش کر رہا ہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہیں اس وقت سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جارہا ہے کہ پاکستان کے بڑے اور سب سے زیادہ خوشحال صوبے پنجاب کو تقسیم کیا جائے لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسے لسانیت کی وجہ سے یا نسلی تناسب کی وجہ سے تقسیم جائے یا پھر نظریاتی بنیادوں پر نئے صوبے کا قیام عمل میں لایا جائے پھر ذہن میں یہ خیال کلبلاتا ہے کہ نئے صوبے بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟کیا پنجاب کے حکمران سرائیکی اضلاع کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں؟کیا جنوبی صوبے کی اہمیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پنجاب کو تقسیم کر دیا جائے؟یا پھر پیپلز پارٹی کی حکومت اور مسائل سے توجہ ہٹانے کے لئے

نئے صوبے کا شوشہ چھوڑ رہی ہے؟یا پھر پیپلز پارٹی والے پنجاب حکومت کو پریشرائز کرنے کے لئے نئے صوبے کی بات کر رہے ہیں؟نئے صوبے صرف پنجاب میں بننے چاہئیں یا باقی صوبوں میں بھی نئے صوبے بنانے چاہئیں؟

جہاں تک میری ناقص رائے ہے کہ اگر نئے صوبے بنانے بھی ہیں تو اس کے لئے لسانی، نسلی اور علاقائی وجوہات کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر کام کرنا چاہئے کیونکہ اگر لسانیت پہ اور نسلی تعاصب پر نئے صوبوں کی بنیاد رکھی گئی تو ڈر ہے کہ ملک میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ جائے گی اور نقصانات کا بھی اندیشہ ہے۔واضح رہے کہ صوبہ پنجاب ملک کے باقی صوبوں کی نسبت ترقی یافتہ ہے اور ترقیاتی منصوبوں کی جھلک صوبہ پنجاب کے جنوبی علاقوں میں نظر آتی ہے، اس وقت ضلع میانوالی اور بھکر کو جنوبی پنجاب میں شامل کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں گزشتہ دنوں اہل میانوالی نے اس پر شدید احتجاج کیا ہے کہ وہ کسی طور پر پنجاب سے الگ نہیں ہوں گے ۔اہل علاقہ کا کہنا تھا کہ وہ وڈیروں اور جاگیرداروں کی غلامی میں آنا پسند نہیں کرتے اگر کسی نے ہماری مرضی کے خلاف چلنے کی کوشش کی تو پھر دمادم مست قلندر ہو گا، کیونکہ ضلع میانوالی پنجاب کے جنوب میں نہیں شمال مغرب میں واقع ہے، صوبہ پنجاب میں میانوالی کو انفرادیت حاصل ہے اور سنٹرل پنجاب کے بہترین کالجز، یونورسٹیز اور ہسپتالوں تک اہل میانوالی کی باآسانی رسائی ہے اور ان جگہوں پر میانوالی کے لوگ

تعینات ہیں۔

دوسری طرف سرائیکی صوبے کے حق میں مہم چلانے والے اس بات پر متفق ہیں کہ بھکر اور ضلع میانوالی سرائیکی بیلٹ میں ہیں اس لیے انہیں نئے صوبے کا حصہ بننا چاہئے یہاں پر ایک بات کی وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر لسانی بنیادوں پر دیکھا جائے تو ضلع میانوالی میں سرائیکی کی بجائے تھلوچی اور ہندکو جبکہ بھکر میں صرف تھلوچی زباں بولی جاتی ہیں، ضلع بھکر اور ضلع میانوالی کے لوگ اور جغرافیائی کیفیت کسی طور پر بھی سرائیکی صوبے میں شامل نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اگر جنوبی پنجاب صوبہ بنتا ہے تو اس کا دارالحکومت بہاولپور یا ملتان بنے گا اہل میانوالی اور بھکر کے رہائشیوں کو بہاولپور یا ملتان جانا فاصلے کے حساب سے اور راستے کے اعتبار سے آساں نہیں ہے، اس وقت حکمران طبقہ اور سیاسی جماعتوں کو نئے صوبوں پر بحث کرنے کی بجائے کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کو روکنے کے لئے ہنگامی اقدامات کرنے چاہئیں، بلوچستان میں خونریزی کو روکنا چاہئیے نئے صوبے بنانے کی بجائے مہنگائی کو کنٹرول کرنا چاہئے بحرانوں پر قابو پانے کے لئے حکمت عملی بنانی چاہئے پاکستان میں نئے صوبے پر کام کرنے کی بجائے پہلے دہشت گردی کی جنگ کی روک تھام کے لئے اقدام کریں اور تمام سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر پاکستان میں بیرونی مداخلت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کریں اگر نئے صوبے بنانے ضروری ہیں اور پاکستان

کو نئے صوبوں کی اشد ضرورت ہے تو ایسا قومی کمیشن قائم کیا جانا چاہیے جس میں غیر جانبدار اور محب وطن لوگ ہوں اور یہ صوبے لسانی بنیادوں یا کسی کو نوازنے کی بجائے انتظامی بنیادوں پر ہونے چاہیے اور اس میں بھی عوامی رائے کو مد نظر رکھنا چاہیے لیکن جہاں تک جنوبی پنجاب کے صوبے کی بات ہے تو ایسے لگتا ہے کہ شاید کچھ علاقائی خاندانوں کی حکمرانی کے لئے ایسی فضا قائم کی جارہی ہے جس میں ان وڈیروں کو نوازا جاسکے۔

خدارا! پاکستان پر رحم کرو

میرا پیارا ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان وسائل سے مالا مال، سیاحوں کے لئے پر کشش، جغرافیائی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل لیکن مظلوم ملک ہے اپنی پیدائش کے بعد ابھی صحیح طرح چلنا بھی شروع نہیں کیا تھا کہ اس نوزائیدہ مملکت پر پہلا فوجی تجربہ کیا گیا، جس سے اس پر کافی منفی اثرات پڑے ،ان منفی اثرات سے ابھی سنبھلنے ہی لگا تھا کہ اسے دولخت کر دیا گیا یہ وہ کاری وار تھا جس کی شدت آج بھی محسوس ہوتی ہے ،اس شدید وار کے بعد جمہوری طاقتوں نے اسے پھر سے چلانے کی ایک خوبصورت کوشش کی،ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ مملکت خداداد پاکستان نے ابھی منزل کی طرف جانے کی سعی کی ہی تھی کہ پھر سے فوجی بوٹوں کی آوازوں سے سہم گیا،لیکن یہ ملک اس دنیا کے نقشے پر قائم رہنے کے لئے معرض وجود میں آیا تھا اس لئے ایک بار پھر اس کو جمہوری قوتوں کا کاندھا میسر آ گیا جہاں سے پھر سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا ابھی ترقی کی منازل کیطرف.بڑھنا ہی چاہا تھا کہ " ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں" کے مصداق اس کے ایوانوں میں اپنے ہی محافظوں نے شب خون مارا اور ایک منتخب وزیر اعظم کو ملک بدر کر دیا تاکہ جمہوری اور مزاحمتی قوتوں کا راستہ ہی روک دیا جائے ،شاید طاقت کے نشے میں وہ بھول گئے کہ اس مملکت کو اللہ اور اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اللہ ان کی

سازشوں کو دیکھ رہا تھا یہاں طاقت کے نشے میں مدہوش لوگ تدبیریں کر رہے تھے
لیکن اللہ بہترین چالیں چلنے والا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اس کی مخلوق کے لئے بہتر ہوتا ہے
اس لئے ان کی تدبیریں الٹی ہو گئیں اور پھر سے ایک جمہوری قوت وجود میں آئی، جو
پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کی حکومت تھی جس نے اپنے پانچ سالہ حکومتی دور
میں کرپشن کے نئے ریکارڈ قائم کئے، ظلمت کے بازار گرم کئے، جن کے دور میں دہشت
گردی کو فروغ ملا، ٹارگٹ کلر سر عام موت بانٹنے لگے، مہنگائی کے جن کو کھلا چھوڑ دیا
گیا، ملک پاکستان سے بحرانستان بن گیا، ہر چیز کی قلت پیدا ہو گئی اور جمہوریت زندہ باد
کا نعرہ لگایا گیا۔ جمہوریت کی تعریف کو تبدیل کر دیا گیا، لفظ جمہوریت یونانی زبان
سے مل کر بنا ہے جس کے معنی لوگ اور حکومت krates اور Demos کے دو الفاظ
کہتے ہیں آسان الفاظ میں جمہوری حکومت کو Democracy کہتے ہیں انگریزی میں اسے
عوام کی حکومت بھی کہتے ہیں اس جمہوری یا عوامی حکومت میں بھی جمہوریت کی دو
اقسام ہوتی ہیں ایک بالواسطہ جمہوریت اور دوسری بلاواسطہ جمہوریت۔

بالواسطہ جمہوریت میں عوام کی اکثریت اپنے نمائندے منتخب کرکے حکومتی اختیارات
کو استعمال کرتی ہے اور جدید ریاستوں میں بالواسطہ جمہوریت رائج ہے، جبکہ بلا
واسطہ جمہوریت میں عوام براہ راست حکومت چلاتے ہیں لیکن وہ صرف محدود آبادی
تک ہی کامیاب ہے اور پاکستان میں اول الذکر جمہوریت ہے جس

میں ہم اپنے منتخب نمائندوں کو ووٹ دے کر کامیاب کرواتے ہیں تاکہ وہ ہمارے مسائل حکومتی سطح پر ڈسکس کرکے حل کریں، لیکن وہ ایوانوں میں جاکر اپنے ووٹروں کو اور ان کے مسائل کو بھول کر اقتدار کے مزے لوٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے حلقے کی یاد اور ان کے مسائل صرف الیکشن کے موسم میں یاد آتے ہیں ،اب یہ موسم پھر سے قریب ہے لیکن کچھ قوتیں درپردہ سازشوں میں مصروف ہیں ،اور الیکشن کو ملتوی کروانے کی کوشش میں ہیں لیکن پاکستان میں میڈیا کی آزادی کے ساتھ ساتھ سیاستدان بھی سمجھدار اور ہوشیار ہو چکے ہیں یہ الیکشن اگر بروقت نہ ہوئے تو میرے پیارے ملک کو کافی خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے اور یہ پھر سے ترقی کی راہ سے لڑکھڑا سکتا ہے الیکشن ناگزیر ہیں اور یہ بروقت ہونے چاہییں اس میں میڈیا کو بھی فعال کردار ادا کرنا ہوگا لیکن سیاستدانوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے ہوں گے اگر وہ نہیں سنبھلے تو پھر اس خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑے گا اور انہیں آج نہیں تو کل اللہ کے حضور ضرور جوابدہ ہونا پڑے گا۔

میرا پیارا ملک جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا جس میں مسلمان اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق آزادی سے گزار سکیں ،یہ ایک اسلامی تجربہ گاہ تھی جس میں نت نئے تجربے اقتدار کے حصول کے لئے کئے گئے جو آج بھی جاری ہیں اور میرا پیارا ملک رو رو کر دہائی دے رہا ہے کہ خدارا مجھ پر رحم کرو۔

شعور کی جنگ میں جدید ہتھیار کا استعمال

شروع سے ہی زمیں گردش میں تھی اور آج بھی گھوم رہی ہے ،وقت کے ساتھ ساتھ حالات بھی تبدیل ہو رہے ہیں حضرت انسان جسے ایک نطفے سے پیدا کیا گیا،ایسا نطفہ جو نجس و پلید ہے ،پھر اسے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ عہدے پر فائز کیا گیا،اس کی خواہشات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں ،دنیا جدید سائنسی ایجادات کی وجہ سے گلوبل ویلیج بن چکی ہے،شروع سے ہی یہی چلا آ رہا ہے کہ کمزور کو دبا کر اپنا رعب جھاڑتے ہوئے حکومت کرو اور آج بھی یہی صورتحال ہے ،حضرت انسان پتھر کے دور سے نکل کر غاروں کی اور جنگلوں کی بجائے جدید مکانات میں رہائش اختیار کر چکا ہے لیکن اس کی محدود سوچ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی ہے ،نحیف و کمزور کو دبانا آج بھی جاری ہے انساں میں اقتدار کی خواہش اور اس میں توسیع بڑھتی چلی جا رہی ہے پہلے طاقت کے منبع کچھ اور تھے لوگ اپنے زور بازو سے ایک دوسرے کو زیر کیا کرتے تھے ،پھر تلواروں اور منجنیق کا استعمال ہونا شروع ہوا،سواری کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں کو استعمال کیا،دوبدو جنگیں ہوتیں ،لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ سائنسی ایجادات کی بدولت ان میں جدت آ گئی ایسے ہتھیار ایجاد ہو گئے جو سیکنڈوں اور منٹوں میں کلومیٹروں تک تباہی پھیلا دیتے ہیں جہاں انساں ترقی کی راہ پر نکلتا چلا جا رہا ہے بظاہر اپنے ہی تباہی کے ساماں

اکٹھے کر رہا ہے، حقیقت میں یہ دنیا ترقی کی بجائے تباہی کی طرف گامزن ہے ،زخم تو گولی سے بھی لگتا ہے لیکن زخم زباں بھی لگاتی ہے، گولی والا زخم وقت کے ساتھ مندمل ہو سکتا ہے لیکن زبان کا لگایا گیا کاری وار ختم مشکل سے ہوتا ہے کیونکہ انساں میں احساسات کا مادہ کافی زیادہ ہوتا ہے لیکن لگتا ہے ہمارے حکمران طبقے میں ایسا کوئی مادہ موجود نہیں ،شاید اس لئے انہیں غریب عوام کا احساس نہیں ہوتا ،ایک وار اور بھی ہوتا ہے وہ قلم کا وار ہوتا ہے اور یہ وار تلوار اور گولی دونوں سے زیادہ تباہ کن ہوتا ہے

جدید دور کے نئے ہتھیاروں کی بات کی جائے تو ٹیکنالوجی کے میدان میں ہر کوئی سبقت لے جانے کی تگ و دو میں ہے دور جدید کے ہتھیاروں میں سب سے موثر اس وقت میڈیا کا کردار ہے جو لوگوں کے شعور پر حملہ کر رہا ہے لوگ اسی بات کو سچ مانتے ہیں جو ان کے ذہنوں پہ ثبت ہو جاتی ہے پاکستان میں اس وقت میڈیا ظالمانہ حد تک آزاد ہو چکا ہے اور اسے کوئی لگام دینے والا بھی نہیں ،اسی میڈیا کے واویلا کرنے پر جیسے سب اداروں کا احتساب ہوتا ہے اس طرح اس کا بھی کوئی چیک اینڈ بیلنس ہونا

چاہئے،پاکستان میں الیکشن سر پہ ہیں سیاسی جماعتوں کی طرف سے پیسوں کی بوریوں کے منہ کھل رہے ہیں میڈیا کو خریدا جا رہا ہے کیونکہ سیاستدان جانتے ہیں کہ الیکشن میں میڈیا کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہے، مختلف اینکرز اور صحافی حضرات اپنے مریدوں (Fans) کے ذہنوں میں جو ثبت کریں گے اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہو گا۔

موجودہ دور میں میڈیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک پرنٹ میڈیا اور دوسرا الیکٹرانک میڈیا۔اول الذکر میں اخبار ،رسالے اور میگزین آتے ہیں اور دوسری قسم میں ٹیلی ویژن سکرین آتی ہیں دونوں ہی اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں میڈیا کی ایک تیسری قسم بھی ہے جسے سوشل میڈیا کہتے ہیں جس میں فیس بک،یوٹیوب،ٹوئٹر کافی اہم ہیں سوشل میڈیا کا دائرہ بڑھتا چلا جارہا ہے کل تک بوسیدہ کیمپیوٹر پر کام کرنے والے آج لوگوں کے شعوروں سے کھیلتے نظر آتے ہیں، پچھلے کچھ عرصہ سے دنیا میں جو انقلاب برپا ہوئے ہیں اور لوگوں میں شعور و آگاہی کے ساتھ بغاوت کا جو بیج بویا گیا تھا اس میں سوشل میڈیا کا اہم کردار تھا،الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے محب وطن صحافی حضرات اور مالکان نے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی بڑے احسن انداز میں کی ہے لیکن دوسری طرف سوشل میڈیا میں کچھ ایسے لوگ بھی عوام کے شعور سے کھیلنے کی کوشش کریں گے جو پاکستان کی عوام میں شعور کو پنپتا نہیں دیکھ سکتے۔

پاکستان میں سوشل میڈیا کی ویب سائٹس استعمال کرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے اور یہ دنیا کے ان تیس ممالک میں شامل ہے جن میں سب سے زیادہ سوشل سائیٹس استعمال کی جارہی ہیں گزشتہ کچھ مہینوں میں اس کے صارفین کی تعداد میں کافی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ پاکستان

میں بھی شعوروں سے کھیلنے والی اس جنگ میں الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا بھی کردار ادا کرے۔

آخر میں یہی عرض کروں گا کہ میڈیا کے لئے کچھ رولز ایسے بنا دینے چاہئیں جس سے وہ خود اپنا احتساب کر سکے۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

میں اور ہماری ویب

کیا فرزند میانوالی ہار جائے گا؟

الیکشن کا طبل بج چکا ہے الٹی گنتی شروع ہے ،پورے پاکستان میں مختلف سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کی انتخابی مہمیں چل رہی ہیں،پاکستان میں پنجاب کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ یہ وفاق میں حکومت بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ، پچھلے تمام الیکشنز میں بھی یہاں پر دو بڑی جماعتوں کا کانٹے دار مقابلہ ہوتا ہے جن میں پاکستان مسلم لیگ ن کا پلڑا ابھی تک بھاری ہی دکھائی دیتا آ رہا ہے ۔اس بار بھی مسلم لیگ ن کے مقابلے میں جس جماعت نے مقابلہ کرنا ہے وہ پاکستان تحریک انصاف ہے ، بلا شک و شبہ تحریک انصاف 30 اکتوبر کے " معجزاتی جلسے "میں ایک بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی تھی جس نے پاکستان مسلم لیگ ن کو ہلا کر رکھ دیا، لیکن میاں برادران ایک منجھے ہوئے سیاستدان ہیں ، جنھیں حالات نے بہت کچھ سکھا دیا ہے انھوں نے پاکستان تحریک انصاف کو آسان ہدف کے طور پر نہیں لیا، بلکہ مقابلہ کے لئے مناسب حکمت عملی اپنا لی۔

دوسری طرف پاکستان تحریک انصاف جسے کل تک لوگ تانگہ پارٹی کے نام سے یاد کرتے تھے جس میں صرف ان کا چیئرمین ہی نظر آتا تھا ،آج پنجاب کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی کے طور پر سامنے آ رہی ہے جس میں کئی سیاستدان شامل ہیں ، عمران

خان ، میاں برادران کی نسبت سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے کم ماہر دکھائی دیتے ہیں جس کا فائدہ یقیناً شریف برادران کو ہوگا۔ ٹکٹوں کی تقسیم میں بھی پاکستان مسلم لیگ ن نے بڑے غوروخوض سے کام کیا، جبکہ دوسری طرف تحریک انصاف میں امیدوار دھڑوں میں تقسیم نظر آئے اور کئی ایک نے پارٹی کو خیر باد بھی کہ دیا۔

تبدیلی کا لفظ بڑا بھلا محسوس ہوتا ہے اور اس وقت پاکستان میں ہر شخص تبدیلی کا خواہاں ہیں شاید اس لئے کپتان نے بھی پاکستانی قوم کے جذبات ' تبدیلی' کو اپنا نعرہ بنا لیا ہے اور قوم کو اک نیا پاکستان دینے کا عزم کئے ہوئے ہیں ہر سیاسی جماعت کی طرح پاکستان تحریک انصاف کا منشور بھی پاکستانی قوم کے جذبات کی ترجمانی ہی ہے لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو کپتان صاحب چار حلقوں سے الیکشن لڑ رہے ہیں، تین حلقوں میں سے ان کا مقابلہ اے۔این۔پی کے N-A 1ان کی جیتنے والی پوزیشن کچھ مشکوک ہے۔ امیدوار غلام احمد بلور سے ہوگا، جنہیں اپنے ووٹ کے ساتھ کچھ بشیر احمد بلور اور حالیہ سانحہ کی وجہ سے ہمدردی کا ووٹ بھی پڑے گا، جو انہیں آسانی سے جتوا سکتا ہے۔

پاکستان مسلم لیگ ن کا گڑھ ہے یہ سیٹ ہمیشہ ن لیگ کے حصے میں آئی ہے N-A 56

N-A 122 ،اور حنیف عباسی کا اپنا ووٹ بینک بھی اس میں کلیدی کردار ادا کرے گا
میں کپتان کا مقابلہ ایاز صادق سے ہوگا جس کی انتخابی مہم چلانے میں پاکستان مسلم لیگ
کی قیادت اہم کردار ادا کرے گی،اب رہ گیا کپتان کا آبائی
حلقہ۔۔۔
میانوالی کا حلقہ ہے، 2002ء کے الیکشن میں یہاں سے عمران خان نے N-A 71
نشست جیتی تھی ، یہاں پر برادری سسٹم ووٹ کاسٹ ہوتا ہے اس حلقے میں کپتان کا
مقابلہ پاکستان مسلم لیگ ن کے امیدوار خان عبیداللہ خان شادی خیل سے ہے،واضح
رہے کہ خان عبیداللہ خان کا اپنا ووٹ بینک بھی کافی زیادہ ہے لیکن اس الیکشن میں ن
لیگ کی قیادت نے یہاں پر بھی بڑے زبردست انداز میں حکمت عملی کھیلی ہے اور اوپر
نیچے دو مخالف گروپوں کو ٹکٹ دے کر روکھڑی گروپ اور شادی خیل گروپ کو یکجا
کرکے باہمی انتخابی مہم چلانے کا ٹاسک دیا ہے،یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ
نشست اب تک روکھڑی گروپ جیتتا چلا آیا ہے اور ابھی بھی اس کی پوزیشن مستحکم ہے۔
میں کپتان کی انتخابی مہم محترمہ عائلہ ملک چلا رہی ہے جو دن رات ایک کئے N-A 71
ہوئے ہے لیکن تاحال عمران خان نے اپنے حلقے کا دورہ نہیں کیا ہے جس

کے ووٹرز بددلی کا شکار ہیں اگر یہی صورتحال رہی تو فرزند میانوالی کا P-T-I کی وجہ سے اپنے آبائی حلقے سے جیتنا آسان نہیں ہوگا۔اگر عمران خان اپنی یہ نشست بچانا چاہتا ہے تو اسے انتخابی مہم خود چلانا ہوگی اور 2002ء کے الیکشن کی طرح در در جانا ہوگا۔

کچھ قیاس آرائیاں یہ بھی ہو رہی ہیں کہ گیارہ مئی کو پاکستانی قوم کے ساتھ فول ہوگا اور الیکشن بروقت ہوتے دکھائی نہیں دے رہے۔اگر الیکشن بروقت نہ ہوئے تو سب سے زیادہ فائدہ متحدہ قومی موومنٹ ،پاکستان مسلم لیگ ن،اور پیپلز پارٹی کو ہوگا جبکہ سب سے زیادہ نقصان پاکستان تحریک انصاف کو ہوگا لیکن امید ہے کہ الیکشن کمیشن اور نگراں حکومت الیکشن بروقت کروائے گی کیونکہ الیکشن کی تاخیر پاکستان کے لئے کسی طرح سود مند نہیں ہے۔

پانچواں مہینہ اور اسلامی بم پر دشمن کی نظریں

مئی آن پہنچا ہے یہ مہینہ ویسے تو گرمی کے لحاظ سے بھی مشہور ہے جس مئی کی گرمی کی حدت کے بارے مولانا اسماعیل میرٹھی نے لکھا تھا

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

مئی کے شروع ہوتے ہی مزدوروں کے حقوق کے لئے اور ان سے اظہار یکجہتی کے لئے سیمنار اور ریلیاں منعقد کی جاتی ہیں لیکن آج بھی مزدور کی حالت جوں کی توں ہے لیکن آج مئی پر لکھنے کا مقصد کچھ اور ہے اس مہینے کو پاکستان میں کافی اہمیت حاصل ہے ۔

2 مئی 2011ء کو پاکستان کی خود مختاری پر ایک ایسا داغ لگایا گیا جب امریکی کمانڈو دندناتے ہوئے پاکستان کے شہر میں گھستے ہیں اور ایک ڈرامہ رچا کر میرے پیارے ملک کو اور پاک فوج کو بدنام کرنے کی ایک کوشش کرتے ہیں اس سے اگلے دن کو ’آزادی صحافت ” کے نام سے منایا جاتا ہے اسی دن کچھ نام نہاد آزادی صحافت کا پرچار کرنے والے کچھ صحافی بھی امریکی پروپیگنڈے کی تکمیل میں ان کی زباں بولتے ہوئے پاکستان کے اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشاں لگاتے ہیں ۔ لیکن آج دوسال گزرنے کے بعد سچ ظاہر ہونا

شروع ہو گیا ہے کہ اصل حقائق کچھ اور تھے۔

جی وہ بھی تو یہی مہینہ تھا جب پاکستان نے دنیا کی آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر جرات و بہادری سے دنیا کی اور عالمی طاقتوں کے دباؤ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایٹمی دھماکے کرتے ہوئے دنیا کو باور کرا دیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا کے نقشے پر قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں گے جب پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے تو پاکستان کے علاوہ مسلم دنیا میں بھی ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اسلامی دنیا اس ایٹمی بم کو "اسلامی بم "کا نام دینے لگی کیونکہ پاکستان کو اسلام کے نام سے آزاد کروایا گیا تھا جب پاکستان ایٹمی قوت بن گیا تو مسلم دنیا اسے واضح طور پر "اسلام کا قلعہ "کہنے لگی ،ایٹمی دھماکے ہونے کے بعد صیہونی قوتوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ جذبہ ایمانی کے بعد پاکستان کے پاس ایٹمی قوت بھی آ گئی ہے کہیں وہ دنیا کے نقشے میں صیہونی قوتوں کو للکارنے کی کوشش نہ کرے ،اسی وجہ سے مئی1998کے بعد سے پاکستان کے خلاف سازشوں کا اک جال بچھ گیا کہ کسی طرح پاکستان کو ایٹمی طاقت سے محروم کیا جا سکے انشاء اللہ بدی کی ان قوتوں کا یہ خواب صرف خواب ہی رہے گا جو کبھی پورا نہیں ہوگا۔ ان سازشوں میں صیہونی قوتوں نے ایک بلاک بنایا جس میں سر فہرست امریکہ، اسرائیل اور ان کے حواری شامل ہیں جنھوں نے پاکستان کے پڑوسی اور روایتی حریف بھارت کو بھی ساتھ ملا لیا ہے کیونکہ بھارت ایٹمی قوت بننے کے بعد سے پاکستان کو برباد کرنے کے مذموم منصوبے بنا رہا تھا لیکن جب

پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے تو اس ہندو بنئے کی نیندیں اڑ گئیں۔
صیہونی قوتوں کے اس اکٹھ نے منظم طریقے سے پاکستان میں "سی۔آئی۔اے"، "ڈائن کارپ"، بدنام زمانہ تنظیم "بلیک واٹر"، بھارتی خفیہ ایجنسی "را" اسرائیلی ایجنسی "موساد" ان کی مدد کے لئے افغانی ایجنسی "خاد" بھی شامل ہیں جن کا مقصد پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ دینا ہے دشمن اپنے مذموم مقاصد میں بڑی تگ و دو سے مصروف ہے کبھی پاکستان کے خوبصورت شمالی علاقہ جات کو جنگ میں دھکیل کر خون کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، کبھی بلوچستان کی علیحدگی پسند تحریکوں کو ہوا دے کر لاشیں گرائی جاتی ہیں، تو کبھی میرے عروس البلاد میں لسانیت اور فرقہ واریت کو ہوا دے خون کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، تو کبھی خود کش حملوں کی وجہ سے میرے وطن کے معصوم لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے ان ملک دشمن عناصر کا ٹارگٹ ہماری ایٹمی قوت ہے جو ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے یہ ملک دشمن عناصر میرے ملک کے حالات کو خراب کرکے اپنے مذموم مقاصد تکمیل کے خواہاں ہے لیکن یہ بھول چکے ہیں یہ وہ قوم ہے جو اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی قربانی دینا اپنا فخر سمجھتی ہے اس ملک کے باسی جذبہ ایمانی سے سرفراز ہونے کی وجہ سے شہادت کے شدت کے متمنی ہیں جی ہاں یہ وہ عظیم قوم ہے جو اپنے "ایٹم بم" کی حفاظت کے لئے بھوک سے پیٹ پر پتھر بھی باندھ سکتی ہے اور اس ملک میں ایسے عظیم بزرگ ہستیاں بھی ہیں جو عمر ضعیفی میں بھی پاکستان پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔

اے یہودی لابی کے ہمنواؤ اور صیہونی طاقتوں کے آلہ کارو، اپنے مذموم مقاصد سے باز آجاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قوم جاگ اٹھے اور تمہیں روئے زمین پر سر چھپانے کی بھی جگہ نہ ملے۔

انتخابات کا موسم

اقسام کے لحاظ سے موسم چار قسم کے ہوتے ہیں ، گرما، سرما، بہار اور خزاں ۔ جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے گرمی کی شدت کی وجہ سے گرما اور سردی وجہ سے موسم کا نام سرما رکھا گیا ہے ، بہار کے آتے ہی ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے ،درختوں کی نئی کونپلیں نکلتی ہیں ، خوش نما پھول کھلتے ہیں اور چہار سو سبزہ ہی نظر آتا ہے ،خزاں کا موسم آتے ہی درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں ،ان چار موسموں کے علاوہ بھی ایک موسم ہوتا ہے جسے انتخابات کا موسم کہا جاتا ہے ،اس موسم میں مختلف سیاسی امیدوار عوام سے بلند و بالا جھوٹے دعوے کرتے ہیں ،اور عوام کے جذبات سے کھیل کر انہیں خوبصورت انداز میں بے وقوف بنایا جاتا ہے،اقتداری حیات کے لئے یہ موسم کافی کٹھن ہوتا ہے انہیں اس موسم میں اپنے ووٹر کے دردر جانا پڑتا ہے اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ،ریاکاری کی چادر اوڑھ کر سادہ لوح قوم کو یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ ہم آپ کے خادم اور ہمارے در آپ لوگوں کے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں،آپ کے مسائل کو حل کرانا اور سہولیات پہچانا ہماری ذمہ داری ہے لیکن الیکشن کے بعد اکثر امیدوار اپنے حلقوں سے ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ ۔

اس وقت پاکستان میں انتخابات کا موسم آچکا ہے، مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے اور آزاد حیثیت سے امیدوار اپنی انتخابی مہم میں مصروف ہیں پورے ملک میں جلسے جلوسوں، ریلیوں اور کارنر میٹنگز کا سلسلہ جاری ہے اور میڈیا پر بھی اشتہاری مہم بڑے، زور و شور سے چلائی جا رہی ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستانی عوام انتہائی سادہ لوح ہے اور یہ ایک ایسی پیاسی قوم ہے جو خوابوں سے سیراب ہو کر خوشی محسوس کرتی ہے، موسم کی طرح اپنی سوچ اور سیاسی وفاداریاں بدلنااس کا معمول ہے۔

گیارہ مئی کو ہونے والے جنرل الیکشن جتنا قریب آتا جا رہا ہے اسی طرح خطرات بھی بڑھتے جا رہے ہیں، مختلف سیاسی امیدواروں اور جلسوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جس سے انتخابی سرگرمیوں پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور لوگوں میں وہ پہلے جیسا جوش و خروش نظر نہیں آ رہا، جو کہ ان دنوں نظر آنا چاہئے۔

صوبہ پنجاب کے علاوہ باقی صوبوں ہیں دہشت گردانہ کاروائیوں کی وجہ سے انتخابی سرگرمیاں ماند پڑتی جا رہی ہیں، پنجاب میں اصل مقابلہ پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان مسلم لیگ ن کے درمیان ہو گا، واضح رہے کہ دونوں سیاسی جماعتوں نے پاکستان کی یوتھ کو ٹارگٹ کیا ہوا ہے اور نوجوان نسل کو

اپنایا سرمایہ قرار دے رہے ہیں، یہاں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ کسی بھی ملک کے مستقبل میں ترقی کا انحصار نوجوان نسل پہ ہوتا ہے اور پاکستان میں نوجوانوں کا تناسب 70 فیصد سے کہیں زیادہ ہے شاید اسی لئے پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان مسلم لیگ ن نوجوانوں کو ساتھ ملانے کی خواہاں ہے یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جب عمران خان نے اپنی جماعت کو نوجوانوں کی نمائندہ جماعت کہا تو مسلم لیگ ن نے اسی وقت حکمت عملی ترتیب دی اور یوتھ کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں سہولیات جیسے لیب ٹاپ، انرجی سولر کے علاوہ یوتھ کمیٹیاں بھی بنائی گئیں جو کہ ان دنوں مسلم لیگ ن کے لئے کافی سود مند ثابت ہو رہی ہیں۔

انتخابات کے موسم کی گہما گہمی میں اس قوم کے ساتھ جھوٹے وعدے کئے جائیں گے سہانے خواب دکھائے جائیں گے اور تصور میں تابناک مستقبل اور نئے پاکستان کی، خوبصورت تصویر دکھائے جا رہی ہے لیکن میں پاکستانی قوم سے ایک گذارش کروں گا کہ آپ کا ووٹ انتہائی اہمیت کا حامل ہے آپ اس ووٹ سے تبدیلی لا سکتے ہیں اور یہ ووٹ قوم کی امانت ہے امانت کو اس کے اہل تک پہچانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اس لئے اپنا ووٹ کاسٹ کرتے وقت خیال کریں کہ یہ امیدوار اس قابل ہے بھی سہی کہ نہیں۔

.بروقت الیکشن پر مختلف قسم کی قیاس آرائیاں بھی جاری ہیں اور یہ بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے کہ گیارہ مئی کو ہونے والے الیکشن تاخیر کا شکار ہوتے نظر آ رہے ہیں .بروقت الیکشن ناگزیر ہو چکے ہیں اگر یہ الیکشن.بروقت نہ ہوئے تو حالات مزید خرابی کی، طرف جا سکتے ہیں دوسری طرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی دہشت گردانہ کاروائیوں کی روک تھام کے لئے مناسب حکمت عملی ترتیب دینی چاہیئے تاکہ الیکشن .بروقت ہونے کے ساتھ ساتھ ووٹ کا ٹرن آؤٹ کا تناسب بھی زیادہ سے زیادہ رہے ووٹر کے ٹرن آوٴ ٹ کا تناسب جتنا زیادہ ہوگا پاکستان تحریک انصاف کے لئے اتنا ہی، زیادہ بہتر ہوگا اگر ووٹر کا تناسب چالیس ۔۔پینتالیس فیصد سے کم رہا تو اس کا فائدہ یقینا پاکستان مسلم لیگ ن کو ہوگا۔

ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیئے کہ انشاءاللہ نئی بننے والی حکومت میرے پاکستان کے لئے کافی بہتر ثابت ہو گی اور میرا ملک ترقی کی شاہراہ پہ گامزن ہوگا۔اللہ ہم سب کا حامی و !ناصر ہو۔آمین

فریدہ خانم ایک "مختلف" شاعرہ

موبائل پہ کال آئی اٹینڈ کرنے پر ایک خوبصورت سی آواز آئی کہ میں فریدہ خانم بول رہی ہوں ، میرے ذہن کو ایک خوشگوار سا جھٹکا لگا اور بے ساختہ کہا میڈم میں آپ کا فین ہوں اور آپ کی غزلیں بڑے شوق سے سنتا ہوں ،آگے سے دبی دبی سی ہنسی سنائی دی اور کہا کہ میں وہ والی فریدہ خانم نہیں ہوں بلکہ شاعرہ فریدہ خانم ہوں ،اس پر میں نے جواب دیا کہ آپ دونوں میں ایک قدر تو مشترک ہے کہ آپ غزل لکھتے ہیں اور وہ غزل کو گاتے ہیں۔

فریدہ خانم ایک محبت کرنے والی خاتون ہیں ان سے میرا پہلا تعارف ایک سکول میں ہوا تھا جن دنوں میں اپنی تنظیم کے زیر اہتمام سکولز میں ورکشاپس اور سیمینار منعقد کرواتا تھا،اور غالباًفریدہ بھی کسی ادارے کی جانب سے اس طرح کی تقاریب کا ارینج کیا کرتی تھی وہیں پر میں نے انہیں اپنا وزٹنگ کارڈ دیا تھا(آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ تقاریب میں اپنے وزٹنگ کارڈ خواتین میں تقسیم کرنا میری عادت ہے)۔

جہاں تک بات شاعری کی ہے تو اتنے سینئر لوگوں کی موجودگی میں تبصرہ کیسے کر

سکتا ہوں کیونکہ اس میدان میں ابھی طفل مکتب کی سی حیثیت ہے لیکن کچھ مروت کا خیال کرتے ہوئے کہنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں ۔

منفرد اندار کی شاعری کی کتاب "مختلف" بہت خوبصورت مجموعہ کلام ہے سادہ، دیدہ زیب اور جاذب نظر ٹائیٹل قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے فریدہ کا لکھنے کا اندازنرالا ہے حالات کی بے ثباتی کا اور محبت کا جذبہ ماند پڑ جانے کا ذکر بے ساختہ انداز میں کرتے ہوئے لکھتی ہیں

تارے گننے کے زمانے اب کہاں => < عاشقی کے وہ ترانے اب کہاں
کون مرتا ہے کسی کے واسطے <=> لیلیٰ مجنوں کے فسانے اب کہاں
وہ نہ درے انہ گھری چاہتیں > = < سوہنی اور ماہی دِوانے اب کہاں

کتاب کے عنوان کی طرح فریدہ خانم کی شاعری بھی سب سے منفرد ہے پڑھنے والے پر سحر طاری کر دیتی ہے اور قاری خوبصورت مصرعوں کے جادو میں اور نپے تلے الفاظ کے دریچوں میں گم ہوتا چلا جاتا ہے محبت کے بارے لکھتے ہوئے خانم کہتی ہے

محبت خدا ہے،خدا ہے محبت <=> زمانے میں سب سے جدا ہے محبت
لگے جس کی جاں کو،وہ جاں سے بھی جائے > = <یوں لگتا ہے جیسے بلا ہے محبت
بھٹکنے نہ دے گی کسی کو بھی خانم > = < ہر اک رہ میں رہنما ہے محبت

فریدہ خانم نے اپنے شاعری مجموعے کاانتساب حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ کے نام کیا ہے "مختلف "کی ہر غزل مختلف ہے ہر مصرعے کا انداز جدا اور منفرد ہے جیسا کہ وہ اپنی ایک غزل میں لکھتی ہیں

مانگا رب سے جدا اور ملا مختلف > = < جیسے ہے میرے دل کی صدا مختلف

جس سے آتی تھی اس کے بدن کی مہک > = < آج گلشن میں ہے وہ ہوا مختلف

کردے مجھ کو ہر غم سے بےگانہ وہ > = < بات ایسی ہی کوئی بتا مختلف

فریدہ خانم حالات پر بھی کڑی نگاہ رکھتی ہیں انھوں نے نامساعد حالات اور دھماکوں کا ذکر اپنی اس کتاب میں مختلف انداز میں کیا ہے وہ دہشت گردی کا اور حالات حاضرہ کا ذکر بڑے نپے تلے الفاظ میں کرتے ہوئے لکھتی ہیں

فضا ہے ایسی کہ کوئی نہیں کہیں محفوظ > = < نہ مسجدوں میں نمازی، نہ ہے جبیں محفوظ

ے ہاں پہ ہوتے ہیں ہر روز بم دھماکے ہی > = < ہے کیوں نہیں بھلاے ہ میری سرزمیں محفوظ

ستم کی زد پہ ہے چادر بھی چاردیواری <=> کسی بھی گھر میں نہیں ہے کوئی مکیں محفوظ

مختلف" کو مکتبہ روشن خیال نے پبلش کیا ہے کتاب کے خوبصورت سرورق کی طرح
اس کا ہر ورق بھی
اچھا اور معیاری ہے اور اوراق پر لکھے الفاظ کے بارے میں یہی کہوں گا کہ پر اثر
اشعار قاری کو مبہوت کر دیتے ہیں ،فریدہ خانم نے شاعری کے خارزار میں قدم رکھ دیا
ہے تو ہم اس کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اسے اس میدان میں ثابت قدم رکھے
کیونکہ شاعری صرف ایک شوق کا نام نہیں ہے اس میں جہاں دنیا کے لئے پیغام ہے وہیں
خود کے لئے بھی نئے در وا ہوتے ہیں۔
مئی 2013ء، پنجابی کمپلیکس میں کتاب کی تقریب پذیرائی میں پڑھا گیا)۔ 30)

طالبان سے مذاکرات

بل آخر طالبان نے قطر میں اپنا دفتر کھول لیا، یہ ایک خوش آئند بات ہے جس سے طالبان سے مذاکرات کا عمل شروع ہو جائے گا اور یہ بھی امید کی جا رہی ہے کہ طالبان سے مذاکرات کی کامیابی کی صورت میں اس خطے میں امن قائم ہو جائے گا لیکن پاکستانی قوم عجیب وسوسوں کا شکار نظر آ رہی ہے کہ ایک طرف امریکہ، پاکستان، کی مدد سے طالبان کے خلاف جنگ جاری رکھے ہوئے ہے اور دوسری طرف خود طالبان سے مذاکرات کی ٹیبل پر جا بیٹھا ہے یہ کیا تضاد ہے؟

قارئین! سب سے پہلے تو آپ کو طالبان کے بارے بتا دوں یہ طالبان ہیں کون؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ طالبان کب اسٹیبلیش ہوئے؟طالبان کے معنی کیا ہیں؟ یہ چاہتے کیا ہیں؟ان کی بنیاد کب رکھی گئی؟ اس طرح کے کئی دیگر سوالات ہیں جو کہ ہر کسی کے ذہنوں میں کلبلا رہے ہیں، طالبان کے بارے کافی لکھا جا چکا ہے لیکن میری کوشش ہے کہ جو صحیح حقائق ہیں وہ آپ کو بتاؤں۔

طالبان عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہے تلاش کرنے والے لوگ،اب سوال یہ جنم لیتا ہے کہ یہ کس کی تلاش میں ہیں جب اس بارے ان سے پوچھا جائے تو ان کا

جواب ہوتا ہے ہم حق کی تلاش میں ہیں ، یہ طالبان کون ہیں ، کہاں سے آئے اور کب اسٹیبلیش ہوئے ، رہا ان سوالات کہ جواب تو میں آپ کو بتاتا ہوں جب روس اتحادی افواج کی مدد سے افغانستان پر قبضہ جمارہا تھا اور کمیونسٹ نظام رائج کرنے کی کوششیں جاری تھیں اس وقت امریکہ نے پاکستان کو استعمال کیا اور اس وقت کے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف اور صدر جناب ضیاء الحق نے جہاد کا نعرہ بلند کیا، ڈالر اور اسلحہ امریکہ نے فراہم کیا تعاون پاکستان نے کیا اور آخر کار افغانیوں نے اس وقت کی سپر پاور روس کو شکست دی اور سوویت یونین کو پارہ پارہ کر دیا، سوویت یونین کی شکست کے بعد ایک افغان حکومت کا قیام عمل میں آیا جسے ہم طالبان حکومت کہتے ہیں اس وقت کے افغانی حکومت نے زبر دستی شریعت کو نافذ کر دیا ان کا یہ تجربہ کافی حد تک کامیاب رہا،اور افغانستان کی تاریخ میں پہلی بار امن و امان کی فضا دیکھنے میں آئی اس وقت افغانی حکومت (طالبان) اسلامی دنیا میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے تھے طالبان نے افغانستان کی حکومت سنبھالنے کے بعد پوست اور دیگر غیر قانونی کاموں کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا اس وقت باہر کی غیر اسلامی ممالک ان کے دشمن ہو گئے جب طالبان نے وہاں پر کئی یادگار بتوں کو گرا دیا اور اسلامی دنیا میں ایک بار پھر بُت شکن کے نام سے پہچانے جانے لگے ، اس وقت اسلامی ممالک کی فضا میں یہ نعرہ گونجنے لگا۔

آ چکے ہیں طالبان چھا چکے ہیں طالبان

اب سوویت یونین ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا اور نئی سپر پاور امریکہ بن چکا تھا، افغانستان میں طالبان کی حکومت امریکہ کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھی اس کے ساتھ ساتھ پاکستان نے بھی ایٹم بم کا تجربہ کرکے دنیا پر ثابت کر دیا تھا کہ پاکستان دفاعی اعتبار سے کمزور نہیں ہے اس وقت سے افغانستان میں طالبان کی حکومت اور ایٹمی پاکستان امریکہ کی آنکھوں میں کھٹکنے لگ گئے اب امریکہ نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کے خاتمے اور پاکستان کو ایٹمی طاقت سے غیر مسلح کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور ایک نئی چال چلی جسے دنیا 11/9 کے نام سے جانتی ہے۔

امریکہ نے 11/9 کے بعد پاکستان کو ڈرا، دھمکا اور لالچ کے ذریعے دہشت گردی کی جنگ میں اپنا اتحادی بنا لیا، پاکستان نے افغانستان پر حملوں کے لیے امریکہ کو اپنے فضائی اڈے استعمال کرنے دیئے اسی بہانے وہ پاکستان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا جنگ کے بعد امریکہ نے افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کی لیکن ابھی تک افغانستان میں امن قائم نہیں ہو سکا۔

دوسری طرف امریکہ نے ہی پاکستان میں ایک اور دہشت گرد ٹولے کی بنیاد رکھی جسے لوگ پاکستانی تحریک طالبان کہتے ہیں، اور پاکستان میں ہونے والی دہشت

گردی میں زیادہ تراسی تنظیم کا ہاتھ ہوتا ہے، لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستانی طالبان اور افغانی طالبان دو علیحدہ تنظیمیں ہیں، دونوں کا منشور بھی ایک دوسرے کے متضاد ہے، تحریک طالبان افغانستان کے منشور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ عوامی جگہوں پر حملے نہیں کرنے چاہئے، خواتین اور بچوں کو نشانہ نہیں بنانا چاہئے جبکہ تحریک طالبان پاکستان اس کے متضاد ہے یہ کہنا غلط ثابت نہیں ہوگا کہ پاکستانی طالبان دہشت گردوں کا ٹولہ ہیں جبکہ افغانی طالبان انتہا پسند مسلمانوں کا گروہ ہے اور یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستانی طالبانی تیس سے زائد گروہوں میں تقسیم ہے جن کا منشور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

کچھ دن قبل افغانی طالبان اور پاکستانی طالبان نے ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھا لئے تھے جس میں تحریک طالبان افغانستان نے دو پاکستانی گروپوں کی معاونت بھی حاصل تھی جس میں ایک کا نام انصار الاسلام تھا۔

قارئین! مندرجہ بالا تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کون سے طالبان پاکستان کے اور خطے کے امن کے خلاف ہیں اب جن طالبان سے مذاکرات شروع ہونے لگے ہیں وہ تحریک طالبان افغانستان ہیں جس کے امیر ملا عمر ہیں،مذاکرات کے نتیجے میں یہ امید بھی ظاہر کی جا رہی ہے کہ اگلی افغان حکومت طالبان کی ہوگی جس سے خطے میں امن و امان قائم ہو جائے گا۔

پاکستانی قوم

پاکستانی قوم خوابوں کی دنیا میں رہنا چاہتی ہے اور خوابوں سے ہی سیراب ہوتی نظر آتی ہے اس قوم کو میں قوم نہیں بلکہ لوگوں کا ایک ہجوم کہوں گا ،جس نے سیاسی جماعتوں کے وعدے اور حسین سپنوں میں آکر اس امید سے انتخابات میں حصہ لیا تھا کہ الیکشن کے بعد ان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے ۔ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہو جائے گی،دہشت گردی کی فضا دم توڑ جائے گی ،ٹارگٹ کلنگ بند ہو جائے گی ، مسخ شدہ لاشیں ملنے کا اور لوگوں کے لاپتہ ہونے کا سلسلہ تھم جائے گا،لوڈشیڈنگ ختم اور گیس کے بحران کا نشاں نہیں رہے گا،ہر طرف شادمانی کے نغمے گونجیں گے ،مہنگائی کے جن کو بند کر دیا جائے گا ،انصاف ان کی دہلیز پر دستک دے رہا ہوگا،دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی ملک میں تبدیلی کی ایک لہر چلے گی جو اس قوم کے دکھوں کو،پریشانیوں کو دور بہا کر لے جائے گی لیکن ؟

کیا ہوا؟کچھ نہیں ؟سب خواب چکنا چور ہو گئے ،سب وعدے جھوٹے نکلے ،ان کے حسین سپنوں کا خون ہو گیا،سب جوں کا توں ہے ،آج بھی حالات ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے بلکہ اس سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں ،دہشت گردی کی فضا اسی طرح موجود ہے ،ٹارگٹ کلر سر بازار موت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں،لوڈشیڈنگ پر تا

حال قابو نہیں پایا گیا، مہنگائی کا جن غریب عوام کو زہریلے سانپ کی طرح ڈس رہا ہے غریب قوم کی گردن آئی۔ایم۔ایف کے شکنجے میں جکڑی جانے والی ہے، سبسڈی کا، خواب دیکھنے والی قوم پر ٹیکسوں کی مد میں اضافہ ہو چکا ہے، تنخواہیں کم اور مہنگائی زیادہ ہو چکی ہے اب کیا ہوگا؟؟

کچھ نہیں ہوگا یہ قوم پھر نئے خواب سجائے گی، کیونکہ پاکستانی قوم کا ہجوم حقیقت سے نظریں چراتا ہے اور شتر مرغ کی طرح سر چھپا کر،آنکھیں بند کرکے سمجھتا ہے کہ اس نے تکالیف سے پردہ کر لیا ہے لیکن پھر جب مصائب آ گھیرتے ہیں تو پھر بھی ہاتھ نہیں ہلاتے،کچھ جدو جہد نہیں کرتے۔

خدا نے اس قوم کی حالت آجتک نہیں بدلی

نہ ہو خیال جسے آپ اپنی حالت بدلنے کا

اس قوم کی میں کیا بات کروں جو خود اپنے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنا پسند کرتی ہو اس لئے اس قوم کی کبھی کوئی وحیدہ شاہ سر عام تذلیل کرتی نظر آتی ہے تو کبھی کوئی شریفوں کی صاحبزادی اپنے نوکروں سے بیکری ملازم کی سربازار درگت بناتی دکھائی دیتی ہے،تو کبھی اس قوم کی نمائندہ ایم۔پی۔اے بس ہوسٹس کو بھرے مجمعے میں تھپڑ مارتی ہے اور کبھی کوئی گیلانی خاندان طاقت کے نشے میں کسی معصوم ملازم کو زندگی کی قید سے بھی آزاد کرادیتا ہے۔

میں اس قوم کے بارے کیا لکھوں ! جو ترقی کی خواہش مند تو ہو، پر اپنے اندر بے حسی کو سموئے ہوئے ہو، جس قوم میں طبقاتی تفریق بڑھتی چلی جا رہی ہو، نفرت کے بازاروں میں نفرت سر بازار بانٹی جا رہی ہو، لوگ خوشی کو ترسے ہوئے ہوں لیکن خود کسی کے لبوں پر مسکراہٹ کا رقص نہ دیکھ سکتے ہوں، حسد و بغض جس قوم میں بھرے ہوئے ہوں وہ قوم کیونکر آگے بڑھ سکتی ہے ؟

اگر اس قوم نے خود کو تبدیل نہیں کیا تو بے حس لوگوں کا یہ ہجوم وحیدہ شاہ کے سر بازار تھپڑ بھی کھاتا رہے گا، شریف زادیوں سے مار بھی پڑتی رہے گی، قوم کے نمائندے ہی اس ہجوم کی سر عام تذلیل کرتے رہیں گے، اور طاقت کے نشے میں غریب کا گلا گھونٹا جاتا رہے گا۔

اس لئے پہلے خود کا محاسبہ کرو، خود کو تبدیل کرو، پھر اپنے ارد گرد معاشرے کو تبدیل کرو، محنت سے آگے بڑھو پھر ترقی وکامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

لیکن اگر موجودہ حالات کی بات کی جائے تو زرداری صاحب نے اس ہجوم کے ساتھ کئے گئے وعدوں کے بارے میں یہی کہا کہ یہ کوئی قرآن حدیث تو ہوتے نہیں جو پورے کئے جائیں، میاں نواز شریف صاحب بھی ان وعدوں کو جوش خطابت کا نام دیتے

نظر آرہے ہیں، عمران خان الیکشن کے بعد بھی یہی دہائی دے رہے ہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے اور ڈاکٹر طاہر القادری ٹھیک کہتے تھے کہ یہ الیکشن فیئر نہیں ہوں گے اس الیکشن کے نتیجے میں ایک بدترین جمہوریت نما آمریت قائم ہو جائے گی۔

قارئین! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر ترقی کی راہیں کھلیں تو آپ کو ایک قوم بننا ہوگا اپنے قومی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دینی ہوگی، نفرتوں کو مٹا کر محبتوں کے، دیئے جلانے ہیں۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو! آمین

کالا باغ ڈیم ضروری ہے

حالیہ برسنے والی بارشیں پاکستان کے لئے باعث زحمت ثابت ہوئی ہیں، جس نے کافی نقصان پہنچایا ابھی پاکستانی قوم ان بارشوں سے ہونے والی تباہی سے سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی کہ بھارت نے پاکستان پر آبی حملہ کر دیا جس کی وجہ سے میرے ملک میں سیلاب نے تباہی مچا دی اور پاکستان کے سینکڑوں دیہات زیر آب آ گئے۔ لاکھوں ایکڑ زرعی زمین پر کاشت کی گئیں فصلیں تباہ و برباد ہو گئیں، کئی گھروں کی چھتیں گر گئیں، کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا، اور غریب عوام کے مویشی اس سیلابی پانی میں بہ گئے۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں نسلی تعصب کے ساتھ صوبائی تعصب بھی موجود ہے، قائداعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آخر یہ کہنے کا کیا فائدہ ہے کہ ہم بنگالی ہیں یا سندھی، یا پٹھان، یا پنجابی ہیں، نہیں ہم سب مسلمان ہیں اور مجھے یقین ہے اس پر آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ اور جو بھی ہوں آپ مسلمان ہیں اور پاکستانی ہیں۔

پاکستانی قوم قائد کا وہ فرمان بھول گئی آج بھی اس ملک کے باسی اپنی پہچان پاکستانی کے بجائے سندھی، بلوچی، پٹھان، پنجابی، کشمیری اور سرائیکی کروانا پسند کرتے ہیں شاید اس لئے پاکستانی قوم ترقی کی راہ میں خود ہی رکاوٹ بن

چکی ہے اور دشمن اس کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کو غیر مستحکم کرتا جا رہا ہے اور ہم خواب غفلت میں ڈوب چکے ہیں۔

یہ وہ ملک ہے جو پانی کو بروئے کار لائے بنا سمندر برد کر دیتا ہے، اگر دریائے سندھ کا جو پانی بحیرہ عرب میں گرتا ہے اس کو ذخیرہ کرکے اس پر ایک ڈیم بنا دیا جائے جہاں ہمارے توانائی کے کافی مسائل حل ہوں گے وہیں ان سیلابوں سے ہونے والی تباہی سے بچا جا سکے گا اور سیلابی پانی کو بھی ذخیرہ کیا جا سکے گا دریائے سندھ پر بیسیوں سال پہلے بھی ایک ڈیم بنانے کا منصوبہ زیر غور تھا جو آج تک مکمل نہیں ہو سکا آخر کیوں؟؟

کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان 1984ء میں کیا گیا تھا جس میں تقریباً آٹھ ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی، اس اہم منصوبے سے پاکستان انرجی کرائسس پر کافی حد تک قابو پا سکتا ہے کیونکہ اس منصوبے سے تین سے چار ہزار میگا واٹ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے، اس منصوبے پر تخمینے کی لاگت تقریباً آٹھ ارب ڈالر اور یہ پانچ سال میں مکمل ہو سکتا ہے، کالا باغ ڈیم پر ایک ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں، لیکن ایک ارب روپے خرچ ہونے کے بعد اس اہم منصوبے کو عالمی طاقتوں نے صوبائیت کا لبادہ اوڑھا کر متنازع بنا دیا، حالانکہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر سے خیبر پختونخواہ کو کافی فائدہ حاصل ہو گا

کیونکہ اس کی تعمیر سے دریا سے اوپر کا لاکھوں ایکڑ رقبہ کاشت کے قابل ہو جائے گا، اسی طرح صوبہ سندھ میں فصل خریف کے لئے پانی کی دستیابی کا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔

کالاباغ ڈیم کا نام تو 'کالا' ہے لیکن اگر یہ ڈیم بن جائے تو پورے ملک کو سرسبز کر سکتا ہے لیکن افسوس اس ڈیم پر کسی نے سیاسی دکانداری چمکائی تو کوئی کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہو کر اس کا مخالف ہوا۔ یہ ڈیم ملک کے لئے انتہائی ضروری ہے لیکن کچھ لوگ اپنے پڑوسی ملک کو خوش کرنے کے لئے اس کی مخالفت میں بیان دیتے رہتے ہیں۔

راقم کو گزشتہ دنوں دریائے سندھ کے اس مقام پر جانے کا اتفاق ہوا، جہاں کالاباغ کے مقام ''پیر پہائی'' پر اس ڈیم کو بننا تھا، وہاں ڈیم میں استعمال ہونے والا وہ زنگ آلود لوہے کے ٹکڑے ناکارہ ہو چکے تھے، اس مقام پر بنی سرکاری رہائش گاہیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر کھنڈرات کا منظر پیش کر رہی تھیں وہ لفٹ بھی ابھی تک ویسے ہی موجود ہے، جو بہت جلد ناکارہ ہوجائے گی کیونکہ اس منصوبے کو متنازعہ بنا کر ختم کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے۔

اس ڈیم کی تعمیر سے تقریبا ایک لاکھ افراد بے گھر ہوں گے، میں نے ارد گرد

بسنے والے لوگوں سے جب پوچھا کہ آپ اس ڈیم کے حق میں ہیں تو ان کا جواب مثبت
تھا، جب ان سے یہ کہا کہ اس ڈیم کی تعمیر کی وجہ سے آپ کو بے گھر ہونا پڑے گا تو ان
غیور لوگوں کا جواب پوری پاکستانی قوم کے لئے ایک مشعل راہ ہے 'اگر یہ ڈیم ہمارے
ملک کے مفاد میں ہے تو ہم اپنے گھر کیا اپنی جانیں بھی قربان کر سکتے ہیں'۔

''ناصر ملک اور ان کی ''سامعہ

ناصر ملک ایک محبت کرنے والے اور مسکراہٹ بکھیرنے والے انسان ہیں میرا اور ناصر ملک صاحب کا تعلق اتنا پرانا بھی نہیں اور اتنا نیا بھی نہیں کیونکہ کسی کو سمجھنے کے لئے جو عرصہ درکار ہوتا ہے اس سے کافی زیادہ گذر چکا ہے ویسے تو ہم میں کئی قدریں مشترک ہیں جن میں سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ بھی لکھاری ہیں اور میں بھی لکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں ۔ناصر ملک صاحب ایک اچھے انسان بھی نہیں ایک خوبصورت استاد بھی ہیں جو محبت اور خندہ پیشانی سے مجھ خاکسار کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں وہ ایک خوبصورت انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب، فکشن رائٹر اور افسانہ نگار بھی ہیں ان کی پر تاثیر تحریریں قاری پر سحر طاری کر دیتی ہیں ،حالات پر کڑی نظر رکھنے والے بہترین کالم نگار بھی ہیں اور ایک خوبصورت لب و لہجے کے شاعر بھی ہیں ان کا ایک شاعری مجموعہ ''سامعہ''ان دنوں میرے زیر مطالعہ ہے۔

شاعری کے میدان میں میری حیثیت طفل مکتب کی سی ہے اس لئے اس کتاب پر ایک شاعر کی نظر سے تبصرہ تو نہیں کر سکتا البتہ اپنی ناقص رائے ضرور دوں گا،شاعری کا یہ مجموعہ مجھے بہت ہی عجیب نظر آیا کیونکہ اس میں عام کتابوں کی طرح

کوئی لمبی چوڑی تمہیدیں ہیں نہ اس کے شروع کے صفحے پر کوئی دیگر تفصیل ہے ،نہ ہی غزلوں ، نظموں یا نثروں کی کوئی فہرست ہے نہ ہی کوئی دیباچہ ہے اور نہ ہی کوئی سرورق پر ڈیزائین کی رنگوں کی بھرمار ہے بلکہ سادہ اور خوبصورت سا سرورق ہے،اس کتاب کا انتساب بھی انوکھا ہے جس میں سامعہ کو مخاطب کرتے ہوئے اک نظم لکھی گئی ہے، یہ شاعری مجموعہ اک حیرتوں کا جہاں ہے جسے روایات سے ہٹ کر شائع کیا گیا ہے اور یقینا یہ ایک نرالا اور انوکھا تجربہ ہے جو کبھی اس پہلے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اس کتاب کا نام ''سامعہ'' رکھا گیا ہے یہ حقیقت میں کوئی ''سامعہ'' ہے یا پھر ملک صاحب کی تخیلاتی ''سامعہ'' ہے کتاب پڑھتے ہوئے مجھے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے ملک صاحب اپنی سامعہ کو دیکھ کر سناتے گئے اور کہیں ان باتوں نے غزلوں کا لبادہ اوڑھ لیا کہیں پر نظم کا روپ اختیار کر لیا اور کہیں پر نثریہ بن کر اوراق میں لکھا جاتا رہا اور، اچانک ایک کتاب بن گئی ، کیونکہ اس مجموعہ کلام میں جہاں کہیں اک درد کی لہر جھلکتی ہے وہیں امیدوں کے دیئے اور خوشی کے پھول بھی کھلتے نظر آتے ہیں ،جہاں اس کتاب میں امید و یاس کی کیفیات نظر آتی ہے ،وہیں بے بسی اور رنج والم کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے ،''سامعہ''میں جہاں محبت کا تذکرہ ہے وہیں جدائی کا خوف بھی دکھتا ہے اور شکوؤں و شکایتوں کے انبار بھی نظر آتے ہیں ،اس کی ہر غزل ،ہر نظم ،ہر نثریے

میں ہجر کا کرب بھی دکھتا ہے۔

ناصر ملک صاحب کو پڑھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ جیسے وہ افسانہ نگاری میں عبور رکھتے ہیں،اور جن کے ہر ناول کی ہر تحریر اچھوتی اور دل گداز ہوتی ہے وہیں شاعری کے میدان میں بھی ایک اہم مقام رکھتے ہیں جہاں تک ''سامعہ'' کی بات ہے تو اس میں انہوں نے منفرد انداز اپنایا ہے اور اپنے قارئین تک ایک دلوں کو چھو لینے والی شاعری کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے میں اس کی اشاعت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جیسے ان کے الفاظ میں قدرت نے تاثیر رکھی ہے وہیں ان کی تخیلاتی پرواز بھی بہت اونچی ہے اس لئے ہم منتظر ہے کہ اس طرح ہمیں بھی نت نئے تجربات سے روشناس کرواتے رہیں گے۔

میری سامعہ ! سنو۔۔۔۔۔

بس !اب اور کچھ لکھنا باقی نہیں۔

میں جو لکھ چکا ہوں ،یہی میرے لیے جان لیوا ثابت ہونے والا ہے۔لفظ لفظ عذاب گیں !شعر شعر تکلیف رساں۔۔۔ہاں،

مختلف ایک بھی نہیں مجھ سے

کوئی مجھ سا مگر نہیں بھی ہے

!اور یہاں 'کوئی' سے مراد تمہی ہو۔۔۔بس تمہی

اور۔۔۔

اب میں تھک گیا ہوں ۔لفظ دائرے بننے لگے ہیں ،کاغذ جھیلیں۔اب تم مجھے آکیلا چھوڑ دو ۔الوداع کہ دو۔

فی امان اللہ !

زیر مطالعہ کتاب ''سامعہ ''کی غزل کا ہر شعر بے مثال ہے آپ بھی پڑھئے اور انجوائے کیجئے۔

....

جو گھڑی تیرے نام ہوتی ہے
وہ بڑی تشنہ کام ہوتی ہے
کیوں مری سامعہ کی آنکھوں میں
خواہشِ ناتمام ہوتی ہے

....

منظر پہ کوئی،زیرِ زمیں اور کوئی ہے
اس دیس میں اب تخت نشیں اور کوئی ہے
آئینہ کبھی غور سے دیکھو تو بتا دو
اس شہر میں کیا زہرہ جبیں اور کوئی ہے

....

بے خودی میں قدم ڈگمگانے لگے ہیں مرے تھام لو

میں بکھرتا چلا جا رہا ہوں خدارا مجھے تھام لو
سامعہ !زندگی ایک ہی سانس ہے اور مختصر
اور یہ پھول بھی سانس ہے مسکرا کر اسے تھام لو

''نامعلوم'' دہشت گردوں کی ''بوری''

کراچی میں دہشت گردی ایسے بڑھتی چلی جارہی ہے جیسے پاکستان کے اندرونی و بیرونی قرضے بڑھتے جارہے ہیں، شہر قائد میں انسانوں کو لہولہو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت دم توڑ چکی ہے، بارود کی بو ہر طرف پھیل چکی ہے، کبھی لسانیت کو ہوا دے کر خون کی ہولی کھیل جارہی ہے تو کبھی تفرقہ بازی کی آڑ میں موت کا وحشیانہ رقص جاری ہے، پہلے جب کوئی شرپسند عناصر کاروائی کرتے تھے تو ذمہ داری تحریک طالبان پاکستان پر ڈال دی جاتی تھی، اب تو حکومت اور تحریک طالبان میں مذاکرات ہونا شروع ہوگئے ہیں جو کہ ایک خوش آئند بات ہے اور دونوں طرف سے خوشگوار رد عمل دیکھنے میں آیا ہے، یہ مذاکرات بہت عرصہ پہلے شروع ہو جانا چاہیے تھے خیر'' دیر آید درست آید'' امید کرتے ہیں کہ یہ مذاکرات، مذاق۔رات ثابت نہیں ہونگے بلکہ کامیاب ہونگے جس کے نتیجے میں میری ارض پاک پر امن کی فضا قائم ہو جائے گی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔کچھ عرص قبل تک عروس البلاد کراچی میں بھتہ کی پرچی کو بھی تحریک طالبان کے کھاتے میں ڈالا جاتا رہا پھر جب طالبان کی طرف سے اس کی تردید ہوئی اور یہ کہا گیا کہ ہمارے نام پر بھتہ مانگنے والے گروہ کو عبرت کا نشانہ بنادیا جائے گا تو پھر دہشت گردی کی وارداتوں کو نامعلوم''کے کھاتے میں ڈالا''

جاتا رہا اور یہ ''نامعلوم'' مافیا پاکستان کے معاشی حب میں تیزی سے پھیلتا چلا گیا اور مضبوط ہوتا گیا، دہشت گردی کی وارداتوں، ٹارگٹ کلنگ، اغوا برائے تاوان، اور بھتہ خوری کو ''نامعلوم'' مافیا کے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہے پاکستان کو معاشی بحران کا شکار کرنے کی تگ و دو میں بھی یہی'' نامعلوم '' مافیا مصروف ہے جس نے پاکستان کی معاشی شہ رگ پر قبضہ جمایا ہوا ہے اور دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے اور آج تک ہمارا ''آزاد میڈیا'' بھی کوئی ایسی رپورٹ یا ڈاکومینٹری نہیں بنا پایا جس سے ان نامعلوم دہشت گردوں کی نشاندہی ہو سکے۔

یہ شرپسند عناصر جنہیں 'نامعلوم' گردانا جاتا ہے دراصل ہیں کون؟ شاید کوئی جانتا بھی ہو تو اس کے لب ان کے بارے وا نہیں ہوتے، کیونکہ جان ہر کسی کو پیاری ہے اور ان نامعلوم ''افراد کی دہشت کی وجہ سے سبھی نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے جب ان'' نامعلوم'' دہشت گردوں کا کوئی'' جانا پہچانا رہنما'' پکڑا بھی جاتا ہے تو شہر قائد میں'' موت کا رقص شروع ہو جاتا ہے، پورے کراچی میں آگ کے دھویں اور بارود کی بو پھیل جاتی ہے، گلیوں میں خون بہنا شروع ہو جاتا ہے، گاڑیاں اور پٹرول پمپ نذر آتش ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ لمحوں میں ملیا میٹ ہو جاتا ہے کبھی کبھی میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ ان 'نامعلوم' دہشت گردوں کے بارے تحقیقات کروں اور ان سے ملاقات کی کوئی

سبیل نکالوں اور ان سے یہ سوال کروں کہ ہر واردات کے بعد وہ قانون کے شکنجے میں کیوں نہیں آتے؟؟؟؟ہر بار سیکیورٹی اداروں کی آنکھوں میں کیسے دھول جھونک کر خود کو 'نا معلوم' لکھواتے ہیں؟اور کیسے اتنے زیادہ مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے ہو کہ کوئی تم پر ہاتھ تک نہیں ڈال سکتا؟پھر ڈر جاتا ہوں اور آنے والے واقعات کو سوچ کر لرز جاتا ہوں کہ کہیں میرے ناپ کی بھی 'بوری' تیار نہ ہو جائے اور کسی نالے میں یا ویران جگہ پر کبھی بوری بند لاش میں میرا ناتواں وجود ہی نہ پڑا ہو۔

شہر قائد میں ٹارگٹڈ آپریشن شروع ہے جس کی وجہ سے دہشت گرد عناصر کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے یہ آپریشن حکومت اور سیکیورٹی اداروں کی اہل کراچی کے لئے مثبت پیش رفت ہے جس کے نتیجے میں امید ہے کہ شرپسند عناصر کا قلع قمع ہو جائے گا اور شہر قائد کے باسی بھی سکون کا سانس لیں گے لیکن اس آپریشن کی جہاں سبھی سیاسی جماعتوں نے تائید کی ہے وہیں ایم۔کیو۔ایم کا شور مچانا اور واویلا کرنا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے میری ناقص رائے کے مطابق تمام سیاسی جماعتوں سے منظم ترین جماعت ایم کیو ایم ہے، لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ گزشتہ ایک دہائی سے زیادہ عرصہ تک کراچی میں حکومت بھی متحدہ قومی موومنٹ کی ہے اور سندھ کی گورنر شپ بھی متحدہ کے کھاتے میں ہے لیکن اتنا زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود شہر قائد میں امن قائم کیوں نہیں کر سکی؟؟؟

خدا کرے مری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہء زوال نہ ہو

پہلے خود کو سنواریں

آج جب لکھنے بیٹھا ہوں تو سمجھ نہیں آرہی کس موضوع پر لکھوں کبھی ذہن میں خیال آتا ہے کہ بلوچستان میں زلزلے کی تباہی کو موضوع بناؤں جس نے سینکڑوں انسانوں کی جانیں لے لیں ،جس کی تباہی میں ہزاروں لوگ بے گھر ہوگئے پھر ذہن میں یہ خیال کلبلاتا ہے کہ یہ زلزلے کیوں آتے ہیں تو حدیث نبوی ﷺ یاد آجاتی ہے جس کا مفہوم ہے اس کے تین اسباب ہیں جب گانا بجانا عام ہوجائے گا،جب شراب پانی کی طرح پی جانے لگے گی اور جب زنا کی کثرت ہوجائے گی تو پھر یہ زلزلے آئیں گے اور تباہی پھیلائیں گے اس لئے ہمیں خود کو سنوارنا چاہئے اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے جن سے بچنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

کبھی یہ خیال آتا ہے کہ آج ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت پر اور روپے کی بے قدری کی بات کروں کہ روز بروز روپیہ تنزلی کی طرف گامزن ہے اس کی کیا وجوہات ہیں ،حکومت کو عوام کے سامنے حقائق رکھنے ہوں گے اور بتانا ہوگا کہ آئی۔ایم۔ایف سے قرض کن شرائط پہ لیا گیا تھا اور نئے نوٹ کتنی مالیت کے چھاپے گئے تھے؟آخر یہ مہنگائی کے جن کو کیسے قابو کیا جائے گا ؟اور غریب عوام کی آئی۔ایم۔ایف کے شکنجے میں پھنسی گردن کو کب آزاد کروایا جائے گا یا یونہی

اقتدار اقتدار کا کھیل، کھیل کر عوام کو ظلم کی چکی میں پسنے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ارباب اقتدار کو اس حدیث نبوی ﷺ کو نہیں بھولنا چاہئے جس کا مفہوم ہے کہ ہر کسی سے اس کی رعیت کے بارے سوال کیا جائے گا پھر تم کیسے جواب دوگے کہ تمہارے دور حکومت میں کتنی بہنوں نے نہر میں کود کر جان دی تھی؟ کتنے معصوم لوگوں کو خون میں نہلایا گیا تھا؟ کتنی ننھی کلیاں پھول بننے سے پہلے مسل دی گئی تھیں؟ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا یہ قول یاد رکھو جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر گیا تو پوچھ عمر سے ہو گی۔

آج خیبر پختونخواہ میں دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی لہر پہ لکھنے کو بھی جی کر رہا ہے کہ جب اے۔پی۔سی میں یہ بات طے پا گئی کہ طالبان کے ساتھ جنگ بندی ہونی چاہئے اور ان سے مذاکرات ہونے چاہئے تو یہ امید ہو چلی تھی کہ اب کوئی دہشت گردی کی واردات نہیں ہو گی، کہیں پر بھی خون کی ہولی نہیں کھیلی جائے گی، چار سو امن کی فضا قائم ہو جائے گی، گورنمنٹ آف پاکستان نے جب خیر سگالی کے طور پر ملا برادر کو رہا کیا تو پھر اس خیال کو مزید تقویت ملی کہ اب ظلم کا نام و نشان مٹنے والا ہے لیکن پھر جب میجر جنرل ثناء اللہ نیازی کو گاڑی کو نشانہ بنا کر شہید کیا گیا تو ذہن میں یہ خیال کلبلانے لگا کہ اگر دونوں طرف مذاکرات کی باتیں ہو رہی ہیں تو پھر یہ دہشت گردی؟ پھر خیال آیا کہ طالبان بیسیوں گروہ میں تقسیم ہیں نجانے کوئی ان مذاکرات کے خلاف ہو اس

لئے کسی نے یہ شر انگیزی کی ہو ابھی اس حملے کی بازگشت تھمی نہیں تھی کہ چرچ پر حملہ ہوا جس میں بیسیوں لوگ جان کی بازی ہار گئے اور بیسیوں زخمی ہو گئے اس حملے کے بعد تحریک طالبان نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا،ابھی تحقیقات کا عمل جاری تھا تو انکشاف ہوا کہ میجر جنرل ثناء اللہ نیازی کو بھی طالبان کے علاوہ ایک بہت بڑی طاقت نے ٹارگٹ کیا ہے جو قوت یہ نہیں چاہتی کہ پاکستان اور طالبان میں مذاکرات ہوں جس کے نتیجے میں طالبان ہتھیار پھینک دیں اور پاکستان میں امن و امان کی فضا قائم ہو جائے۔

بلوچستان میں زلزلے سے ہونے والی تباہی پر اہل پاکستان مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے بلوچ بھائیوں کی مدد کے لئے نکل کھڑے ہوں لیکن حکومت کو ان این۔جی۔اوز اور فلاحی اداروں کو وہاں سیکیورٹی کا بندوبست کرنا ہوگا۔

روپے کی بے قدری اور ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت پر مجھے حافظ سعید کی اس بات پر اتفاق ہے جس میں انہوں نے زور دیا ہے کہ اگر سویت یونین میں کرنسی کے معاملے پر اتفاق ہو سکتا ہے تو ساٹھ مسلم ممالک بھی اس طرح مسلم یونین بنا کر سودی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

پاکستان اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں ہم اپنے فیصلے خود کریں کسی

دوسرے کی ڈکٹیشن پہ نہ چلیں تو امید ہے کہ یہ مذاکرات کامیاب بھی ہوں گے اور میرے ملک میں امن و امان کی فضا بھی قائم ہو گی۔

اگر ہم آج سے یہ تہیہ کرلیں کہ ہم خود اپنے زور بازو پر انحصار کریں گے اور کسی اور کی ڈکٹیشن نہیں لیں گے تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ پہلے خود کو سنواریں۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

"کیا نام ہے"

حساسیت کا مادہ ہر انسان میں بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے اور خاص کر کم سنی میں جو بچے زیادہ حساس ہوتے ہیں وہ ماحول اور معاشرے کا گہرا اثر لیتے ہیں اگر ان حساس بچوں کو ادبی ماحول میسر آ جائے تو وہ ادیب بن جاتے ہیں۔

مجھے جب معلوم ہوا کہ میانوالی میں رہائش پذیر ایک پانچویں کلاس کی ننھی سی کلی نے کہانیوں کا خوبصورت گلدستہ ترتیب دیا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ میانوالی میں علمی و ادبی ذوق پروان چڑھ رہا ہے جی اس میانوالی میں جہاں دنیا کا خیال ہے کہ وہاں دقیانوسیت کا راج ہے اور میری خوشی کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ میں بھی اسی شہر کا باسی ہوں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں جہالت عام ہے اور ونی کی بھیانک رسمیں ادا کی جاتی ہیں آج میں یہ باتیں فخر سے بتانے کے قابل ہوں کہ لوگ میانوالی کے بارے غلط کہتے ہیں کیونکہ اب اس میانوالی میں فاطمہ زہرا ہاشمی جیسی ننھی منھی کہانی کار بھی معاشرے کو سنوارنے کے لئے میدان میں اتر پڑی ہیں یہ ایک مثبت قدم ہے اور اس سے ضلع میانوالی کا امیج بھی بہتر ہوگا۔

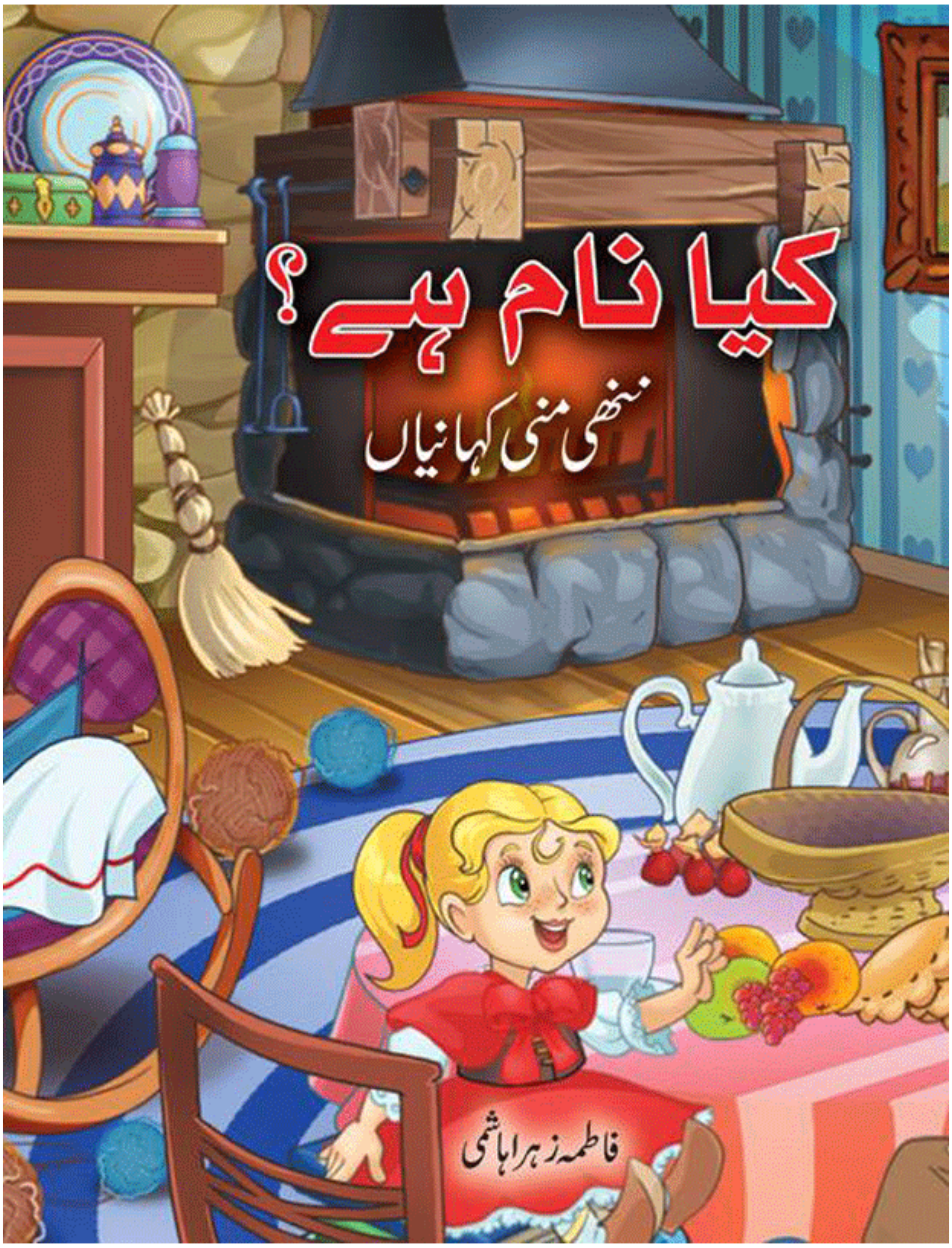

کیا نام ہے ’’کہانیوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس میں بچوں کے لئے اصلاحی کہانیاں ہیں اور اس عمر میں قلم’’ یہ گرفت اور الفاظ کی پختگی یقینا حیران کن ہے ابھی اس عمر میں اگر قلم پر اتنی مضبوط گرفت ہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ ننھی پری علم و ادب کی دنیا کا ایک درخشندہ ستارہ ثابت ہوگی اور معاشرے میں ایک اہم مقام حاصل کرے گی۔

کتاب کا نام’’کیا نام ہے’’ایک منفرد اور انوکھانام ہے اور اس مجموعہ کلام میں ساری کہانیاں ہی دلچسپ اور مزیدار ہیں جن میں پچھتاوا،بھوری گائے،معصوم

چوزے اور میری ماما سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دلچسپ بھی ہیں کہانیوں کے اس خوبصورت گلدستے میں اچھوتے آئیڈیاز کو عمدگی سے پیش کیا گیا ہے، ان سب کہانیوں کے کرداروں میں بھی حقیقت کا رنگ غالب آتا ہے۔

کیا نام ہے" کا انتساب فاطمہ زہرا ہاشمی نے اپنی خالہ ارم ہاشمی کے نام کیا ہے اور مجھے تو" ایسے لگتا ہے فاطمہ اپنی خالہ سے کافی متاثر ہیں کیونکہ ارم ہاشمی خود بھی ایک رائٹر ہیں اور میانوالی سے ہی ایک سہ ماہی علمی و ادبی شمارہ "تمام" کو کامیابی سے چلا رہی ہیں اور اسی بینر تلے کئی قسم کے آگاہی پروگرام اور مشاعروں کا بھی کامیابی سے انعقاد کرواتی رہتی ہیں جو کہ نہایت احسن اقدام ہے اس کے لئے وہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔

اس گلدستے کا ٹائیٹل خوبصورت ہے اور بیک پر فیروز سنز کا فاطمہ زہرا ہاشمی کے لئے ایک خوبصورت پیغام اور ایک امید بھی ہے۔

we Appreciate the effort of a young writer and wish her best of luck for the future.the concepts of the stories are good.we hope she will learn quickly an become a wonderful writer.

اور اس میں چھپے ٹیلنٹ کو دیکھتے ہوئے میں اتنا ہی کہوں گا۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

فاطمہ زہرا ہاشمی آپ کو کہانیوں کے اس خوبصورت گلدستے کی اشاعت پر مبارکباد کے ساتھ یہ امید بھی ظاہر کرتا ہوں کہ آپ اس طرح لکھنا بھی جاری رکھیں گے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے مطالعے کی وسعت کے لئے بھی کوشش جاری رکھیں گی تاکہ آپ کے ذہن میں نت نئے اچھوتے خیال پروان چڑھیں اور آپ انہیں کہانی کا روپ دے کر کاغذ پر اتار کر معاشرے کی اصلاح میں کردار ادا کرو۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہم واقعی آزاد ہیں ؟یا پھر ہماری سوچ اور تخیلاتی پرواز ہی آزادانہ پرواز کر سکتی ہے پھر اپنی ہی سوچ کی نفی کرتا ہوں کہ ہم آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں اور نہ ہی ہماری سوچ کی لہریں اور تخیلاتی پرواز کی اڑان لامحدود ہے بلکہ ہم خود بھی آزاد نہیں اور ہماری سوچ کی لہریں بھی ایک حصار میں قید ہیں وہ حصار غلامی کا ہے ۔بظاہر تو ہم نے بیسیوں سال پہلے آزادی حاصل کر لی تھی لیکن ہماری غلامانہ سوچ اس بات کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے کہ ہمارے آباؤاجداد نے جس آزادی کے لئے لازوال قربانیاں دی تھیں یہ وہ آزاد مملکت نہیں بلکہ اس مملکت کو چلانے کے لئے اغیار کے پاس امداد کے لئے کشکول لئے پھرتے ہیں اورانہی کی ڈکٹیشن پر چلتے نظر آتے ہیں اور موجودہ حالات کو دیکھ کر اس قوم کی حالت نہایت قابل رحم نظر آتی ہے ،یہ قوم دوسروں پر تکیہ کئے بیٹھی ہے ،پاکستانی قوم کے حکمران بھی اس قوم کو سہانے سپنے دکھا کر خوب بے وقوف بناتے نظر آتے ہیں ۔

اس قوم کے افراد ہمہ وقت ہر اس کام کے لئے تیار رہتے ہیں جس سے انہیں انگریز آقاؤں کی خوشنودی اور ملاقات کا موقع میسر آسکے ،اس قوم کے افراد

اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنی ہی قوم سے بیوفائی کرکے انگریز آقاؤں سے ایوارڈ وصول کرنا باعث عزت سمجھتے ہیں ،ایوارڈ سے یاد آیا کہ ایک نوبل ایوارڈ کے لئے اسی قوم کی ایک بیٹی ملالہ بھی نامزد ہو چکی ہے مجھے اس کی نامزدگی پر پہلے تو حیرانی ہوئی کہ اس نے ایسا کونسا کارنامہ انجام دیا ہے ،تفصیلات دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس نے پاکستان میں لڑکیوں کی تعلیم کے حق میں آواز اٹھائی ہے جس کی پاداش میں اس بہادر لڑکی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ معجزانہ طور پر بچ گئی ،اس کی اس بہادری پر اسے نوبل پرائز کے لئے نامزد کیا گیا جس سے راقم حیران ہوا کہ میری سوچ غلط تھی اور نوبیل پرائز کے بارے شکوک و شبہات تھے کہ اس میں کریڈیبیلٹی نہیں دیکھی جاتی لیکن ملالہ کی نامزدگی پر خوشی ہوئی اور میرا سر فخر سے بلند ہو گیا لیکن پھر جو ہوا وہ تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک معصوم سی لڑکی بھی ایسی کتاب لکھ سکتی ہے جو الجھن آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ متنازعہ سی ہے جس میں کئی جگہوں پر ابہام پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلام کا چہرہ بھی مسخ کرتے ہوئے قادیانیوں کی طرفداری کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ یقیناایک معصوم بچی سوچ بھی نہیں سکتی۔

بات نکلی تو نکلتی ہی چلی گئی اور ہم دوبارہ موضوع کی طرف آتے ہیں تو بات ہو رہی تھی اس قوم کی۔

اس قوم کا منتخب وزیر اعظم جب امریکہ کا دورہ کرتا ہے تو نگاہیں جھکی ہوتی ہیں اور جناب اوباما صاحب سے نظریں جھکائے معاملات طے کرتا ہے (یا پھر طالبان سے مذاکرات یا نئے آرمی چیف کے بارے ڈکٹیشن لیتا ہے) دوسری طرف امریکی صدر اٹھارہ کروڑ پاکستانیوں کو منتخب نمائندہ کو وہ عزت اور توقیر نہیں دیتا جو کہ اس کا حق ہے جبکہ ملالہ سے ملاقات میں وہ انتہائی سنجیدہ دکھائی دیتا ہے۔

دوسروں پہ انحصار کرنا اور اغیار کے تلوے چاٹنا ہماری عادت بن چکی ہے حالانکہ اس قوم میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں ،مگر بد قسمتی سے اس ٹیلنٹ کو نکھارنے کے لئے خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے جاتے ،جس سے ٹیلنٹ کا ضیاع ہو رہا ہے ،رشوت و سفارشی کلچر پاکستانی رگوں میں بری طرح سرایت کرچکا ہے ،اس قوم کے افراد دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہیں ایک طرف ان گوروں اور ان کے ممالک کو برا بھلا کہتے دکھائے دیتے ہیں تو دل میں یہ خواہش بھی لئے پھرتے ہیں کہ کاش انہیں امریکہ یا برطانیہ کا ویزہ مل جائے اس قوم کے افراد کی دوغلی سوچ پہ ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو صرف حسین خواب، بنتے ہیں اور ان خوابوں کی تعبیر کے لئے کوئی تگ ودو کرتے نظر نہیں آتے ،وہ یہ بھول چکے ہیں کہ محنت کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے جو مسلسل

محنت اور تگ و دو کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو خیال جسے خود آپ اپنی حالت بدلنے کا

اگر کامیابی کی راہ پر ہمکنار ہونا چاہتے ہو تو خوابوں سے سراب ہونے کی بجائے حقائق سے نظریں ملانا سیکھو اور دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے لئے اغیار پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے قوت بازو پر انحصار کرو یقیناً کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور اس قوم کے ہر فرد کو اپنی سوچ کو مثبت راہ کی طرف گامزن کرنا چاہئے تاکہ یہ قوم اپنے اسلاف کی طرح ترقی یافتہ ہو سکے کیونکہ ۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

تفرقوں میں نہ پڑو اور متحد ہو جاؤ

سنا تھا مدارس اسلام کے قلعے ہیں جہاں اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے اور مدارس سے بچے دینی و دنیوی علوم سیکھ کر عالم و فاضل بن کر نکلتے ہیں ،پہلے تو علماء حضرات کو معاشرے میں اہم مقام حاصل تھا پھر اک سازش ہوئی اور مولوی حضرات کو ''دہشت گرد ملا'' کے ٹائیٹل سے نواز دیا گیا اور مدارس کو بھی مشکوک بنا دیا گیا لیکن اسلام سے محبت کرنے والے اور دین کو سیکھنے والے پھر بھی اپنی تشنگی بجھانے کے لئے مدارس سے جڑے رہے اور علمائے کرام بھی دین کی پیاس بجھانے والوں کی پیاس بجھانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے،جب دنیا نے دیکھا کہ جتنا اسلام کو دبایا جاتا ہے اس سے زیادہ یہ پروان چڑھ رہا ہے اور پوری دنیا میں اسلام پھلتا پھولتا جا رہا ہے ، مسلمانوں کا پھلنا پھولنا اور ترقی کرنا مسلم دشمن عناصر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا تو اس نے اک نئ چال چلی اور مسلمانوں میں انتشار کو ہوا دینے کے لئے ان کی صفوں میں اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کچھ ایسے سادہ لوح مسلمانوں کو استعمال کیا جو اپنے تئیں بہت پہنچے ہوئے تھے جنھوں نے ایک دوسرے کو کافر، مشرک، گستاخ اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، جس سے مسلمانوں میں انتشار بڑھا اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے،اور

یوں دشمن کی چال کامیابی سے تاحال جاری ہے اور ہم آپس میں الجھے ہوئے ہیں، دشمن دور کھڑا ہم پر ہنس رہا ہے اور اپنی کامیابی پر تالیاں بجا رہا ہے، ہمیں ہوش کے ناخن لینے ہوں گے اور تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو اس میں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا کیونکہ ہمیں اس وقت اتحاد کی ضرورت ہے اور فرمان باری تعالےٰ کو یاد رکھنا ہو گا جس میں کہا گیا ہے کہ ''تفرقوں میں نہ پڑو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو''۔

اگر موجودہ حالات میں مسلم امہ نے اغیار کی سازش کو نہ پہچانا اور چہرے پہ سنت رسول ﷺ کو سجانے والوں کو دہشت گرد سمجھا جانے لگا، ایک دوسرے کو کافر، کافر کی گردان جاری رہی، منبر رسول ﷺ پر مشرک اور گستاخ کے الفاظ استعمال ہوتے رہے اور مدارس کو دہشت گردوں کی پناہ گاہیں سمجھا جاتا رہا تو یاد رکھو تم کبھی اپنے اسلاف کی طرح ترقی اور کامیابی حاصل نہیں کر سکو گے اپنے ماضی کو کھنگالو ہمارا ماضی کتنا تابناک تھا اور آج ہم فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور پوری دنیا میں ہم پر انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں حالانکہ امت مسلمہ کا ماضی بڑا تابناک تھا۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

آج امریکہ مدارس پر ڈرون حملہ کرتا ہے اور ہم چپ سادھ لیتے ہیں کہ شاید اس میں دہشت گردوں کو نشانہ بنایا ہوگا، ہاں آج دنیا نے بھی اس ''معصوم دہشت گرد'' کی فوٹو اخبارات میں دیکھی ہو گی جس میں ایک معصوم کلی کو نشانہ بنایا گیا ،یقینا مدارس اسلام کے قلعے ہیں ہمیں ان مدارس کی حفاظت بھی کرنی ہو گی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ کوئی مدارس کی آڑ لے کر اسلام کو بدنام کرنے کی سازش تو نہیں کر رہا، یہاں مجھے شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی یاد آ رہی ہے جس نے کہا تھا ۔

جب میں بھی جوان تھا میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی ، میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو انقلاب، ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے ،یورپ کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ہے ،ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو،اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جوکچھ ہوگا میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں ،اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہو گا جس طرح ہسپانیہ (اندلس) میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کھنڈر اورالحمراء کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے

تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

خدارا! اغیار کی سازش کو پہچانیں اور متحد ہو کر دنیا کو بتا دیں کہ مسلماں ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم کے ایک عضو کو بھی تکلیف ہو گی تو پورے جسم کو تکلیف محسوس ہو گی ۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

مذاکرات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا

ان دنوں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کے حوالے سے مختلف قیاس آرائیاں جاری ہیں ،زیادہ تر لوگ مذاکرات کے حق میں بات کرتے نظر آرہے ہیں لیکن کچھ لوگ ان مذاکرات کو وقت کا ضیاع قرار دے رہے ہیں اور کچھ تو یہاں تک بھی کہ رہے ہیں کہ طالبان مذاکراتی عمل کے دوران خود کو دوبارہ منظم کر لیں گے، خیر جتنے منہ اتنی باتیں۔

کوئی بھی مسئلہ بمباری، فوجی آپریشن یا خود کش حملے سے حل نہیں ہوتا ، بالآخر مذاکراتی میز پر ہی کسی مسئلے کا حل بغیر کسی خون خرابے کے نکالا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ دونوں طرف سے مخلصانہ کوششیں کی جائیں ،اسلامی جمہوریہ پاکستان میں گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کی وارداتوں میں اضافہ دیکھنے میں آیا اور شمالی علاقہ جات میں توحکومتی رٹ کومسلسل چیلنج کیا جاتا رہا ہے جس سے شمالی علاقہ جات میں امن وامان کی فضا قائم رکھنا دشوار ہوتا جا رہا تھا،اب دونوں فریقین (حکومت اور طالبان) ٹیبل ٹاک کے لئے ایک بار پھر تیار ہیں۔

پہلے بھی دونوں طرف سے مذاکرات ہوتے رہے ہیں لیکن جب کبھی بھی مذاکرات کے دور شروع ہوتے ہیں تو کوئی تیسری طاقت ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لئے امن اور بات چیت کی فضا میں بارود کی بو پھیلا دیتی ہے جس سے دونوں طرف سے مذاکراتی عمل متاثر ہو جاتا ہے۔

طالبان اور حکومت کے مذاکرات کو تاریخ کے آئینے میں دیکھا جائے تو صورتحال کچھ یوں دکھائی دیتی ہے، پاکستان میں تحریک طالبان نے اس وقت زور پکڑا، جب نائن الیون کے سانحے کے بعد امریکا نے افغانستان میں حملے کئے اور پاکستان نے امریکا کا اتحادی بن کر ہر ممکنہ مدد فراہم کی، جس سے اس نے اپنی افواج اور دوسرا جنگی سازو سامان افغانستان منتقل کیا، اور طالبان شمالی علاقہ جات میں منظم ہونا شروع ہو گئے ان سے سیز فائر کی باتیں بھی ہوئیں جن کی وجہ سے کئی لوگوں نے ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیا، مذاکراتی عمل کی بات کی جائے تو طالبان اور حکومت کے مابین پہلا امن معاہدہ اپریل 2004ء میں ہوا، جس میں مشرف حکومت نے تحریک طالبان کے امیر نیک محمد کے ساتھ یہ طے کیا کہ گرفتار طالبان رہنماؤں کو رہا کیا جائے گا اور حکومت طالبان کی مالی امداد بھی کرے گی، جبکہ طالبان غیر ملکی عسکریت پسندوں کو اپنی پناہ گاہیں فراہم نہیں کریں گے اس معاہدے کو 'شکئی امن معاہدہ' کہتے ہیں لیکن اس کے بعد کچھ قبائلی عمائدین کو قتل کیا گیا جس کی وجہ سے یہ

معاہدہ ناکام ہوا اور دو مہینے بعد شمالی علاقہ جات میں پھر سے فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا، بعد ازاں نیک محمد ایک امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا، اس کے بعد بیت اللہ محسود نے تحریک کی باگ ڈور سنبھال لی، حکومت اور طالبان کے مابین ایک بار پھر فروری 2005ء میں انہی شرائط پر امن معاہدہ ہوا، لیکن اس معاہدے پر بھی فریقین نے عملدرآمد نہیں کرایا، اور دہشت گردی کی کاروائیاں جاری رہیں، پھر صوفی محمد نے اپنے داماد مولوی فضل اللہ کے ساتھ مل کر سوات میں شریعت محمدی کے نفاذ کے لئے تحریک چلائی، جس پر ایک دفعہ پھر امن معاہدہ ہوا، جسے سوات امن معاہدہ کا نام دیا گیا یہاں پر میں ایک بات کا اضافہ کرتے ہوئے جنرل شاہد عزیز کی کتاب "یہ خاموشی، کب تک" کا حوالہ دوں گا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "سوات میں امن معاہدہ حکومت اور فوج نے امریکہ کے دباؤ پر توڑا اور اس کا الزام طالبان پر لگا دیا"، اس معاہدے کے بعد اگست 2008ء میں بھی کئی امن معاہدے ہوئے لیکن شاید کسی تیسری طاقت نے وہ معاہدے بھی سبوتاژ کروا کر پاکستان کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا گیا، اور اگست 2009ء میں بیت اللہ محسود امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا، بیت اللہ محسود کے بعد حکیم اللہ محسود طالبان کے امیر مقرر ہوئے، ابھی ان سے جنگ بندی کے والے سے بات چیت جاری تھی اور تقریباً تمام معاملات طے پا چکے تھے کہ امریکہ نے ڈرون حملے کے ذریعے حکیم اللہ محسود کو نشانہ بنا دیا، جس پر پاکستان کے علاوہ پہلی بار حامد کرزئی نے بھی کہا کہ حکیم اللہ محسود کو غلط

وقت پر نشانہ بنایا گیا ہے۔
ایک بار پھر خونریزی شروع ہو گئی،پاک فوج بھی آپریشن کے لئے تیار ہو گئی لیکن وزیراعظم پاکستان نے غیر متوقع طور پر مذاکرات کو ایک اور موقع دینے کا اعلان کیا ہے دونوں طرف سے کمیٹیاں بھی بن چکی ہیں ،اس بار دونوں فریقین پر عزم ہیں کہ یہ مذاکرات کامیاب ہو جائیں ، لیکن کچھ شرپسند عناصر ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے لئے کاروائی کر سکتے ہیں ۔
یہ مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں اگر دونوں طرف سے پر خلوص کوششیں کی جائیں،دونوں کمیٹیاں ثالث کا کردار ادا کرنے کے بجائے باختیار اور مخلص ہوں،طالبان آئین پاکستان کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست کے اندر ریاست نہ بنائیں اور حکومت بھی ان افراد کو رہا کردے جو غلط فہمی کے نتیجے میں قید ہیں،طالبان اگر شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں تو پاکستان کے ہر شہری کی یہی آواز ہے لیکن ان مذاکرات میں اس شق کو ہٹا دیا جائے اور یہ مطالبہ کیا جائے کہ تمام فیصلے شرعیہ کورٹ کی زیر نگرانی ہوں اور مستقبل میں شریعت کے نفاذ کے لئے کوششیں جاری رکھی جائیں ،طالبان حکومتی رٹ کو چیلینج نہ کریں اور اگر ان کے پاس غیر ملکی لوگ پناہ گزین ہیں تو انہیں فوری واپس بھجوا دیئے جائیں ۔اگر ان معاملات پر سیر حاصل بات چیت ہو گئی تو مذاکرات کامیاب ہو جائیں گے نہیں

تو بعید نہیں کہ کوئی تیسری قوت ان مذاکرات کو سبوتاژ کرتے ہوئے مذاق۔ رات بنا دے لیکن ابھی تک دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ مذاکرات جب بھی کامیابی کے دہانے تک پہنچنے لگتے ہیں تو امریکی ڈرون حملہ ہوجاتا ہے اس بار حکومت کو چاہئے جس طرح امریکہ ان مذاکرات کو پاکستان کا اندرونی معاملہ کہ رہا ہے اسی طرح ڈرون اٹیک بھی ہماری سالمیت اور خودمختاری پر حملہ ہے جب تک مذاکرات ہو رہے ہیں امریکہ بہادر کو بھی ڈرون حملے روکنے کے لئے چٹھی لکھ کر بھیج دی جائے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

شادی شدہ، شادی شودہ یا شادی زدہ؟

کہتے ہیں کہ شادی موتی چور کا ایک ایسا لڈو ہے جو کھاتا ہے وہ بھی پچھتاتا ہے اور جو نہیں کھاتا وہ بھی پچھتاتا ہے۔ بچے ہمارے عہد کے کافی چالاک ہو گئے ہیں، بچپن میں پہلے جب کسی سے پوچھا جاتا کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ تو کوئی جواب دیتا کہ میں انجینئر بنوں گا، کوئی ڈاکٹر کہتا، کوئی پائلٹ تو کوئی فوج میں آفیسر بننے کا خواہاں ہوتا لیکن جب میں نے کل ایک بچے سے پوچھا کہ بیٹا! بڑے ہو کر کیا بنو گے اور کیا کرو گے؟ تو اس نے کہا کہ میں بڑا ہو کر دولہا بنوں گا اور شادی کروں گا۔

جن کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ بھی پچھتا رہے ہوتے ہیں اور جن کی نہیں ہوئی ہوتی وہ بھی دہائی دیتے نظر آتے ہیں، جب ایک آدمی سے میں نے پوچھا کہ آپ شادی شدہ ہو، تو اس نے ناگواری سے دیکھا اور غصے سے کہا کہ بھائی شادی شدہ نہیں" شادی شودہ" ہوتا ہے کیونکہ شادی کے بعد مرد "شودہ" (بے چارہ) بن جاتا ہے اور بد قسمتی سے میں شادی زدہ ہوں۔

شادی کے حوالے سے نت نئی اصطلاحات ایجاد ہو چکی ہیں میرا ایک دوست جس کی

ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے ۔مجھے کہتا ہے کہ یار کیا یہ سچ ہے کہ مرد اور عورت دو پہیوں کی مانند ہوتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ یہی حقیقت ہے تو اس پر وہ رونی صورت بنا کر بولا کہ میرے گھر والوں کو بھی سمجھاؤ کہ میں کب تک ون ویلنگ کرتا رہوں گا۔

ایک شادی شدہ دوست سے جب میں نے پوچھا کہ شادی کے بعد کیسا محسوس کرتے ہو تو اس نے کہا کہ کہیں پڑھا تھا کہ صدقہ دینے سے ساری بالائیں ٹل جاتی ہیں پر یہ بلا نہیں ٹل رہی ،حالانکہ مسلسل صدقہ دے رہا ہوں، میں نے مزید پوچھا کہ بھائی ! شادی کے بعد آپ خود کو کب پرسکون سمجھتے ہیں تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ جب بیوی میرے سسرائیل (سسرال) چلی جاتی ہے ۔

یہاں پر ایک واقعہ یاد آرہا ہے جو ناصر ملک نے اپنے دوست کی بارات کا سنایا تھا وہ دلچسپ واقعہ اس دوست کی زبانی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ہم دلہن کو لینے بارات کی شکل میں اپنے گھر سے نکلے ۔حسب معمول دولہا کی گاڑی دولہا کی طرح سجی ہوئی سب سے آگے تھی ،ہم مزے سے جارہے تھے ایک فوجی قافلے نے ہمیں کراس کیا اور رکنے کا اشارہ کیا پوری بارات رک گئی،ہم تھوڑے سے پریشان ہوئے کہ آخر ماجرا کیا ہے،اتنے میں ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور

مجھ سے گویا ہوا کہ آپ کو صاحب بلا رہے ہیں، میں نے اسے کہا بھائی اپنے صاحب کو جا کر بتلاؤ کہ آج کے دن تو ہم بھی صاحب ہیں، اس پر وہ منت سماجت پر اتر آیا اور کہا، جناب ہماری نوکری کا مسئلہ ہے۔برائے مہربانی آپ آ جائیں، ہم بھی ڈرتے ڈرتے ان کے صاحب کے پاس جا پہنچے، ہماری حالت دیکھ کر وہ مسکرائے اور گویا ہوئے، بیٹا! میرے پاس اس وقت اتنے سپاہی اور اسلحہ ہے جو دشمن کی فوج کے ایک۔بریگیڈ کا مقابلہ کر سکتا ہے، میرا مشورہ مانو تو یہاں سے بھاگ چلو، میں ساری بارات کو روک لوں گا، پھر نہ کہنا کہ کسی نے بتایا نہیں اور شادی کے دو مہینے بعد اس فوجی آفیسر کی بات کو یاد کرکے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ اس وقت بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔

آپ پریشان نہ ہوں بیگمات کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں لیکن انہیں سنبھالنے کا ہنر آنا چاہیئے، میرا ایک دوست (س) کہتا ہے کہ جیسے بیماری، سونا، جاگنا، اداسی اور سوچنا ایک کیفیت ہے اسی طرح بیوی بھی ایک کیفیت کا نام ہے، جب آدمی کہیں لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے اور اچانک بیوی کا خیال ذہن میں آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور محفل کا سارا مزہ خراب ہو جاتا ہے۔

واقعات تو بے شمار ہیں لیکن یہاں پر ایک واقعہ پیش کرنا ضروری خیال کرتا

ہوں کہ شاید میرے وہ بھائی جو ابھی تک بیوی جیسی کڑوی نعمت سے محروم ہیں ،ایسے ہی شاد و آباد رہیں،ایک آدمی سمندر کے کنارے چلا جا رہا تھا کہ اسے ایک آواز آئی کہ سمندر سے دور ہو جاؤ نہیں تو ڈوب جاؤ گے ،وہ یہ آواز سن کر جیسے ہی دور ہوا تو ایک بڑی سے لہر آئی،اگر وہ آدمی وہاں موجود ہوتا تو ڈوب جانا یقینی تھا،وہ اس ششش وپنج میں مبتلا چل رہا تھا کہ پھر اس کے کانوں میں یہی آواز آئی کے سڑک سے دور ہو جا نہیں تو مر جاؤ گے ،وہ جلدی سے سڑک سے دور ہوا تو ایک تیز رفتار گاڑی وہاں سے گزری ،جہاں ایک لمحہ پہلے وہ موجود تھا،وہ حیران ہوا کہ مجھے اس طرح بچانے والا کون ہے،اس نے آواز لگائی کہ مجھے مصیبت سے بچانے والے تو کون ہے؟تو غیب سے آواز آئی کہ میں مصیبت سے بچانے والا فرشتہ ہوں ،اس پر اس شخص نے جواب دیا،اللہ تیرا بھلا کرے تو اس وقت کہاں تھا جب میں کہ رہا تھا قبول ہے ، قبول ہے، قبول ہے۔

میرے غیر شادی شدہ دوست پریشان نہ ہوں یہ جو مندرجہ بالا لکھا گیا سارا جھوٹ ہے اس لئے آپ پریشان نہ ہوں اور ویسے بھی اکیلی ذات صرف میرے اللہ کی اچھی لگتی ہے اس لئے اللہ آپ کو جوڑا بنا لے ،اس دعا کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اے اللہ ! میرے وہ تمام گناہ معاف فرما جس کی وجہ سے میری شادی رکی ہوئی ہے ۔نوٹ: شادی شدہ حضرات ''رکی''کے بغیر پڑھیں۔

تمہاری داستاں تک نہ ہو گی داستانوں میں

خلیل جبران لکھتا ہے ”قابل رحم ہے وہ قوم جو جنازوں کے ہجوم کے سوا کہیں اور اپنی آواز بلند نہیں کرتی اور ماضی کی یادوں کے سوا اس کے پاس فخر کرنے کا کوئی ساماں نہیں ہوتا“۔

پاکستانی بحیثیت قوم لوگوں کا ایک ایسا ہجوم بن چکا ہے جس میں ہر فرد ایک دوسرے سے بلاوجہ اختلاف رائے رکھتا ہے اور اس قوم کے نام نہاد مُلا کفر کے فتوے بانٹتے پھر رہے ہیں،لوگوں کے اس ہجوم کو ایک قوم کہنا سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ یہاں اجتماعیت کی بجائے انفرادیت کو فروغ حاصل ہے،ہر کوئی ذاتی مفاد کے لئے قومیت کے نام پر اپنے خزانے کو بھرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے ،لوگوں کے اس ہجوم میں نفرتیں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور حضرت انسان یہاں موت کے ہرکارے کے روپ میں موت تقسیم کرتا پھر رہا ہے۔

لوگوں کے اس ہجوم میں کچھ لوگ نظریات اور اپنی ثقافت کو بچانے کے لئے کوشاں ہیں جس میں وہ یہ مثالیں بڑی ذوق و شوق سے دیتے ہیں کہ جب ہم ایک تھے،جب نفرت کی دیواریں نہیں تھے اور متحد تھے تو اس وقت ہم دنیا پر راج کیا کرتے تھے،پوری دنیا میں ہم مسلمانوں کا رعب و دبدبہ تھا وہ جب یہ واقعات بیان

کرتے ہیں تو جہاں ہمیں اپنے ماضی پر رشک آتا ہے وہیں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس وقت ہماری کامیابی کا راز کیا تھا؟؟؟

ہم اس وقت ایک قوم تھے ، تفرقوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے ،ایک دوسرے کا احترام کرنا جانتے تھے ،اس وقت اسلام ہمارا اوڑھنا بچھونا تھا،ہماری ایک تہذیب و کلچر تھا ہماری آنکھوں میں حیااور خواتین کا احترام تھا، ہمارے تابناک ماضی اور موجودہ حالت، کو دیکھتے ہوئے شاعر مشرق نے کہا ہے ۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

پھر کیا ہوا؟ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا،احکامات الٰہی سے منہ موڑ لیا اور فرمان نبوی ﷺ کو بھلا دیا، جس کی وجہ سے اغیار نے سازشی جال بنے اور ہم آسان شکار کی طرح اس میں پھنستے چلے گئے، محبت کی جگہ نفرت نے لے لی ،احترام کی جگہ انتقام کی پرورش ہونے لگی، خود احتسابی کی بجائے دوسروں پر ملبہ گرانا اور الزام دینا ہمارا شیوہ بن گیا، ہم ذلت و رسوائی میں ڈوبتے چلے گئے ،زوال کی طرف ہمارا سفر تیزی سے جاری رہا، ہم نہیں سمجھے اور بتدریج تنزلی کی منزلیں طے کرتے چلے گئے اور خوار ہونا ہمارا مقدر بن گیا ہے۔

اب تو ہمارا یہ حال بن چکا ہے کہ سفارش اور رشوت ہمارا کلچر ہے،ملاوٹ کرنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے ، جھوٹ بولنا ہم کامیاب کاروبار کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اس معاشرے میں خواتین کا مقام بس یہ ہے کہ انہیں بازاروں اور اشتہاروں کی زینت بنا دیا جائے،اگر اس قوم سے تہذیب کی بابت سوال کیا جائے تو بڑے شوق سے ماضی کے قصے سناتے ہیں ۔بھلا ان سے پوچھے وہ تو آپ کے اسلاف تھے جنہوں نے کارنامے انجام دیئے تھے آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟؟؟خون بہائے ہیں ، مظلوم پہ ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، اسلامی شعار کا مذاق اڑایا ہے، تہذیب و کلچر کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ دیا ہے، اور طبقاتی تفریق کا کلچر متعارف کروایا ہے؟؟۔

یہاں پر مجھے اس غلام قوم کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی کے الفاظ یاد آرہے ہیں کہ ’’غلام قوم کے معیار بھی عجیب ہوتے ہیں، شریف کو بے وقوف، مکار کو چالاک، قاتل کو بہادر اور مالدار کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں‘‘۔اگر دیکھا جائے کہ ہم مسلمان خوار کیوں ہو رہے ہیں؟ذلت و رسوائی ہمارا مقدر کیوں بن چکی ہے؟اور ہم روز بروز پستی کی طرف کیوں گامزن ہو رہے ہیں ؟؟؟تو اس کا جواب بھی موجود ہے جو ہمیں پیارے آقا حضرت محمد ﷺ آج سے صدیوں پہلے دے گئے تھے جس کا مفہوم ہے کہ اگر تم جہاد کو ترک کردوگے تو ذلت تمہارا مقدر ہوگی‘‘۔’’

آج ہم حالات کو دیکھیں تو ہم پر واضح ہوگا کہ ہم نے کوشش کرنا ترک کر دی ہے، جدو جہد کی بجائے اغیار کی امداد پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا ہے، اسی لئے آج ہماری گردنیں آئی۔ایم۔ایف کے بے رحم شکنجے میں جکڑی جاچکی ہیں ،اور ہم آج بھی سب کچھ جانتے ہوئے بھی حقائق سے آنکھیں چرا رہے ہیں اگر ذلت و رسوائی کے طوق کو اتار پھینکنا چاہتے ہیں تو ہمیں اغیار پہ بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے زور و بازو اور اپنے وسائل کو بروئے کار لاکر ہم سر اٹھا کر اور دنیا سے نظریں ملا کر جی سکتے ہیں ورنہ ہم اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے ،اپنی تہذیب و کلچر تو ہم بھلا چکے ہی ہیں اگر یہی حال رہا تو کوئی بعید نہیں ۔

تمہاری داستاں تک نہ ہو گی داستانوں میں

اردو ادب کے دبستان کا مہکتا پھول ۔۔ احساس

احساس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی 'محسوس کرنا' ہیں،اور احساس کا مادہ ہر انسان میں بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے ،ویسے تو یہ بحث کافی طویل ہے اس لیے میں یہاں ادبی جریدے احساس کی بات کرنا چاہوں گا،شاید یہاں جناب شفیق مراد اور ایم زیڈ کنول نے دم توڑتے اردو ادب کو محسوس کیا تو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے 'احساس' کا اجرا کیا جو کہ ایک احسن اقدام ہے۔

'احساس جرمنی' ایک خوبصورت کتابی سلسلہ ہے اور یہ منفرد کتابی سلسلہ اردو ادب کے گلشن میں کھلکھلاتے پھول کی مانند ہیں جو دبستان ادب میں اپنی خوشبو سے اہل علم و ادب کو معطر کر رہا ہے،اس جریدے میں عمدگی سے تمام چیزوں کو یکجا کرنے کی خوبصورت کوشش کی گئی ہے اور اس کوشش میں احساس کی انتظامیہ کافی حد تک کامیاب رہی ہے۔احساس کے گلشن میں جھانکیں تو کہیں آپ کو غزلوں کی مہکار نظر آئے گی ، کہیں آپ آزاد نظموں کی خوشبو سے لطف اندوز ہونگے ، کہیں اہل علم و ادب نے ادب کی فروغ میں ہونے والی کاوشوں کو سراہا ہے ، کہیں افسانوں نے اپنے خوبصورت رنگ بکھیرے ہوئے ہیں ، کہیں ادبی تقاریب کا احوال

خوبصورت الفاظ میں بیان کیا گیا، کہیں کتب پر خوبصورت آرائیں اور تبصرے نظر آتے ہیں تو کہیں ادبی دنیا میں نئی آنے والی کتب کی نوید کو خوبصورت پیرائے میں شائع کیا گیا ہے۔

احساس جرمنی، حاجی شریف احمد ایجوکیشنل اینڈ لٹریری اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا ادبی افق پر طلوع ہونے والا ایک خوبصورت کتابی سلسلہ ہے ،اور بلاشک و شبہ شریف اکیڈمی جرمنی علم و ادب کے فروغ کے لئے کوشاں ہے اور اس اکیڈمی نے قلیل مدت میں علمی و ادبی میدان میں گرانقدر خدمات انجام دے کر عصر حاضر میں نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے ،اس کامیابی کے پیچھے جناب شفق مراد اور ان کی ٹیم کی انتھک کوششوں کا ثمر ہے جس نے حاجی شریف احمد ایجوکیشنل اینڈ لٹریری اکیڈمی کو اس مقام تک پہنچایا ہے اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں ۔

جب بھی اس کتابی سلسلے اور خوبصورت ادبی جریدے 'احساس' کی بات کی جائے گی تو اس میں ایم زیڈ کنول کا تذکرہ ضرور ہوگا اور ان کے تذکرے کے بغیر احساس پر تبصرہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا، یہ ایم زیڈ کنول کی کاوشیں ہی ہیں جس نے آج ہم سب کو ایک جگہ لا اکٹھا کیا ہے ،ایم زیڈ کنول ایک خوبصورت ادیب،اور شاعرہ ہی نہیں بلکہ ایک درد دل رکھنے والی خاتون ہیں جنھوں نے ادب کے فروغ کا

بیڑہ اٹھایا ہوا ہے ،جو ادب کے راہوں کی پرانی راہی ہیں جنھوں نے اپنا ادبی سفر کئی دہائیوں سے جاری رکھا ہوا ہے اور ان کا پہلا پڑاؤ 'کائنات مٹھی میں ' تھا اس کے بعد ان پر کامیابیوں کے در وا ہوتے چلے گئے لیکن زیادہ کامیابیوں نے انہیں بجائے مغرور کرنے کے عاجز بنادیاہے جو کہ ایک انسان دوست اور درد دل رکھنے والی ہستی کی پہچان ہوتی ہے۔ایم زیڈ کنول پر بات ذرا طوالت پکڑ رہی ہے ،اور بات کا طویل ہونا اس بات کی گواہی ہے کہ ان کی ادبی کاوشوں کو گنوانے کے لئے کئی مظامین درکار ہیں، خیر واپس اپنے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔

احساس کا سرورق ایک منفرد اور دیدہ زیب ہے اس سرورق کی جس بات نے میری توجہ مبذول کی وہ احساس کی درمیان والی الف پر شمع کی روشنی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ روشنی اس بات کی دلیل ہے کہ علم وادب کے میدان میں ہم شمع روشن کرتے رہیں گے اور اپنے حصے کے دیئے جلاتے رہیں گے،شاید یہ شمع شریف اکیڈمی کے ہر پروگرام میں جلا کر اسی بات اعادہ کیا جاتا ہے کہ کہ جہاں میں شمع جلاؤ کہ بڑا اندھیرا ہے۔

آج کی یہ خوبصورت تقریب جگنو انٹر نیشنل کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے ،جگنو انٹر نیشنل ابھی ابتدائی مراحل میں ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اس کا آغاز ہی اتنا شاندار ہے تو یقیناً اس کا سفر بھی نہایت اچھا ہوگا اور یہ ادب

کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دے گا۔ میری دعا ہے کہ جگنو انٹر نیشنل کے تعاون اور حاجی شریف احمد ایجو کیشنل اینڈ لٹریری اکیڈمی نے احساس کے نام سے جو بیج بویا ہے وہ ادبی دنیا میں ایک تناور درخت کا روپ دھارے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

(احساس کی افتتاحی تقریب میں الحمرا ادبی بیٹھک میں پڑھا گیا)

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو

سیاست ایک ایسا عمل یا طریقہ کار ہے جس کے ذریعے عوامی حلقوں کے مابین مسائل پر بحث ہوتی ہے اور حکومتی یا ریاستی فیصلے عوامی رائے عامہ کی روشنی میں لئے جاتے ہیں۔

اس کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جیسے مذہبی اقتدار کے تحفظ کیلیے ،ذاتی مفادات کیلیے، ملکی وقار اور تحفظ کیلیے، عوامی حقوق کے تحفظ کیلیے اور اقتدار کے حصول کیلیے سیاست کی جاتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سیاست کی تعریف کچھ اس طرح سے کی جا سکتی ہے"سیاست ایک ایسا منافع بخش کاروبار ہے جس میں اگر آپ کامیاب ہو گئے تو آپ کو سیاست کے علاوہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی ، کیونکہ کامیاب سیاستدان بن جانے کے بعد آپ کا بینک بیلنس پٹرول کے نرخوں کی طرح بڑھتا چلا جائے گا،آپ کا کاروبار سونے کی کان کے مانند چمک اٹھے گا،اور آپ کے ذاتی اخراجات ایک غریب سے بھی کم ہو جائیں گے کیونکہ آپ کے اخراجات کی ذمہ داری بھی مملکت خداداد پاکستان پر ہو گی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی سیاست پوری دنیا کی طرح جمہوریت کو بچانے

کے لئے کی جاتی ہے اور یہاں جمہوریت کی اصل تعریف بدل کر کچھ یوں ہو جاتی ہے
جمہوریت ایک ایسا عمل ہے جس میں جمہور کا استحصال کرکے ان کی امنگوں کا خون کیا''
جائے اور اپنے اقتدار کو طول دیا جائے''جبکہ حقیقت میں عوام کی حکومت کو جمہوریت
کہتے ہیں اور جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے یونانی مفکر' ہیروڈوٹس' لکھتا ہے
جمہوریت ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی''
طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں''جمہوریت کی سب سے خوبصورت تعریف
سابق امریکی صدر ابراہم لنکن نے کی ہے۔

Goverment of the People by the People,for the people

عوام کے ذریعے ، عوام پر عوام کی حکومت کو جمہوریت کہتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ساری سیاسی پارٹیاں آمریت کو لعن طعن کرتی دکھائی دیتی
ہیں ، لیکن اگر کسی بھی جماعت کی بنیاد کو دیکھیں یا عروج پر نظر دوڑائیں تو ان میں
وردی کی آمیزش ضرور نظر آتی ہے، میرے ملک میں سیاسی پارٹیوں کی تاریخ کچھ اس
طرح سے ہے۔

سب سے پہلے پاکستان پیپلز پارٹی کی بات کریں تو اس جماعت کی قربانیاں بلا شک و شبہ
سب سے زیادہ ہیں لیکن اس پارٹی میں نظم و ضبط کا مظاہرہ بہت کم نظر آتا ہے اس
جماعت کے بانی جناب شہید ذوالفقار علی بھٹو اس وقت کے فوجی

آمر جنرل ایوب کی کابینہ میں وزیر تھے اور بعدازاں 1967ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔اس کے بعد پاکستان کی حکومتی جماعت پاکستان مسلم لیگ ن کی تاریخ کو پڑھیں تو اس کے قائد اور موجودہ وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب کو سیاست میں ایک جنرل نے متعارف کروایا اور وہ کافی عرصہ تک جنرل ضیاء الحق کے زیر سایہ حکومتی ایوانوں میں اور وزیراعلیٰ پنجاب رہے۔اس کے بعد پاکستان کی تیسری بڑی جماعت پاکستان تحریک انصاف کی بات کریں تو عمران خان نے اس جماعت کی بنیاد 1996ء میں رکھی۔ 1999ء میں نواز شریف کا تختہ الٹنے والے جنرل پرویز مشرف کے مارشل لاء کی حمایت کی۔بعد ازاں جنرل مشرف کے دوہزار دو میں ہونے والے ریفرنڈم کی بھی حمایت کی۔پہلی بار 2002ء کے عام انتخابات میں پاکستان تحریک انصاف نے واحد سیٹ حاصل کی اور عمران خان رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔لیکن بعد میں مشرف کے بارے ان کے خیالات تبدیل ہوگئے۔پاکستان تحریک انصاف کو اکتوبر 2011ء کے لاہور میں منعقد ہونے والے جلسے نے پاکستان کی مقبول ترین جماعت بنا دیا۔

جماعت اسلامی پاکستان سب سے پرانی ،بڑی اور نظریاتی جماعت ہے جو پاکستان بننے سے بھی پہلے کی ہے، نظم و ضبط بھی خوب ہے، سوشل خدمات کا بھی کافی تجربہ اور اس حوالے سے کافی محرک ہے لیکن آج تک یہ سمجھ نہیں آئی جس جماعت کو لوگ فنڈز اور کھالیں تو دیتے ہیں لیکن ووٹ نہیں، بہرکیف یہ پاکستان کی سب

سے پرانی نظریاتی جماعت ہے اور اس جماعت کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ موروثی سیاست پر یقین نہیں رکھتی اس لئے اس وقت سراج الحق صاحب اس کے پانچویں امیر ہیں ۔

متحدہ قومی موومنٹ شروع میں ایک لسانی تنظیم تھی جس کا ابتدائی دور میں نام 'مہاجر قومی موومنٹ' تھا جس کا مقصد اردو بولنے والوں کا تحفظ کرنا تھا بعدازاں 1997ء میں اس کا نام بدل کر متحدہ قومی موومنٹ رکھ دیا گیا، کراچی کے علاوہ سندھ میں کافی اثر رسوخ رکھتی ہے اور قومی اسمبلی میں اس کی نمائندگی کی شرح بڑھتی چلی جا رہی ہے، لیکن کچھ لوگ اس کو پرتشدد سیاسی جماعت کہتے ہیں، بہرحال اگر نظم و ضبط کی بات کی جائے تو اس جیسی منظم جماعت پورے پاکستان میں کہیں بھی نہیں ہے۔

جمیعت علمائے اسلام بھی پاکستان کی پرانی جماعت ہے پہلے یہ صرف مذہبی جماعت تھی بعد ازاں یہ جماعت بھی سیاست میں کودپڑی اور 1970ء کے عام انتخابات میں حصہ بھی لئے ،اس جماعت کے امیر مولانا فضل الرحمان ہر حکومت میں سے حصہ دار ہوتے ہیں اور ان کی یہ بات بھی زباں زد و عام ہے کہ کوئی حکومت ان کے بغیر بن نہیں سکتی اگر بن گئی تو ان کے بغیر چل نہیں سکتی۔

پاکستان میں اور بھی کئی سیاسی جماعتیں ہیں جن کا تذکرہ کرنا ضروری ہے پھر کسی کالم میں باقی جماعتوں کا بھی ذکر ہوگا، لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان جب بنا اور اس نے چلنا بھی شروع نہیں کیا تھا تو اس وقت کے ادوار کا اگر آج تقابل کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ میرے ملک کو اگر آمریت نے نقصان پہنچایا تو اس سے زیادہ ان سیاستدانوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، وہ میرے ملک کو لوٹتے رہے، آج اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سیاست کا احوال، سیاستدانوں کے قصے، جھوٹے وعدے، اغیار کی غلامی اور بھیک کا کشکول کا سوچ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے اور دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

سوچ نگر

اس جہاں فانی میں جا بجا حیرتوں کے ساماں بکھرے پڑے ہیں،انسان جانور سے بھی بدتر ہوچکا ہے، ظلمت کی شب طویل ہوتی جارہی ہے لیکن پھر بھی کچھ لوگ امید سحر کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔

یہ انسان جسے اشرف المخلوقات کے اعلیٰ عہدے پر فائز کیا گیا تھا، کبھی کبھار جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہوجاتا ہے، کبھی میں سوچتا ہوں کہ یہ وہی انسان ہے جس نے اللہ رب العزت کو کہا تھا تو ہی میرا رب ہے پھر یہ کیوں بھول گیا کہ وہ اس سے باخبر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے یہ انسان کیسا بے خبر اور نادان ہے کہ باخبر رب کو جو سمیع بھی ہے بصیر بھی ہے کو دھوکہ دینے میں مصروف ہے،دراصل وہ اپنے رب کو نہیں بلکہ خود کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے، حضرت انسان اگر اپنی پیدائش پر غور کرلے اور بنیاد کو پہچان لے تو اس کی ساری اکڑفوں نکل جائے گی لیکن یہ جو دوسروں کو عیبوں پر رائے زنی کرتا ہے، کبھی اپنے گریبان میں جھانکے تو معلوم ہو کہ حقیقت کیا ہے؟

اے انسان ! سنبھل جا اور باز آجا کیونکہ لمحہ بہ لمحہ اس کی زندگی گھٹتی جارہی ہے اور تجھے اپنے کیے ہوئے کاموں کا حساب دینا ہوگا،ابھی وقت ہے لوٹ

جا،اس کریم رب کی طرف جس کی رحمت آج بھی بانہیں کھولے تجھے خوش آمدید کہنے کی منتظر ہے پھر پچھتائے گا۔

جب لاد چلے گا بنجارا۔

اور کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا سے پیار و محبت ختم ہوتا جا رہا ہے، عشق و محبتیں کی باتیں افسانے سے محسوس ہوتے ہیں ،اسی طرح اگر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ پھولوں سے خوشبو بھی ماند پڑتی جا رہی ہے، پھول کھلتے ضرور ہیں پر وہ خوشبو سے خالی ہوتے ہیں جیسے ہم بظاہر ایک دوسرے سے ہنس کر ملتے ہیں لیکن ہمارے اندر منافقت موجود ہوتی ہے۔

!یارو

یہ منافقت کا لبادہ ہمیں اتار پھینکنا چاہئے اور پھر سے واپس محبت کے دیس میں لوٹ جانا چاہئے ،جہاں پیار کے نغموں کی سریلی دھن ہو،جہاں الفت کا درس دیا جا رہا ہو،جہاں پیار کی چاشنی ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہو کر سب کے لئے اچھے جذبات ہوں تاکہ یہ دنیا پھر سے محبت کا گلشن دکھائی دے۔

ویسے ہم انسان بھی کافی عجیب ہوتے ہیں ،ان چیزوں سے پیار کرتے ہیں جن میں وفا نہیں ہوتی، ہم لمبی زندگی کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کی آسائش کے سارے

سامان اکٹھے کرتے ہیں، لیکن یہ زندگی بھی ہم سے بے وفائی کرکے ہمیں موت کے حوالے کر جاتی ہے، ہم خود کو بنا اور سنوار کر رکھتے ہیں اور حسن کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں لیکن حسن بھی چار دن کے بعد دغا دے جاتا ہے۔

مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم بے وفا چیزوں کے پیچھے کیوں بھاگتے ہیں ؟شاید ہم خود بھی خود سے وفادار نہیں اس لئے بے وفا چیزوں کے پیچھے بھاگنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے ۔ہمیں اپنی عادت کو تبدیل کرنے کے لئے پہلے خود سے وفاداری کرنا ہوگی ،اور ان چیزوں کے پیچھے بھاگنا اور سوچنا ہوگا جو دائمی ہوں اور جن کا وجود ہمیشہ کے لئے رہے۔

قارئین !اب تو روز بروز دنیا کے جھمیلے بڑھتے چلے جارہے ہیں، خون کے رشتے پتلے اور کمزور ہو چکے ہیں ،چار سو افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہے ،ہر کوئی اپنے ہی بارے فکر مند اور اپنی پیٹ پوجا میں مصروف ہے ، کسی کو کسی کا احساس تک نہیں،انسانیت دم توڑتی محسوس ہوتی ہے، کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان حیوان بن چکا ہے بلکہ جانور سے بھی بدتر۔۔۔

کبھی کبھار ایسا لگتا ہے کہ دنیا کا خاتمہ قریب آچکا ہے اور قیامت بس نزدیک ہی ہے کیونکہ قیامت کی اکثر نشانیوں کا ظہور ہو چکا ہے ،لیکن سوچتا ہوں کہ ،

دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ کر بھی کیسے سلامت ہے تو ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید کہیں کچھ برگزیدہ ہستیاں بھی موجود ہیں جو انسان نما احساس سے عاری اجسام میں انسانیت کے پرچار میں مصروف ہیں اور انہی ہستیوں کی بدولت اس دنیا کا نظام رواں دواں ہے، لیکن ہمیں سنبھلنا ہوگا اور کچھ کرنا ہوگا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے خود کو بدلنا ہوگا، نہیں تو۔

ایسا نہ ہو کہ درد بنے درد لادوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

قارئین! اگر موجودہ حالات کو دیکھیں تو وقت کا پہیہ تیزی سے رواں دواں ہے کسی نے کہا تھا کہ زندگی ایک دوڑ ہے جس میں جتنا تیز دوڑو گے اتنا ہی آگے نکل جاؤ گے، میں اس وقت یہ سوچا کرتا تھا کہ زندگی کیسی دوڑ ہے؟ پھر ذہن کے کسی کونے میں یہ خیال آیا کہ زندگی کو دوڑ اس لئے کہا ہوگا کہ زندگی میں جتنی زیادہ محنت کرو گے اتنی ہی زیادہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی،ایک عرصے تک میں اسی سوچ پر کاربند رہا، لیکن جب حقیقت آشکارا ہوئی تو وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ واقعی زندگی ایک دوڑ ہے لیکن اس میں اس کا مقابلہ وقت کے ساتھ ہے جو تیزی سے ہاتھ سے نکلتا چلا جا رہا ہے اور وقت کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے جبکہ زندگی کی رفتار سست ہے،اس لئے اگر اس دوڑ میں جیتنا چاہتے ہو تو وقت کی قدر کرو۔

کامیاب انسان وقت کی قدرو قیمت کو سمجھتا ہے اس لئے وہ وقت کے ہر پل کو ضیاع سے بچانے کے لئے اس کا استعمال بخوبی کرتا ہے جبکہ بے وقوف قوم کے احمق افراد خواب غفلت میں ڈوب کر قیمتی وقت کا ضیاع کر رہے ہیں۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مصروف زندگی میں وقت کا پتا ہی نہیں چلتا، جبکہ کچھ کا خیال ہے کہ وقت میں برکت نہیں رہی، اس لئے وقت تیز سے تیز تر ہو گیا ہے جبکہ میرا خیال اس کے برعکس ہے کہ وقت تیز نہیں ہوا ہے بلکہ ہم نے زندگی کو دنیا کے جھمیلے میں اس قدر مصروف کر دیا ہے کہ وقت کی قدر کا بھی احساس نہیں رہا ہے۔

انسان خود کو آسائشوں سے آراستہ کرکے سہولیات سے مستفید ہونے کی تگ و دو میں مصروف ہیں لیکن پھر بھی مصیبتیں ہیں کہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں، نجانے یہ زندگی کی پریشانیاں کب ختم ہوں گی ؟ یہ مصروفیات کا خاتمہ کب ہوگا؟کب ہمیں سکون میسر آئے گا ؟کب ہم بھی چین کی نیند سو سکیں گے ؟آخر کب ؟؟؟؟

لگتا ہے اس دنیا میں بس ٹینشنیں ہیں، دکھ اور پریشانیاں ہیں، لوگ آسائشوں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو مصروفیات میں گم ہو کر خود کو بے بس محسوس کرتے

!!! ہیں،اور دنیا کی پریشانیوں کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں

اب تو یہ خیال سا لگتا ہے کہ کبھی تو سکون ملے گا کیونکہ ہم گم ہوتے چلے جا رہے ہیں دنیا کی مصروفیات کی بھیڑ میں، جہاں صرف ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے کوئی کسی کے ساتھ مخلص نہیں، کوئی کسی کا درد بانٹنے والا نہیں، سب ہی خود غرض ہیں !!! اپنی ہی ذات سے محبت کرتے ہیں، سبھی انا کے مارے ہوئے ہیں،

ایسا محسوس ہوتا ہے جب تک زندگی کی سانسیں باقی ہیں، پریشانیاں بھی ساتھ ساتھ چلیں گی، مصروفیات کے ساتھ بدآرامی بھی رہے گی اور ہم سکون کی تلاش میں سرگرداں یہ بھولے رہیں گے کہ سکون تو صرف اللہ کی ذکر میں ہے، سکون تو صرف اللہ کی مخلوق کی محبت میں ہے اور سکون تو نفس کی خواہشات دبانے میں ہے لیکن ہم پھر بھی اس طرف نہیں آتے۔

جب تک اس دنیا میں احساس ہے اس وقت تک ہم اپنے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچتے رہیں گے، ہر انسان کے اندر احساس کا مادہ ہوتا ہے، احساس عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی محسوس کرنا ہیں، ہر انسان کے اندر حسیات اور محسوس کرنے کا مادہ موجود ہوتا ہے کسی میں یہ کم ہوتا ہے تو کوئی بہت زیادہ

حساس ہوتا ہے، لیکن آج کل کچھ لوگ تو احساس سے بے بہرہ دکھائی دیتے ہیں، جبھی تو طبقاتی تفریق میں اضافہ دکھائی دیتا ہے، محبتوں میں کمی، نفرتوں میں زیادتی اور ایک دوسرے سے فاصلے بڑھتے نظر آتے ہیں۔

جس میں احساس کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس میں بلاشک وشبہ محسوس کرنے کی حس بھی زیادہ ہوتی ہے، جس سے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت زیادہ محسوس کرتا ہے اور بعض اوقات اسے کافی نقصان بھی اٹھانا پڑ جاتا ہے، کچھ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وصف بھی شامل کر دیا گیا ہے جس میں حساسیت کی زیادتی ہو وہاں برداشت کی بھی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

قارئین! کبھی سنا تھا کہ دنیا میں پیسے سے آپ ہر چیز خرید سکتے ہو، میں ڈھونڈ رہا ہوں بے لوث دوستی کو، میں سچی محبت کو خریدنا چاہتا ہوں، میں اچھے اخلاق کا بیوپاری ہوں ذرا مجھے اس بازار کا پتہ تو بتا دیجئے جہاں خوش نما مسکراہٹ رقص کرتی ہے، میں یہ بھی، جانتا ہوں کہ مجھے یہ چیزیں پیسے سے کہیں سے بھی نہیں مل سکتیں!!

پھر ان چیزوں کو پانے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟؟؟

بے لوث اور مخلص دوست حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنے اندر ایک ایسا خلا پیدا

کرنا ہو گا جہاں دوستوں کی برائیوں اور خامیوں کو اس میں چھپا دوں، پھر اپنے اندر ایک قوت برداشت پیدا کرنا ہو گی، جس میں اس کے کڑوے لہجے کو سہ سکوں، سچی محبت کو پانے کے لئے خود کو وفاداری کے پیمانے پر ماپنا ہو گا، اصل میں اس دنیا میں وہی لوگ خوش نصیب ہیں جن کے والدین حیات ہیں انہیں اپنے والدین سے سچی محبت بھی مل جاتی ہے، پرخلوص دعائیں بھی اور نیک تمنائیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں، اس لئے اپنے والدین کی قدر کرو کیونکہ قرآن مجید ہمیں واضح حکم دیتا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

قارئین! اب تو یہ دنیا اندھیرے کی طرف گامزن ہے، اگر اندھیرے کی بات کی جائے تو اندھیرا ویسے تو ہیبت ناک محسوس ہوتا ہے، کچھ لوگ پھر بھی رات ہونے کا اور اندھیرا چھا جانے کا انتظار کرتے ہیں، یہ رات کا اندھیرا بھی انہیں اپنے دامن میں لے کر مزے سے سلا دیتا ہے۔

جبکہ کچھ لوگ شب کی تاریکی میں گناہوں کی دلدل میں دھنستے رہتے ہیں اور اپنے کریم رب کو بھولے ہوتے ہیں، پھر جب ان کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ دیکھتے اور حیران ہو جاتے ہیں کہ مہلت کے طور پر انہیں اک نئی صبح ملتی ہے کہ شاید وہ کریم رب کی طرف لوٹ جائیں۔

صبح سویرے کھلتی کلیوں، چہچہاتے پرندوں اور جہاں میں بکھری رب کی نعمتوں کو

دیکھ کر دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے ۔
خطائیں دیکھتا بھی ہے، عطائیں کم نہیں کرتا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا وہ اتنا مہربان کیوں ہے

کاش! یہ ہجوم اک قوم بن جائے

یہاں پر جھوٹ بکتا ہے، ظلم کے بازاروں میں رش دکھتا ہے،انصاف رشوت کی میزانوں میں تلتا ہے، قلم بھی بکتا ہے،ایمان کا سودا بھی ہوتا ہے،یہ ایسا تعفن زدہ معاشرہ ہے جہاں سے سے بڑا جرم غربت ہے،اور غریب کی سزا یہی ہے کہ وہ اس بدبودار معاشرے میں ذلت کی زندگی گزارے اور آہ و بکا بھی نہ کرے، کیونکہ اس سے بھی امراء کے آرام میں خلل ہوتا ہے،اگر زیادہ ہی مسئلہ ہو تو پٹرول چھڑک کر خود کو آگ لگا لے یا پھر کسی ریل گاڑی کے نیچے آکر خودکشی کرکے خود کو زندگی کی قید سے آزاد کروالے کیونکہ یہ معاشرہ اس نہج پر پہنچ چکا ہے،جہاں انسانیت دم توڑ گئی ہے،احساس کا مادہ ناپید ہو چکا ہے،اور شاید یہی نفسا نفسی کا زمانہ ہے جہاں ہر کسی کو اپنی فکر ہے۔

اس معاشرے میں رہنے کے لئے اپنے ضمیر کی آواز کو سلانا ہوگا،سچ بولتی زبان کو چپ کرانا ہوگا،انصاف کے لئے عدل کے میزانوں میں رشوت اور ہر جائز کام کے لئے بھی سفارشی کلچر کو اپنانا ہوگا کیونکہ یہ معاشرہ اتنا غلیظ ہو چکا ہے کہ یہاں انسانی جان اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھی ہے ،جہاں انسانی خوں اتنا سستا ہو چکا ہے کہ بیچ چوراہے میں انسان لاٹریاں رگڑ کر مرتا رہےاور پوری

خلقت اسے تکتے ہوئے بھی آنکھیں مونڈ لے تو اس قوم کو کیا کہیں گے بلکہ وہ قوم نہیں لوگوں کا ہجوم ہو گا جو دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہو اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن چکی ہو۔

فرشتوں نے جسے سجدہ کیا تھا
وہ کل فٹ پاتھ پر مردہ پڑا تھا

جب اس معاشرے کی تنزلی کا تذکرہ ہوتا ہے تو لوگ بڑے شور سے اور دعوے کے ساتھ ببانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ سب حکمرانوں کا کیا دھرا ہے، بھلا کوئی ایسے لوگوں سے پوچھے کہ ان لوگوں کو حکمرانی کرنے کا حق دیا کس نے ہے؟ یہ کون سی مخلوق ہے جو آپ پر آ کر مسلط ہو گئی ہے اور تم کہتے ہو کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ،بلکہ ہمارے زوال کا سبب حکمران طبقہ ہے، جیسی قوم ہوگی ،جیسے لوگ ہوں گے ویسے ہی حکمران ان پر مسلط کئے جائیں گے۔

اس قوم میں نفرت کے بیوپاری بھی جابجا بکھرے نظر آتے ہیں، جو محبت کی بجائے فرقہ پرستی کی تجارت کرتے ہیں ،اس قوم کے ''ملا''منبر رسول پر بیٹھ کر نفرت کا کاروبار کرتے ہیں ، یہاں مفتی اپنی مرضی کے فتوے بڑے سستے داموں بیچ دیتے ہیں اور کچھ تو اس قوم کو میڈیا کے ذریعے ''جدید مفتی'' میسر ہیں جو اپنے تئیں اسلام پر تجربہ کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

یہاں تہذیب بکتی ہے ، یہاں فرمان بکتے ہیں
ذرا تم دام تو بدلو، یہاں ایمان بکتے ہیں

لوگوں کے اس ہجوم پر مولانا عبیداللہ سندھی کے یہ الفاظ بالکل صادق آتے ہیں ''غلام قوم کے معیار بھی عجیب ہوتے ہیں شریف کو بے وقوف، مکار کو چالاک، قاتل کو بہادر اور مالدار آدمی کو بڑا سمجھتے ہیں''اس قوم میں سے کئی دیوانے بھی کھڑے ہوئے ،جو اس قوم کو جگانا چاہتے تھے ،آج بھی تاریخ کو اوراق کو پلٹیں اور زیادہ دور نہ جائیں تو سر سید احمد خان نے تعلیم سے اس قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ،اقبالؒ نے اپنی، شاعری سے اس قوم کو جھنجھوڑا، لیکن یہ قوم آنکھیں کھولنے کے بعد پھر نیند کی آغوش میں چلی جاتی،اب تو یہ قوم تفرقوں میں بٹتی چلی جا رہی ہے، طبقات میں تقسیم در تقسیم ہو رہی ہے اور قوم کی بجائے یہ لوگوں کا ایک ہجوم سا ہے جسے اغیار اپنی مرضی سے ہانکے چلے جا رہے ہیں،اور یہ قوم خوشی خوشی ظلمت کی طرف رواں دواں ہے، تنزلی کے سفر میں اس کی رفتار بڑھتی چلی جا رہی ہے ،اگر یہی حال رہا اور ہم نہ بدلے تو اس کے وطیرے کو دیکھتے ہوئے کوئی بعید نہیں کہ ۔

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
کبھی لوگوں کے ہجوم میں کسی کو خیال آ بھی جاتا ہے کہ ہم ظلمت کے راہی ہیں

ہمیں واپس اجالوں کی طرف لوٹنا ہوگا۔ترقی کی راہیں ہماری منتظر ہیں، خوشحالی ہمارا راہ تک رہی ہے، تیرگی کے دبیز اندھیروں سے پیچھا چھڑانا چاہیئے ، لیکن پھر وہ سوچتا ہے کہ میرے اس طرح واپس پلٹنے سے کونسا انقلاب برپا ہو جائے گا، سبھی جا رہے ہیں تو مجھے بھی ان تنگ راہوں پہ جا کر شب کی دبیز اندھیروں میں رہنا ہے رہ لوں گا، پھر وہ بھی اپنی سوچ کی لہروں کو آزاد چھوڑ کو غلامی کو اپنا مقدر بنا لیتا ہے حالانکہ روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن بھی اندھیرے کو چیر کر رکھ دیتی ہے اور ویسے بھی ۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

لیکن پہلے ہم ایک ''ملت''تو بن جائیں ،کاش کہ لوگوں کا یہ ہجوم اب تو خواب غفلت سے بیدار ہو اور ہم پھر سے ترقی کے سفر پر گامزن ہو جائیں ،اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

قتال فی سبیل اللہ اور جماعت اسلامی

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے کہ ''قتال تم ہر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار (برا) محسوس ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو،اور تم کسی کام کو اچھا سمجھو جو کہ تمہارے لئے برا ہو اور اللہ تعالیٰ جو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے''۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک خود مختار ریاست ہے،اس لئے اس ریاست کے قانون اور رٹ کو جو چیلنج کرے گا وہ مجرم ہوگا اور مجرم کے لئے قانون میں سزا بھی موجود ہے لیکن اس اسلامی ریاست میں اگر کوئی ریاست کی مرضی کے بغیر ''قتال'' کرے گا جب ریاستی ادارے سو رہے ہوں اور قانون رشوت کی میزانوں میں تل رہا ہو تو بھی جائز نہیں ہوگا؟؟؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی کسی جماعت کا سابق امیر'' قتال فی سبیل اللہ'' کی بات کرے گا تو ایک شور مچ جائے گا حالانکہ اس نے یہ وضاحت بھی کی ہو گی کہ مسلمانوں کے لئے جہاد اور قتال صرف فی سبیل اللہ پر ہی جائز ہے اس کے علاوہ اپنی ذات،اقتدار، عصبیت،اور مال و دولت سمیت ہر صورت میں وہ فساد ہے مغربی طاقتوں کے غلام اور نوالوں پر پلنے والوں کا بس نہیں چلتا ورنہ جہادی آیات سے قرآن سے نکال دیتے،سید

منور حسن صاحب آپ کی بات بالکل بجا ہے کہ ان لوگوں کا بس نہیں چلتا کہ جہادی آیات کو قرآن سے نکال دیں کیونکہ اس بابرکت کتاب کی حفاظت کا ذمہ میرے رب نے لیا ہوا ہے حالانکہ تعلیمی نصاب سے یہ آیات تقریباً نکالی بھی جا چکی ہیں۔

سید منور حسن صاحب ایک درویش صفت انسان ہیں وہ لگی لپٹی بغیر بیان کر دیتے ہیں شاید ان کے بغیر سوچے سمجھے بیانات نے جماعت اسلامی پاکستان کو بجائے دوام بخشنے کے تنزلی کی طرف گامزن کیا ہے کیونکہ میرے پاکستان کی سیاست میں سیدھے سادے انسان کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سیاسی میدان میں وہی کامیاب ہے جو دوغلی پالیسی اپناتا ہے اور تیل کی دھار کے ساتھ چلتا ہے، سید صاحب ایک صاف گو انسان ہونے کی وجہ سے منافقت سے دور ہیں اس لئے وہ اس معاشرے کی دوغلی پالیسیوں کو نہ اپنانے کی وجہ سے سیاسی میدان میں ''مس فٹ'' ہیں، پہلے جب منور حسن صاحب کا اس طرح کا کوئی بیان نظر سے گزرتا تو سمجھتا کہ جماعت کی پالیسی ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ اس دائرہ کار میں کاربند ہیں لیکن جب سے سراج الحق صاحب نے امارت کا منصب سنبھالا ہے تو جماعت کے ساتھ ساتھ پورے ملک کی سیاست میں ایک ہل چل سی مچی ہے، اور یقیناً لاہور کا اجتماع عام ایک کامیاب شو تھا جس میں جماعت نے پورے زور و شور سے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ٹھہری، روشن پاکستان، نئے پاکستان کے بعد

شاید جماعت بھی اسلامی پاکستان کی تگ و دو میں مصروف عمل ہے۔

سراج الحق صاحب ایک جوان آدمی ہے جس کا ماضی بے داغ اور قابل رشک ہے، لیکن جماعت اسلامی کی امارت کا منصب سنبھالنے کے بعد جہاں انہوں نے جماعت کو فعال کیا ہے وہیں بعض لوگ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہیں کہ جماعت اسلامی جو ایک دائرہ کار میں رہ کر سیاسی جدوجہد کرتی چلی آرہی تھی اب اس دائرہ کو وسیع کر دیا ہے یا پھر باقی سیاسی جماعتوں کی طرح تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو پر عمل پیرا ہو گئی ہے اور انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے عمران خان کو بھی کہنا پڑا کہ سراج الحق صاحب وکٹ کے دونوں طرف کھیلنا بند کر دیں اور بتائیں کہ وہ کس کے ساتھ ہیں ؟اور سراج الحق نے بھی سیاسی جواب اسی تواتر سے دیتے ہوئے کہا کہ وہ کرکٹ نہیں فٹ بال کے کھلاڑی ہیں اور ایک سائیڈ سے کھیلتے ہیں بہر کیف جماعت اسلامی کو ایک جوان اور فعال قیادت، سراج الحق کے روپ میں مل گئی ہے جس سے اس نے استفادہ حاصل کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ سید صاحب کے زمانے میں یہ جماعت جمود کا شکار رہی ہے،اب یہ وارم اپ ہو گئی ہے اور پاکستانی سیاست میں کھیلنے کیلئے اکھاڑے میں اترنے کے لئے تیار ہے۔

بہر کیف جماعت اسلامی ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بڑی، پرانی اور نظریاتی سیاسی جماعتوں میں سے ہے،اس میں نظم و ضبط کے ساتھ ساتھ ایک مکمل سوشل نیٹ

ورک ''الخدمت'' کے نام سے ہے۔لوگ اس جماعت کو پسند بھی کرتے ہیں فنڈز عطیات کے ساتھ ساتھ قربانی کی کھالیں بھی دیتے ہیں لیکن ووٹ نہیں دیتے۔اور۔ جماعت اسلامی کے ساتھ باقی سیاسی جماعتیں بھی سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے لئے الحاق کرتی ہیں لیکن ان کے کسی نمائندے کی سپورٹ نہیں کی جاتی۔

ان سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہ سکتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سیاست ایک گورکھ دھندہ ہے اسے سمجھنے کے لئے اگر انسان قریب جاتا ہے تو پھر بھول بھلیوں میں گم ہو کر یہ سوچتا ہے کہ پاکستان کی سیاست میں اگر اسٹیبلشمنٹ کا کردار ضروری ہے تو وہیں پر موروثی سیاست کے فروغ کا رجحان بھی موجود ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے کہ ''قتال تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار (برا) محسوس ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو،اور تم کسی کام کو اچھا سمجھو جو کہ تمہارے لئے برا ہو اور اللہ تعالیٰ جو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے''۔

خدارا! انسان بن جائیں

حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ ''لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے'' دور حاضر میں جہاں انسانیت دم توڑ رہی ہے، نفرتوں کا کاروبار عروج پر ہے، ظلمت کا دبیز اندھیرا پھیلتا چلا جا رہا ہے تو اس وقت ان اندھیروں کے چھٹنے کا انتظار کرنے کی بجائے روشنی کی ایسی شمع جلائیں ،جس سے محبت کی کرنیں پھوٹیں اور چار سُو پیار کے نغمے گونجنے لگیں ۔لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایسی شمع کون جلائے کہ جو تیرگی کو ختم کر دے تو اس کے لئے دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیں کیونکہ اگر اس وقت دنیا میں اگر خود سکون چاہتے ہو تو دوسروں کے مصائب و آلام کو ختم کرنے کی تگ و دو کرو اور اللہ کا ذکر کرو کیونکہ اس سے دلوں کا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

موجودہ حالات میں انسان کو اس کا جائز حقوق نہیں ملتے ۔لیکن جب وہ مانگتا ہے تو اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا جاتا ہے، جھڑکی کھانے کے بعد بھی اگر وہ صدا بلند کرتا ہے تو اسے زدوکوب کیا جاتا ہے اور اس معاشرے میں اگر کوئی معذور کمیونٹی اپنے حقوق کی آواز بلند کرتی ہے تو ان معذوروں پر لاٹھی چارج کیا جاتا ہے،آپ ایک لحظہ تصور تو کریں ایک نابینا جو دیکھنے سے بھی قاصر ہو اور

اسے سڑکوں پر گھسیٹ کر بیچ چوراہے میں لاٹھیوں سے پیٹا جا رہا ہو اور وہ دیکھ ہی نہیں پا رہا ہو کہ میرے ساتھ ایسا ظلم عظیم کیونکر ہو رہا ہے؟۔شاید وہ نابینا تو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن ایک ذات سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ ایوان اقتدار میں کچھ لوگ کروفر اور تکبر سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے شاید وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، کوئی بعید نہیں ظلم کی ایسی تیز آندھی آئے جو تمہارے محلوں کو بھی تباہ و برباد کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مرگلہ کی پہاڑیوں سے کوئی آفت نازل ہو جائے کہ تمہیں معلوم ہی نہ ہو اور صفحہ ہستی سے مٹا دیے جاؤ،اب آنکھیں کھولو، ہوش میں آؤ، تکبر و غرور کے لباس کو اتار کر عاجزی و انکساری کی چادر اوڑھ کر توبہ تائب ہو کر مخلوق خدا میں آ کر ان معذوروں کی داد رسی کرو،ان کے جائز حقوق انہیں دو کیونکہ معذور کیمیونٹی میرے معاشرے کا اہم حصہ ہے انہیں عزت سے جینے کا حق باعزت طریقے سے دیا جائے، کیونکہ جس معاشرے سے انصاف اٹھ جاتا ہے وہاں ظلم کا راج ہوتا ہے اور ظلم کی حکومت پائیدار بھی نہیں ہوتی اور تادیر بھی نہیں ہوتی۔

اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے حکمران طبقہ کو چاہیۓ کہ میرے اللہ تعالیٰ نے اگر ان کو عزت و منصب سے نوازا ہے تو اس کا لحاظ کریں اور اس معاشرے میں دکھی انسانیت کی بہتری اور بحالی کے لئے دن رات ایک کر دیں کیونکہ درحقیقت قوم کا حاکم قوم کا خادم ہوتا ہے جو اپنی رعایا کا خیال رکھتا ہے میرے نبی ﷺ

کی حدیث کا مفہوم ہے کہ ''تم سے اپنی رعایا کے بارے سوال کیا جائے گا'' پھر کیا جواب دوگے ؟؟؟ یہی کہتے ہو کہ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ کو بڑا رحیم و کریم ہے وہ معاف فرما دے گا، بلاشک و شبہ میرا رب بہت غفور اور رحیم ہے کہ جسے چاہے گا اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے گا لیکن اپنے بندوں کے حقوق معاف نہیں فرمائے گا،اور حقوق العباد صرف بندے ہی معاف کر سکتے ہیں اس لئے ڈرو اس وقت سے جب مہلت ختم ہو جائے گی ابھی وقت ہے لوٹ آؤ اور اس تعفن زدہ معاشرے میں دکھی انسانیت کی خدمت کرکے ان کے ویران چہروں کو رونق بخشو،ان کے غمگین آنکھوں میں سہانے سپنے سجاؤ اور ان کے پپڑی زدہ سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھیرو،ابھی وقت ہے۔۔

دکھی انسانیت پر مرہم رکھنا صرف ایوان اقتدار میں بیٹھے لوگوں کا کام نہیں ہے یہ ہمیں سب کو مل کر کرنا ہوگا تاکہ ہم ہر طرف خوشیوں کی بہاریں ہوں اور اس معاشرے میں چار سو محبت رقص جرتی دکھائی دے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر دکھی انسان کے زخموں پر مرہم لگاؤگے اور طبقاتی تفریق کو مٹا کر سب کو برابری کا درجہ دو گے کیونکہ میرے نبی ﷺ نے فرمایا تھا جس کا مفہوم ہے کہ ''کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر ،اور کسی گورے کو کالے پر یا کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں''۔

دکھی انسانیت کی خدمت کے لئے جہاں بہت سی بڑی بڑی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور این جی اوز کام کر رہی ہیں وہیں چھوٹے پیمانے پر ایک منظم طریقے سے انسانیت کی فلاح کا کام ہو رہا ہے ان میں سے ہمارے ایک دوست ملک ابو بکر یعقوب بھی الاحسان ویلفیئر کے نام سے دکھی انسانیت کی خدمت کو شعار بنائے ہوئے ہیں، وہ مریضوں کے لئے جہاں مفت میڈیکل کیمپ کا اہتمام کرتے ہیں وہیں سیلاب زدگان کی امداد میں بھی پیش پیش رہتے ہیں ہمیں ان لوگوں کی بھی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے جو معاشرے میں محبت بانٹنے کا کام بڑے خوبصورت انداز میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کی خدمات کو قبول فرمائے واقعی یہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ ''لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے''۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

بھولنے کی بجائے سبق حاصل کریں

ہم بھلکڑ قوم ہیں ہر بات ، ہر سانحہ ، ہر زخم اور ہر کامیابی کو بھی جلد بھول جاتے ہیں بھول جانا بھی کئی طرح کا ہوتا ہے انسان کو کوئی حادثہ درپیش آئے اور وہ اس سے ، سیکھے پھر حادثے کو بھلا کر نئی راہوں پر نکلتے ہوئے ایسے اقدامات کرے تاکہ پھر ویسا کوئی حادثہ نہ ہو لیکن ہم ایسا نہیں کرتے ، ہر گزرتے دن کے ساتھ ہمارے زخم جیسے ہی مندمل ہوتے ہیں تو ہم اس سانحے کو بھول جاتے ہیں ،اور اس سانحے سے کوئی سبق حاصل کرنے کی بجائے زندگی کے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں ، پھر سے آنکھیں موند لیتے ہیں اچانک پھر ایک حادثہ رونما ہوتا ہے تو چند لمحوں کے لئے آنکھیں کھولتے ہیں ،آنسو بہاتے ہیں ، فیس بک پر واویلا مچاتے ہوئے اپنی ڈسپلے فوٹو کو سیاہ کر دیتے ہیں،اس حادثے پر ادیب ، شاعر، صحافی اپنا قلم چلاتے ہوئے نظمیں ، غزلیں ، نثریے اور کالم لکھ دیتے ہیں، سول سوسائٹیز شمعیں روشن کرتی ہیں،شاید کہیں کہیں دعائیہ تقاریب کا اہتمام بھی ہوجاتا ہے اور حکومتی سطح پر کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں لیکن وہ چند دن اور پھر ہم بھول جاتے ہیں۔

اگر ہم نہ بھولتے،اپنی تاریخ کو یاد رکھتے ،اپنا تابناک ماضی اپنے پاس محفوظ رکھتے اسلاف کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ،اور اپنے پیروکاروں کے ،

نقش قدم پر چلتے تو ہم کامیاب ہو جاتے ۔لیکن افسوس کہ ہم بھول گئے اور اغیار کی باتوں میں آ گئے ،پھر انھوں نے سازشیں چلیں میرے خوبصورت گلشن کو جلانے کی، میرے حسین وطن کو تباہ کرنے کی اور پیارے پاکستان کو تباہ کرنے کی ،لیکن ہم نہیں جان پائے ہم لاشے اٹھاتے رہے ،ہماری املاک جلتی رہیں ،ظالم ہمارے ساتھ مل کر ظلم کے خلاف جھوٹی آوازیں لگاتا رہا، ہم اسے نہیں پہنچان پائے ۔اس طرح ہم آج بھی بھٹک رہے ہیں ظلمت کے اندھیروں میں گم ہوتے چلے جا رہے ہیں ،ذلت و رسوائی کا طوق گلے میں ڈالنے کے لئے اغیار کی ڈکٹیشن پر چل رہے ہیں ،ہمیں اب واپس جانا چاہئے اور لوٹ جانا چاہئے ویسے بھی صبح کا بھولا ہوا، شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ۔
اسی طرح جو سانحہ گزشتہ دنوں رونما ہوا ، سولہ دسمبر پاکستان کی تاریخ کا سیاہ دن تھا لیکن پشاور حادثے نے اسے سیاہ ترین دن بنا دیا جب معصوم کلیاں دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گئیں وحشی درندوں نے معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی ،اور ان کلیوں کو مسل دیا گیا جو ابھی کھلی ہی نہیں تھیں ،دنیا کا کوئی مذہب بھی ایسے ظلم عظیم کی اجازت تو درکنار واضح مذمت کرتا ہے اور ایسے دہشت گردوں کا کسی مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ انسانیت کے ساتھ بھی کوئی رشتہ نہیں ہے یہ انسان نہیں جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں لیکن اس المناک سانحے کے بعد تمام سیاسی و عسکری قیادت ایک پیج پر اکٹھی نظر آئیں اور قوم بھی بیدار ہو کر ان کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آئی ،چاہئے تو

یہ ہے کہ اس قوت کو اب بروئے کار لا کر ایسے شر پسند عناصر کو کچل دیا جائے لیکن افسوس ابھی تو زخم ہرے ہیں، ابھی تو ان سے خون بھی رس رہا ہے، ابھی تو ان معصوم کلیوں کی چہکار فضا میں سنی جا سکتی ہے، ابھی تو ان کے دردناک کراہیں ہمارے دل و دماغ پر دستک دیتے ہوئے ہم سے پوچھ رہی ہیں کہ

اے والیء شہر! اتنا تو بتا

آخرش ہمارا قصور تھا کیا

لیکن ہم ان معصوم کلیوں کے بہنے والے خون کو بھی بھول جائیں گے کیونکہ ہم حادثے سے سیکھنے کی بجائے نئے سانحے کے منتظر رہتے ہیں اور تب چند لمحے کے لئے ہماری آنکھیں وا ہوتی ہیں جب کوئی نئی واردات ہوتی ہے۔اور بے حسی کی انتہا تو ملاحظہ کیجئے کہ اگر کوئی دھماکہ میرے پاکستان کے کسی اور صوبے میں ہوتا ہے تو ہونٹ سیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شکر ہے پنجاب تو محفوظ ہے اور جب پنجاب میں ہوتا ہے تو خاموش رہتے ہیں اور سنائی دیتا ہے کہ اللہ کا کرم ہے کہ میرا شہر تو سلامت ہے جب ان کے شہر میں ہوتا ہے تو یہ کوئی صدا بلند نہیں کرتے بلکہ آرام سے کہتے ہیں کہ اللہ کی کرم نوازی ہے کہ میرا علاقہ محفوظ ہے، ہم یہ بھول چکے ہیں کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے لیکن یہاں بحثیت پاکستانی قوم ہمیں ان لوگوں کے زخموں کا بھی احساس کرنا چاہئے جو بلوچستان میں بستے ہیں جو سندھ میں رہتے ہیں، جو خیبر پختونخواہ

کے باسی ہیں، جو پنجاب کے رہائشی ہیں اور جو کشمیر اور گلگت و بلتستان کے مکین ہیں اگر یہ احساس اجاگر ہو گیا تو میرے اس خوبصورت چمن میں سدا بہار آ جائے گی اور خزاں کا موسم رفو ہو جائے گا۔

خدا کرے مرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ ء زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے، کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کے گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

سوچ نگر" کی تقریب رونمائی میں میری باتیں"

کچھ دن انسان کی زندگی میں بہت خاص ہوتے ہیں ، جیسے آج کا دن میری زندگی کا اہم دن ہے کیونکہ آج میری پہلی کتاب 'سوچ نگر' کی تقریب رونمائی ہے ،پہلی کتاب پہلے بچے کی مانند ہوتی ہے اس لئے آج مجھے خوشی بھی ویسے ہی محسوس ہو رہی ہے ۔

میں یہاں پر اپنے پروردگار کا شکر گذار ہوں جو عظیم ،بے نیاز، مہربان اور رحیم ہے وہ اپنی بڑی عظیم تر سلطنت میں سانس لیتی چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں کو نواز کر عظیم کر سکتا ہے ، خواہشوں کو پیدا کرکے ان کی آبیاری کرتا ہے اور کسی لمحہ ، سخا میں تکمیل سے روشناس کر دیتا ہے ،اہل کتاب کو صاحب کتاب بھی کر دیتا ہے ۔

قارئین !

کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں لکھوں گا ، لکھا ہوا پبلش بھی ہو گا ، پھر میری سوچ کی لہریں اتنی وسیع ہو جائیں گی کہ ایک جہاں آباد کر لیں گی اور ''سوچ نگر'' کتاب کی صورت میں وجود میں آ کر کئی لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر

دے گی اور کئی لوگوں کو اس سے یہ بھی تحریک ملے گی کہ اگر انسان ایک سچے جذبے سے کام کرے گا محنت اور لگن کو اپنا شعار بنائے گا تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔

! قارئین

میں اگر اپنے ماضی پر نظر دوڑاؤں تو بچپن سے لڑکپن تک کبھی تصور بھی نہیں کیا کہ میں قلم اٹھاؤں گا کیونکہ علمی میدان میں کچھ قابلیت نہیں تھی بلکہ نالائق سٹوڈنٹس میں شمار ہوتا تھا، وادیء نمل کے سنگلاخ پہاڑوں سے پھولوں کے شہر تک کا سفر کوئی آسان نہیں تھا، لاہور میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میرا گاؤں خوبصورت تو ہے لیکن پسماندہ بھی ہے۔ سوچا کہ کیا میں اپنے گاؤں اور ارد گرد کے پسماندہ علاقوں کے لئے کوئی کردار ادا کر سکتا ہوں؟، دوستوں سے مشاورت کی کہ ہمیں کچھ کرنا ہوگا، پھر 2008ء میں ایک این جی او کی بنیاد رکھی ،جس کا نام ''عکس'' رکھا گیا اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے عکس تین الفاظ ع ،ک ،س سے مل کر بنا ہے جو ''عوام کی سوچ'' کا مخفف ہے اور آج میرے کالم کا لوگو بھی یہی ہے ''عکس'' کا مقصد پسماندہ علاقوں میں تعلیمی میدان میں

آگہی، غریب مریضوں کے لئے میڈیکل سہولیات اور لوگوں میں شعور کو اجاگر کیا جا سکے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس نیک مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں اور آج لوگوں کا اعتماد بھی حاصل ہے۔

! قارئین

2008ء میں کچھ ادبی و صحافتی دوستوں نے کہا کہ آپ لکھنا بھی شروع کریں ،تو اس وقت سے لکھنا سیکھنا شروع کر دیا ،اور سیکھنے کا عمل آج تک جاری ہے ،اس وقت میری تحریریں لوکل اخبارات میں سے شائع ہوتی تھیں ،پھر انٹرنیٹ کی بدولت مختلف ویب سائٹس پر بھی شائع ہوتی رہیں، پھر اساس ،جناح، نوائے وقت اور خبریں میں بھی لکھتا رہااور آج بھی ایک قومی اخبار میں میری تحریریں شائع ہوتی ہیں۔

یہاں ایک توجہ دلانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ جونیئر اور سینئر میں فاصلے بہت زیادہ ہیں جس سے جونیئر کو سیکھنے میں دقت ہو رہی ہے اس فاصلوں کو مٹانے کے لئے پاکستان فیڈرل یونین آف کالمسٹ اپنا کردار بخوبی ادا کر رہی ہے اس کے لئے میں پاکستان فیڈرل یونین آف کالمسٹ کی پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ اس طرح اپنا کام جاری رکھیں۔

! قارئین

میں آج جس مقام پر ہوں یقینا یہ سب میری والدین کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جنہوں نے میری ہر قدم ،ہر موڑپر رہنمائی کے ساتھ دعاؤں سے بھی نوازا اور آج ایک

بار پھر میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ ضرور کہوں گا کہ میں جو کچھ بھی ہوں آپ کی وجہ سے ہوں ،اور اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ ان کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھنا، کیونکہ والدین ایک ایسی عظیم اور لازوال دولت ہے جس کا کوئی بھی نعم البدل نہیں بلکہ والدین کی قدر آپ ان سے پوچھیں جن کا سایہ ان کے سر سے چھن گیا ہو۔

قارئین !

میں آپ تمام دوست احباب کا مشکور ہوں کہ آپ نے اتنی مصروف زندگی میں سے مجھ ناچیز کے لئے وقت نکالا اور میری اس تقریب کو رونق بخش کر میرا مان بڑھایا اور آج میں اپنے دوستوں کی محبتوں کو دیکھ کر ایک بار پھر یہ ضرور کہوں گا کہ آپ دوست ہی میرا سرمایہ ہیں،اللہ تعالی آپ سب کو سدا شاد و آباد رکھے۔آمین

(میری کتاب ''سوچ نگر'' کی تقریب رونمائی میں میری باتوں کا خلاصہ پیش خدمت ہے)

مسالک کی چھاپ

خلافت عباسیہ 750ء میں قائم ہوئی ۔عباسی خلفاء میں سب سے شہرت خلیفہ ہارون الرشید کو حاصل رہی ۔جو اہل علم کے انتہائی قدر دان تھے۔ان کی سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی ۔انہیں خاتون اول ملکہ زبیدہ سے بے پناہ محبت تھی ۔ایک بار شدت جذبات میں آ کر کہہ دیا کہ آج کی رات اگر تم نے میری سلطنت میں بسر کی تو تمہیں تین طلاق ہیں اور تم میری زندگی سے نکل جانا۔جب خلیفہ کے ہوش ٹھکانے آئے تو انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا۔چنانچہ مفتیان کرام کو اکٹھا کیا گیا کہ اس مسئلے کا حل بتایا جائے ۔ سبھی نے کہا کہ اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے کہ اگر ملکہ عالیہ کو سلطنت سے باہر بھیج دیا جائے تو پھر علیحدگی نہیں ہو گی ۔اور مسئلہ یہ تھا کہ سلطنت کی حدود تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی ۔اس وقت دنیا نے اتنی ترقی نہیں کی تھی جس کی وجہ سے فضائی سفر کی سہولت تو تھی نہیں ۔اور سبک رفتار گھوڑے کے ذریعے بھی اس کی حدود کو رات سے پہلے پار کرنا ممکن نہیں تھا۔خلیفہ ہارون الرشید نے مفتیان کرام سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی امام ابو حنیفہ کا شاگرد ہے تو انہوں نے کہا کہ ایک نوجوان دھوبی کا بیٹا ہے لیکن وہ یہاں موجود نہیں ہے ۔خلیفہ نے ہرکارے دوڑائے کہ اسے بلایا جائے ۔اسے حاضر کیا گیا اور مسئلہ بتا کر اس کا حل دریافت کیا گیا تو نوجوان نے کہا

کہ علیحدگی نہیں ہو گی اگر ملکہ عالیہ آج کی رات مسجد میں بسر کرے اور ساتھ میں سورۃ جن کی آیت نمبر ۱۸ کا حوالہ دیا کہ مساجد تو اللہ کے گھر ہیں ان پر کسی کی حکومت نہیں وہ نوجوان ابو یوسفؒ تھے جن کی فراست کو دیکھتے ہوئے بعد میں خلیفہ ہارون الرشید، نے پوری سلطنت کا قاضی القضاء (چیف جسٹس) مقرر کر دیا تھا۔

مندرجہ بالا واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ایک وقت تھا جب مساجد صرف مسلمانوں کی تھیں ان پر کسی مسلک کی چھاپ نہیں ہوتی تھی، بلکہ مسافر رات کو تھک ہار کر مساجد میں ٹھہرا کرتے تھے، ان مساجد سے محبت کا درس دیا جاتا تھا، امن کا سبق پڑھایا جاتا تھا، باہمی محبت و یگانگت کے فروغ کے لئے محافل منعقد ہوتی تھیں، مساجد کو معاشرے میں ایک ایسا مقام اور اہمیت حاصل تھی کہ باہمی جھگڑوں کو مساجد میں ختم کروایا جاتا تھا لیکن پھر کیا ہوا، پھر ایک ایسی ہوا چلی جس نے سب کچھ الٹ کار کھ دیا مساجد جو صرف مسلمانوں کی تھیں ان پہ مسالک کی چھاپ لگ گئی، کوئی دیو بندی کی، کوئی بریلوی کی، کوئی اہل حدیث کی، کوئی وہابی کی، کوئی اہل تشیع کی، کوئی اشاعت تو، حید کی تو کوئی کسی اور مسلک کی مسجد بن گئی، اب تو یہ حال ہو چکا ہے کہ ہر کسی نے چار اینٹیں ڈال کر اپنی مسجد بنا لی، لاؤوڈ اسپیکرز سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے ترانے گونجنے لگے، منبر رسول ﷺ جہاں محبت کا درس اور بھائی چارے کی

باتیں کی جاتی تھیں وہاں سے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے جاری کئے جانے لگے ،مساجد جہاں مسافر ٹھہرا کرتے تھے وہاں تالے پڑ گئے ،اور ہر کسی نے اسلام کے احکامات کو تو بھلا دیا ،سنت نبوی ﷺ کو تو پس پشت ڈال دیا ،دلوں کو سنوارنے کی بجائے صرف مساجد کو ہی سجانے سنوارنے لگے ان کے اوپر اپنے مسلک کا لیبل لگانے لگے ۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے ,برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اگر یہی روش برقرار رہی ،ہم ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے رہے ،ایک دوسرے کو واجب القتل قرار دیتے رہے تو پھر ہمیں کسی دشمن کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ہم خود ہی ایک دوسرے کے لئے کافی ہونگے ،پھر روز خون بہے گا ,روز لاشیں اٹھائیں گے اور ہر روز ماتم کیا کریں گے ،اس لئے ہم مساجد کو صرف اللہ کا گھر ہی بنائیں وہاں کسی کی اجارہ داری کی بجائے صرف مسلمان اپنے رب کی احکامات کی پیروی کرتے دکھائی دیں ،آپ کسی کو برا نہ کہیں ،کسی پر آوازیں نہ کسیں ،کوئی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں ،کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھتا تو بھی پڑھنے دیں ،کوئی رفع یدین کرتا ہے تو اسے بھی مسلمان سمجھیں جو نہیں کرتا اسے بھی مسلمان ہی سمجھیں ،کوئی آمین بلند آواز میں کہتا ہے تو کہنے دیں جو آہستہ کہتا ہو تو اس پر بھی قدغن نہ لگائیں

کوئی پاؤں کھول کر نماز میں قیام کرتا ہو تو اسے بھی اجازت ہو اور جو سمیٹ کر نماز، ادا کرتا ہو تو اس کو منع نہ کریں۔ اگر ہم نے یہ کر لیا تو ہم مسالک کی بجائے صرف مسلمان بن جائیں گے اور جس دن ہم مسلمان بن گئے، مسالک کی چھاپ ہٹ گئی تو تفرقوں میں بٹی یہ قوم دنیا کی سب سے مضبوط قوم ہو گی، لیکن اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے خود سے عہد کرنا ہو گا کہ ہمارا مذہب اسلام ہے جو کسی کو برا بھلا نہیں کہتا، جو امن کا درس دیتا ہے، بھائی چارے کی بات کرتا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔